

فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۗ

مَوَاعِظُ مَظْهَرِي

مصنفه

شیخ الاسلام حضرت علامہ سی ایم منیر عظیمی صاحب
الکرامی صاحب مدظلہ العالی

مرتبہ
پروفیسر محمد سعید احمد

بنامہ پبلشرنگ کمپنی بندر روٹی
کراچی

نواعظ مظہری

۲۳۲

مصنف

حضرت مفتی اعظم الحاج شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ
خطیب شاہی، مسجد جامع فتحپوری، دہلی۔

ترتیب

پروفیسر محمد مسعود احمد

مدینہ پبلشنگ کمپنی، بند روڈ، کراچی

دعربی پاکستان

پروفیسر محمد مسعود احمد (کوئٹہ)	_____	مرتب	①
مولانا عبدالباقی (کوئٹہ)	_____	کاتب	②
سید صابر علی (کراچی)	_____	طابع	③
مشہور آفسٹ پریس، میکلوڈ روڈ، کراچی	_____	مطبع	④
مدینہ پبلشنگ کمپنی، بندر روڈ، کراچی	_____	ناشر	⑤
۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء	_____	سنہ طباعت	⑥
اول	_____	اشاعت	⑦
ایک ہزار	_____	تعداد	⑧
_____	_____	قیمت	⑨



انتساب

قطب الواصلین، عوث العارفين حضرت الحاج شاہ محمد کن الدین
رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی جن کے انوار علم و عرفان سے ظلمت
کدہ ہند میں اُجالا ہوا

ذرہ نور شید آسنا از سایہ اش
قیمت ہستی گراں از مایہ اش
اور جن کے اعجاز نظر نے مردہ دلوں کو حیات نو بخشی
از قم او خستند اندر گورتن
مردہ جا نہ سچوں صنوبر در چمن

حرفِ اعجاز

حضرت مفتی اعظم الحاج شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مواعظ وصال سے تین چار سال قبل تحریر فرمائے تھے جب کہ سن شریف اسی سال سے متجاوز ہو گیا تھا۔ حضرت ممدوح اولادِ انجاد کی تعلیم و تربیت پر خاص نظر رکھتے تھے اور تحریر و تقریر کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے خود لکھ کر دیا کرتے تھے، چنانچہ یہ مواعظ اسی کوشش کی ایک جھلک ہے۔ بیشتر مواعظ اس مخصوص محفل عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے تحریر فرمائے جو ہر سال ۱۲ ربیع الاول کی شب کو مسجد جامع فتح پوری، دہلی میں تازک و احتشام سے منعقد ہوتی تھی، اسی محفل میں حضرت کے صاحب زادگان اور پوتے بھی تقریر فرمایا کرتے تھے، یہ مواعظ انہیں کے لئے تحریر فرمائے۔

چوں کہ ان مواعظ میں حضرت ممدوح نے براہ راست سامعین سے خطاب نہیں فرمایا اس لئے مقررین کی علمی استعداد اور قابلیت کو پیش نظر رکھا ہے، ان مواعظ سے حضرت ممدوح کی تبحر علمی اور فضل و کمال کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، اصل کمال دیکھنا ہو تو فتاویٰ مظہری (مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۰ء) مطالعہ کی جائے۔ اس مجموعے میں حضرت ممدوح کے مکتوبہ معذرت سے چند مواعظ شامل کئے گئے ہیں،

حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے آخری ایس سالہ دور (۱۹۴۷-۱۹۶۶ء) میں بکثرت مواعظ تحریر فرمائے، ان سوس یہ سارا سرمایہ محفوظ نہ رکھا جاسکا، اس کے علاوہ حضرت علیہ الرحمہ نے مسجد جامع، فتح پوری، دہلی میں تقریباً نصف صدی تک تبلیغ و ارشاد کے فرائض انجام دیئے مگر صد افسوس کہ حضرت ممدوح کے یہ ملفوظات بھی محفوظ نہ رکھے جاسکے ورنہ مواعظ و ملفوظات پر متعدد مجلدات پیش کرنے کی سعادت

اس مجموعے میں جو مواعظ شامل کئے گئے ہیں ان میں آٹھ مواعظ حضرت علیہ الرحمہ کے پوتے فاضل نوجواں مولانا مکرم احمد سلمہ (دہلی) نے عنایت فرمائے ہیں، راقم الحروف جب فروری ۱۹۶۸ء میں دہلی حاضر ہوا تو عزیز موصوف سے مواعظ کے مسودات اپنے ساتھ لے آیا تھا۔ ایک تقریر جو شب معراج سے متعلق ہے حضرت علیہ الرحمہ کی صاحبزادی (بھاو پور) نے عنایت فرمائی فجزا ہما اللہ احسن الجزاء، ایک مختصر مضمون جو شب قدر سے متعلق ہے ایک سال سے حاصل کیا گیا ہے اور اس طرح یہ مختصر مجموعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جا رہی ہے۔

چوں کہ یہ مواعظ مرتب تھے اس لئے ترتیب تدوین کے وقت پہلے یہ سوچا کہ ان مواعظ کے زیر عنوان جو آیات قرآنیہ ہیں انہیں کی ترتیب کے لحاظ سے مرتب کیا جائے مگر جب یہ محسوس ہوا کہ آیات کی ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا تو مواعظ کے مضامین میں ربط و تسلسل باقی نہیں رہے گا تو پھر مضامین کے اعتبار سے تدوین کو ترجیح دی گئی جس سے قدرے ربط و تسلسل پیدا ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ راقم نے تمام مواعظ کے عنوانات بھی قائم کر دیئے ہیں تاکہ توضیح و تفہیم مطالب میں مزید سہولت ہو۔ چوں کہ یہ مواعظ حضرت علیہ الرحمہ نے اولاد امجاد کے لئے تحریر فرمائے ہیں اس لئے جہاں کہیں حضرت نے اپنے لئے صیغہ واحد فاعل استعمال کیا تھا راقم نے وہاں ذرا سی ترمیم کر کے واحد تکلم کر دیا ہے اور اس مقام پر مضمون میں ذرا سی تبدیلی بھی کر دی تاکہ قارئین کرام کو الجھن نہ ہو۔

ابتداء میں ان مواعظ کے نہ صرف عنوانات کی فہرست دی ہے بلکہ فہرست المضامین کے عنوان سے ہر وعظ کا ایک خاکہ بھی پیش کر دیا ہے تاکہ مقررین و اعلیٰین استفادہ کرنا چاہیں تو سہولت ہے، اس کے بعد صاحب مواعظ مظہری کی سیرت پاک "حیات مظہری" کے عنوان سے مختصراً پیش کر دی ہے، پھر "فتاحیہ" کے عنوان سے بعض ضروری امور پر بحث کی ہے اور آخر میں مواعظ کی مناسبت سے نعتوں کا ایک انتخاب "سبد گل" کے نام سے شامل کر دیا گیا ہے۔

حضرت علیہ الرحمہ نے ان مواعظ میں جہاں کہیں قرآنی آیات پیش کی ہیں،

وہاں سورت و آیت کا حوالہ تحریر نہیں فرمایا تھا، راقم نے ہر آیت کا حوالہ قوسین میں لکھ دیا ہے، اس سلسلے میں مولینا عبدالقیوم صاحب (کوئٹہ) نے اعانت فرمائی چونکہ مواعظ، مقالات نہیں ہوتے اس لئے حضرت علیہ الرحمہ نے کتابوں کے تفصیلی حوالے نہیں دئے اور جہاں کہیں اشارۃ حوالے دئے ہیں ان کو فہرس مآخذ و مراجع کے عنوان سے آخر میں جمع کر دیا ہے اس سلسلے میں مولینا عبدالقدوس ہاشمی (راولپنڈی) نے اعانت فرمائی، فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

راقم نے تقریباً دو ماہ میں یعنی جون و جولائی ۱۹۶۹ء (ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول ۱۳۸۹ھ) میں مواعظ منظری کا مبیضہ تیار کیا اس کے بعد محرم مولینا عبدالباقی (کوئٹہ) نے دو ماہ میں یعنی اگست و ستمبر ۱۹۶۹ء (جمادی الاول، جمادی الآخر، رجب ۱۳۸۹ھ) اس مجموعے کی کتابت کبھل فرمائی، اور ازراہ محبت و عقیدت مواعظ منظری کی کتابت کے معاوضے کا تیسرا حصہ بھی نذر فرمایا، اب طباعت و اشاعت کے فرائض حضرت علیہ الرحمہ کے محب خاص حکیم محمد تقی صاحب (کراچی) انجام دے رہے ہیں، موصوف اس سے قبل سلسلہ منظر یہ کی پانچ کتابیں چھپوا کر شائع کراچکے ہیں یعنی منظر الاخلاق، ارکان دین، تذکرہ منظر مسعود، مکاتیب منظری (جلد اول)، فتاویٰ منظری (جلد اول و دوم)، اور اب اسی سلسلے کی یہ چھٹی کتاب مواعظ منظری شائع فرما رہے ہیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔ اگر حالات نے مساعدت کی تو انشاء اللہ سلسلہ منظر یہ کی باقی کتابیں بھی پیش کی جائیں گی۔

جولائی ۱۹۶۹ء
جمادی الاول ۱۳۸۹ھ

ڈپروفیسر (محمد مسعود) احمد
کوئٹہ (مغربی پاکستان)

فہرست المصنفین

۲۱ حیات منظری — پروفیسر محمد مسعود احمد

۵۱ افتتاحیہ — پروفیسر محمد مسعود احمد

۹۷ مواعظ منظری

①

۹۹ شرک و توحید

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ

(۱) خطبہ — کلمہ کے حقیقی معنی — کلمہ کے جزو اول میں
توحید کامل کا ذکر ہے — توضیح و تشریح — قول حضرت
شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ — مشرک کے حقیقی
معنی و مفہوم — حق جل مجدہ نے حسب صلاحیت اپنی صفات
کاملہ سے بندوں کو نوازا ہے — واقعہ حضرت آصف بن برخیا
— ارشاد قرآن — حضرت جبریل علیہ السلام کا بیان
— حضرت عمر راہیل علیہ السلام کی کمال قوت — حضرت
آدم علیہ السلام کی وسعت علم — صفات الہیہ اور صفات
عباد میں کوئی نسبت نہیں — مشرک کون ہے —

- مسئلہ ہابسیہ اور ان کی کتابیں
- (ب) کلمہ کے جزو ثانی کی توضیح و تشریح — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام رسالت — اللہ اور رسول کی فرماں برداری عین ایمان ہے، تکذیب یا تکفیر کفر ہے —
- (ج) شرک و توحید — کفر و ایمان — فرض — واجب — سنت موکدہ — سنت غیر موکدہ — مستحب — حرام — مکروہ تحریمی — اساءت — خلاف اولیٰ — مباح — بدعت

نشاۃ تخلق (۲)

كُنْتَ كَثْرًا مَخْفِيًا فَاحْبَبْتَ النَّجَى

- (۱) مخلوق کی پیدائش کا مقصود عرفان الہی ہے — آیت شریفہ اور تفسیر و تشریح — دور جدید کا انسان روح سے مجازی منافع حاصل کر رہا ہے، حقیقی منافع سے بے خبر ہے —
- اقسام علوم — علم دراست — علم وراثت — علم وراثت انبیاء علیہم السلام کا ترکہ ہے — علم وراثت کے حامل اولیاء اللہ ہیں — حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے محامد میں ارشاد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم — حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے محامد میں ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم — اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد محمدی صلی اللہ علیہ وسلم — اولیاء اللہ کی پہچان
- (ب) مخلوق کی پیدائش اور انسان کی ترقی کا حال علم باطن کی

روشنی میں — عالم احادیث — عالم لاهوت —
 عالم امر — عالم وحدت — عالم احادیث —
 عالم جبروت

(۳)

مِثَاقُ النَّبِيِّنَ

وَإِذَا خَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّنَ

(ا) خطبہ — ترجمہ و تفسیر آیات شریفہ — حضرت علی
 کرم اللہ وجہہ کا قول — حضرت عیسیٰ علی نبیہا و علیہ السلام کی بشارت
 یہود کا آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے دعائے
 نصرت مانگنا — ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم —
 آیات تورات شریف

(ب) آداب النبی صلی اللہ علیہ وسلم — ارشادات الہیہ —
 قول صحابی رضی اللہ عنہ — آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم
 و تکریم — حیوانات کے دل میں آل حضرت کی عزت و توقیر —
 حضرت انس رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ — آل حضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھائی، کہہ کر خطاب فرمانا ان
 کے لئے دولت کونین سے برتر تھا — دور جدید کے مسلمانوں
 کا حال — آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مثل بتانا —
 آداب نبوی کے سلسلے میں حق جل مجدہ کا صحابہ کو زجر و توبیخ کرنا —
 دربار رسالت میں محض آواز اونچی کرنے پر قرآن کریم کی
 تہدید — صحابہ کا اضطراب — ازواج مطہرات بھی
 دوسری عورتوں کے مثل نہیں — آل حضرت صلی اللہ علیہ
 وسلم کے مقام عالی کا تحقق عقل سے ماوراء ہے —

(۴)

ناموں مصطفیٰ ﷺ

۱۳۱

إِنَّا أَمَرْنَا سَلْمَانَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا

آیت شریفہ — آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اصل الاصول (۱)

ہیں — حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بشارت — علم نبوی
صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صاحب روح البیان کا بیان —
حضرت عبدالعزیز دباغ رحمۃ اللہ علیہ کا علم مصطفوی صلی اللہ علیہ
وسلم پر تبصرہ — حدیث مبارکہ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر — انس (ب)

و جن کو قوت بدر کہ عطا فرما کر آزمائش مقصود ہے — صحابہ کا
اوپنی آواز سے دربار رسالت میں گفتگو کرنا — حق جل مجدہ
کی تہدید شدید — آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام
حیات ظاہری اور حیات باطنی دونوں صورتوں میں مطلوب ہے
— آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاسنے کے قرآنی آداب

— حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تشریح و تفسیر —
حق جل مجدہ کا قرآن کریم میں "یا محمد" کہہ کر خطاب فرمانا آغاز
ادب ہے — قرآن کریم میں نعت شریف جناب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا التزام کیا گیا ہے

جو مخلوق قوت بدر کہ سے محروم ہے اس کی فطرت میں عظمت (ج)

نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مرتسم ہے — حضرت عباس رضی اللہ عنہ
کے علم محترم کا مشاہدہ — معجزہ شوق القمر — معجزہ رجعت
آفتاب — معجزہ غار ثور — حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ

عنه کی والدہ کا مشاہدہ — مجزہ باران رحمت —
 حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مشاہدہ — سراقہ بن مالک کے
 ساتھ عجیب واقعہ — حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا روڈ نیل کے
 نام حکم نامہ بیچنا — حضرت اسامہ کا مشاہدہ — حضرت
 انس رضی اللہ عنہ کا واقعہ

(۵)

دُرُودِ عَآءِ

۱۴۲۳

اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ

(ا) خطبہ — آیات شریفہ کا ترجمہ اور تشریح —
 سالکین راہ طریقت کا درود شریف تلقین کرنا — آل
 حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات و احسانات —
 درود شریف اور قبولیت دعا — دعا کا رد ہونا بھی حکمت
 سے خالی نہیں

(ب) آداب دعا — حرام روزی سے اجتناب کرنا —

— وہب بن منبہ کی روایت — ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

— خضوی قلب سے دعا کرنا — واقعہ حضرت موسیٰ علیہ

السلام — واقعہ بنی اسرائیل — ناجائز امور اور

محرمات کا طلب کرنا — ارشاد مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

— قرآن کریم کا فرمان — طلب پیہم سے اکتانہ جانا

— ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم — قبولیت دعا

— اور بلعین فرعون — ارشاد محمدی صلی اللہ علیہ وسلم —

— قیامت کے دن رب تبارک تعالیٰ کا بندوں سے خطاب

— ذوق و شوق اور اعتماد کامل کے ساتھ دعا مانگنا —

(۶)

حدیثِ نعمت

۱۵۷

وَأَمَّا بِنِعْمَتِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ

(۱) خطبہ ————— ترجمہ و تشریح آیات شریفہ ————— صاحب
تفسیر سراج المنیر کی تفسیر ————— صاحب تفسیر روح البیان کی تشریح
نعمت سے مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی
ہے ————— صاحب لائل الخیرات کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
ذاتِ گرامی کو نعمت اللہ اور رحمتہ اللہ کے خطاب سے یاد کرنا ————— شاہ ولی اللہ
رحمتہ اللہ علیہ کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں خراج عقیدت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف تمام تعائم الہیہ کا
ذکر ہے ————— بعثت سے قبل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے
ذکر اذکار ————— حضرت آدم علیہ السلام کا پہلی بار مشاہدہ —————
حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا بشارت سنانا ————— تورات
شریف میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف —————
یہود کا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعائے نعمت مانگنا
قرآن کریم کی گواہی ————— قرآن پاک میں آں حضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر شریف

(ب) مولود شریف صرف اس لئے بدعت نہیں ہو سکتا کہ اس میں
سرکار ابد قرار کی تشریف آوری کا ذکر کیا جاتا ہے ————— خود حق
جل مجدہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر
کرنے کی ہدایت فرماتا ہے ————— سرکار اقدس کا اپنی ولادت اور
محاورہ محاسن کا خود بیان فرمانا ————— ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

مولود شریف کو بدعت کہنا صحیح نہیں۔۔۔ بدعت کے حقیقی معنی
 و مفہوم۔۔۔ اقسام بدعات۔۔۔ شیئہ۔۔۔
 حسنة۔۔۔ محرمة۔۔۔ واجبة۔۔۔ مستحبة۔۔۔
 مباحہ۔۔۔ صاحب کتاب القواعد علامہ شیخ عزیز الدین کا قول
 اقسام بدعات میں مولود شریف بدعت مستحبة ہے۔

(ج) مولود شریف دیگر بدعات (حسنہ، واجبة، مستحبة، مباحہ)
 کی طرح ضرورۃً رواج پا گیا۔۔۔ شہر موصل میں حضرت عمر بن محمد
 رضی اللہ عنہ نے مولود شریف کا آغاز کیا۔۔۔ بادشاہوں میں
 ابوسعید مظفر نے تخصیص و تعیین یوم کے ساتھ مولود شریف منعقد
 کیا۔۔۔ حافظ ابوالخطاب بن وجیہہ رضی اللہ عنہ نے مولود
 شریف پر اپنی تصنیف پڑھی۔۔۔ سلطان ابوسعید کی نوازشاً
 و عنایات۔۔۔ تمام بلاد اسلامیہ میں محافل میلاد النبی صلی
 اللہ علیہ وسلم کا انعقاد۔۔۔ ملا علی قاری، علامہ حلبی اور علامہ
 قسطلانی کی شہادتیں۔۔۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی
 کا قول۔۔۔ مولود شریف کے برکات و حسنات۔۔۔
 بعض علماء کار و لکھنا۔۔۔ نفس مولود کار و نہاں بلکہ غیر شرعی
 لوازمات کار و مطلوب تھا۔۔۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا قول
 متاخرین علماء دہلی کے ہاں محافل میلاد النبی کا انعقاد
 حضرت شاہ عبدالرحیم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز حاجی
 امداد اللہ مہاجر مکی وغیرہم مولود شریف کے حامی تھے۔۔۔
 مولود شریف میں قیام بھی شرک نہیں۔۔۔

(د) صاحب غنیۃ المتعلیٰ اور کبیری کے بیانات۔۔۔ مولود شریف پر
 متقدمین و متاخرین کا اتفاق۔۔۔ قیام مولود شریف کی مختلف
 تاویلات۔۔۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

⑤

تصرفات محمدیہ

اقتراب الساعۃ والنشق القمر

۱۸۳

خطبہ — مناجات منثور — نعت منثور — (د)

آداب مجلس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم — صحابہ کرام
کا دربار رسالت میں ہمہ تن گوش ہو کر بیٹھنا — قاضی عیاض
رضی اللہ عنہ کا قول — علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان —

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر ولادت نبوی صلی اللہ
علیہ وسلم فرمانا — حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کا قول
ترجمہ و تشریح آیات شریفہ — اس حضرت صلی اللہ

(ب)

علیہ وسلم کا تصرف جمیع عوالم میں — اقسام عوالم —
عالم معانی — عالم ملائکہ — عالم انسان —
عالم جنات — عالم علوی — عالم بساط —
عالم حیوانات — عالم نباتات — عالم جمادات —

معجزات عالم معانی — حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ

(ج)

عنه کے لئے بشارت نبوی — حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ
کے لئے بشارت نبوی — حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے
لئے بشارت نبوی — معجزات عالم ملائکہ —

مشاہد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ — حضرت
ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ — عمران بن حصین کا مشاہدہ
— حضرت ابو ہریرہ کا دوسرا مشاہدہ — عائد

بن عمرو کا بیان — سمرة بن جندب کا بیان —
حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان — زوجہ عقبہ کا بیان

حضرت خالد بن الولید کا بیان ————— عبد اللہ بن عتیک کا بیان —
 عثمان بن حنیف کا بیان ————— معجزات عالم جنات —————
 بعثت نبوی کے وقت آسمان پر جنوں کا جانا موقوف ہو جانا —————
 جماعاتِ اجنہ کا مشرف باسلام ہونا ————— حضرت خالد بن
 الولید کا مشاہدہ ————— جبل ابوقبیس کا واقعہ —————
 معجزہ عالم خاک ————— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان —————
 معجزہ عالم آب ————— حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ
 معجزہ عالم آتش ————— حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا
 مشاہدہ ————— معجزہ عالم ہوا ————— حضرت انس رضی اللہ عنہ
 کا مشاہدہ ————— معجزہ عالم جادات ————— حضرت علی کرم
 اللہ وجہہ کا مشاہدہ ————— معجزہ عالم نباتات —————
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ ————— معجزہ عالم حیوانات —————
 حضرت تیم داری رضی اللہ عنہ کا مشاہدہ ————— آل حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف نہ صرف عالم علوی بلکہ تمام عوالم میں جاری
 و ساری ہے ————— اکی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تصرفات
 مشیت الہی کے تابع ہیں —————

(۸)

شب معراج

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ

ترجمہ تشریح آیات شریفہ ————— صاحب تفسیر جلالین کی
 تفسیر ————— صاحب فتوحات الہیہ کی تفسیر ————— واقعہ
 معراج خلافت عقل نہیں ————— بلکہ چمکنے سے قبل تخت بلقیس
 کا آنا ————— واقعہ معراج رات کے مختصر حصے میں ہوا۔

عزت و توقیر

۲۰۴

وَلِعِزَّةِ اللَّهِ وَتُقْرِوَةٍ

(ب)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر
اشیاء منسوبہ کی تعظیم بھی لازم ہے۔ توہین کفر ہے۔

۲۰۵

شفاعت

عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ رَبِّكَ مَقَامًا جَمُوعًا

(ج)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی سفارش فرمائیں گے
قرآن کریم کا ارشاد۔ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا ارشاد۔ قیامت میں آں حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی شفاعت کا منظر

⑨

شب مبارک

۲۰۷

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ

ترجمہ آیات شریفہ۔۔۔ شب قدر میں حق جل مجدہ خوب
خوب نوازتا ہے۔۔۔ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب
بھلائیوں سے محروم رہا۔۔۔ رمضان شریف کے آخری عشرے
کی طاق راتوں میں عبادت کی جائے۔۔۔ کسی قیمت پر
اس دولت عظمیٰ کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے

۱۰ خلافت

۲۰۹

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم

حضرت علی کا منصب خلافت قبول کرنے سے انکار
 صحابہ کرام کا اصرار ————— منصب خلافت قبول فرمانا
 ملک شام میں بنی امیہ کی ریشہ و انبیاں ————— حضرت علی پر
 شہادت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا الزام ————— امیر معاویہ کا
 لوگوں کو اکسانا ————— امویوں کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا
 کو ورغلانا ————— مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ روانگی اور راستے ہی
 سے ایسی ————— مروان بن الحکم کا مدینہ طیبہ پہنچ کر حضرت عائشہ
 کو حضرت علی کے خلاف برا بھلا کہنا ————— حضرت عائشہ کے
 خدشات بقاضائے فطرت نسوانی تھے ————— حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ ہائلہ سے فطری طور
 پر حضرت عائشہ کا متاثر ہونا ————— مخالفین حضرت علی کا
 حضرت عائشہ کو مشورہ دینا کہ وہ بصرہ جا کر اہل عراق کو حضرت
 علی سے بدلہ لینے پر آمادہ کریں
 حضرت عائشہ کی بصرہ روانگی ————— مقام حوآب (ب)
 پر کتوں کا بھونکنا اور آپ کا واپس ہونا ————— مخالفین کا
 غلط بیانیوں سے ایسی کے ارادے سے باز رکھنا —————
 جنگ جمل کی خوں ریزیاں ————— حضرت عائشہ پر
 صحابہ کی جاں نثاریاں ————— مالک بن اشتر کا حضرت عائشہ
 کے ناقہ مبارک پر سخت حملہ ————— مخالفین علی کرم اللہ وجہہ
 کی ہر بیت ————— حضرت عائشہ کا مدینہ منورہ تشریف لیجانا

(ج) گورنر شام معاویہ بن سفیان کی بغاوت ————— حضرت علی
 کرم اللہ وجہہ کی افواج کا حدود شام میں داخل ہونا ————— مقام صفین پر
 دونوں افواج کا تصادم اور خون ریز جنگ ————— النواہی جنگ کے
 بعد جانبین کے ثالثوں (حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمر بن العاص)
 کا مقام دو مہینہ الجندل پر ملاقات کرنا ————— ثالثوں کا فیصلہ —————
 حضرت ابو موسیٰ اشعری کا اعلان ————— حضرت عمر بن العاص کا چال
 پل جانا ————— امیر معاویہ کا تخت خلافت پر متمکن ہونا —————
 معاویہ بن شریح کا گورنر مصر حضرت محمد بن ابوبکر کے خلاف علم
 بغاوت بلند کرنا ————— انقلاب پسند گروہ کی تشکیل —————
 حضرت علی، معاویہ اور عمر بن العاص کے قتل کی سازش —————
 عبداللہ بن مبارک کا معاویہ پر حملہ کرنا اور ان کا شدید زخمی ہونا —————
 عبدالرحمن بن ملجم کا مسجد کوفہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر بھروسہ
 دار کرنا اور آپ کا شدید زخمی ہونا ————— زخموں کی تاب نہ
 لا کر منصب شہادت پر فائز ہونا۔

تآخذ و مراجع

سبید گل

۲۲۱

۲۲۹

پروفیسر محمد مسعود احمد



حیاتِ منظری

انہ

پروفیسر مسعود احمد

حیاتِ مظہری

پروفیسر محمد مسعود احمد

(۱)

حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مظہر رحمۃ اللہ علیہ پاک پند کے مشہور و معروف علماء و صوفیہ ہیں سے تھے، آپ دہلی کے جلیل القدر عالم اور فقیہ حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۹ھ) کے نامور پوتے اور حضرت شاہ محمد سعید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۰۶ھ) کے فرزند ارجمند تھے، نیا فاروقی تھے اور ہندوستان کے مشہور صوفی شیخ جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۹ھ) کی اولاد امجاد سے تھے، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی تھے، آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ رجب المرجب ۱۳۰۳ھ (مطابق ۱۱ اپریل ۱۸۸۶ء) دہلی میں ہوئی ۶ سال کی عمر میں یتیم و بسیر ہو گئے توجہ اجداد حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے کفالت فرمائی، دو سال بعد ان کا بھی وصال ہو گیا تو نانی صاحبہ اور پھر عم محترم حضرت مولانا عبد المجید رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۶۲ھ) نے اپنی کفالت میں لے لیا۔ اس طرح ابتدائی

۱۔ حضرت مفتی اعظم علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لیے راقم کی تالیف "مذکرہ مظہر مسعود" (مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء) مطالعہ کی جائے۔ ۲۔ شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "نور العرفان" کے صفحہ ۱۰۲ پر صراحتاً تحریر فرمایا ہے کہ وہ شیخ جلال تھانیسری رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے ہیں مگر ایک دوسری مطبوعہ تصنیف "در التیمیم فی القرآن العظیم" (مؤلفہ ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء) میں صدیقی، تحریر فرمایا ہے شیخ جلال تھانیسری کے تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل ماخذ سے رجوع کیا جائے بقیہ لکے

سے حضرت علیہ الرحمہ کی سیرت مبارکہ میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک نظر آنے لگتی ہے

(۲)

حضرت علیہ الرحمہ نے حفظ قرآن کریم کے بعد قرأت میں وہ کمال حاصل کیا کہ باہر شاید، دہلی میں بیسٹار حفاظ اور قراء موجود تھے مگر حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت کی شان ہی کچھ اور تھی، جن کا نون نے یہ قرأت سنی ہے، اس کی شیرینی و خلاوت اور لطافت پاکیزگی جھلائے نہیں بھولتی، امام جزری علیہ الرحمہ اپنی تالیف "النشر فی القراءات العشر" میں قرأت کی جو تعریف کی ہے، حضرت علیہ الرحمہ کی قرأت اس تعریف کی ترجمان صادق تھی، - امام جزری فرماتے ہیں :-

تجوید نہ تو زبان کے چبانے کو کہتے ہیں اور منہ میں گڑھا ڈالنے کو، نہ جہر کو ٹیڑھا کرنے کا نام تجوید ہے، نہ آواز میں گونج پیدا کرنے اور نہ تشدید کو سختی سے کھینچنے اور مد کو کاٹنے اور غنات (نون غنہ) کی بھنبھاہٹ کا نام تجوید ہے، اور نہ راؤں کو بیٹنے کا کہ ان کربوں سے قرأت ایسی ہو جاتی ہے کہ طبیعتیں اس سے متنفر ہوں اور دل اور کان سنانہ چاہیں، بلکہ قرأت ایسی سہل، شیریں اور لطیف ہونی چاہیے کہ جس میں چبانامو، نہ منہ میں پھرانا نہ بے راہ روی اور تکلف ہو، نہ تصنع یا عجلت پسندی ہو اور نہ وجوہ قرأت واداکے باب میں عرب کی عادتوں اور فقہاء کے کلام سے کسی طور پر تجاوز ہو۔

حفظ قرآن کریم اور تجوید قرأت کی تحصیل کے بعد معاصرین علمائے کرام سے علوم عقلیہ و نقلیہ

(بقیہ حواشی ص ۲۳) (۱) عبد القادر بدایونی: منتخب التواریخ، ص ۳۹۵ (۲) عبد الحی لکھنوی: نزہۃ الخواطر، ج ۲، ص ۸۲ (۳) عبد الحق مدنی دہلوی: اخبار الاخیار، ص ۲۸۵ (۴) مفتی غلام سرور: خزینۃ الاصفیاء، ج ۱، ص ۲۳۹ (۵) دار الشکوہ و سفینۃ الاولیاء، ص ۱۳۷۔
رواشی صفحہ ۱۲۱) لے راغب طباطبائی تاریخ افکار و علوم اسلامی، (ترجمہ اردو افتخار لکھنوی) مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۸ء، ص ۱۹۴، ۱۹۵۔

کی تحصیل کی اور پھر فرائض مطالعہ سے مختلف علوم و فنون میں وہ کمال حاصل کیا کہ باید شاید فقہ، اصول فقہ، علم الفرائض اور علم الواقیت میں تو مہارت تامہ حاصل تھی ہی، دیگر علوم مثلاً تفسیر، اصول تفسیر، منطق و فلسفہ، صرف و نحو، ادب و شاعری، خطاطی وغیرہ پر بھی پورا پورا عبور حاصل تھا۔
 فتویٰ نویسی میں حضرت علیہ الرحمہ کو خاص کمال حاصل تھا، آپ نے تقریباً ستر سال مسجد جامع فتحپوری میں فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دیئے، آپ کے تحقیقی اور بے لاگ فتوؤں کے مخالف موافق دونوں معترف تھے، اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ آپ نے کبھی اپنے و بیگانے کی زور عایت نہیں کی اور حق و انصاف کے تقاضوں کے تحت فیصلہ صادر فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ آپ خود تحریر فرماتے ہیں :-

الحمد لله على احسانه مني في مخالفتي طرف حق ويكفتمه هوئى كبهى اس كى حمايت سے دريغ نهىن كيا، جس كا نتيجه يه هو اك اس كى قلب ميں ميروى محبت اسخى هو گئى، اسى طرح اپنے دوست كى طرف باطل ديكته هوئى كبهى اس كى حمايت نه كى اگر چه وه اس كى جبهه سے دشمن هو گيا، ليكن مجھے نه اس كى دوستى كى كچه پراهه رهى نه اس كى دشمنى كا كچه خوف الحمد لله على ذالك.

حضرت علیہ الرحمہ کی اسی ہرل عزیز می اور مقبولیت کو دیکھتے ہوئے کراچی کے ایک شاعر جناب گل زار دہلوی نے کہا ہے :-

اپنے تو پھر بھی اپنے ہیں، اپنوں کا ذکر کیا
 غیروں کی زباں پہ بھی شہرہ تہرا ہے

(۳)

حضرت علیہ الرحمہ تقریباً ۱۴ سال کی عمر میں مشرقی پنجاب کے مشہور و معروف بزرگ حضرت سید امام علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۲۸۲ھ) کے صاحبِ اد سے حضرت سید صادق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۳۱۶ھ) سے سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ میں بیعت ہوئے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے اپنے مکاتیب شریف میں اپنے پیر مرشد کا بڑی عقیدت و محبت سے ذکر

کیا ہے اور بار بار ان کو اس طرف متوجہ ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔
 چوں کہ بیعت کے دوسرے ہی سال حضرت سید صادق علی شاہؒ کا وصال ہو گیا تھا
 اس لئے حضرت کے جدامجد حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت شاہ رکن الدین
 صاحب لوری قدس سرہ العزیز (م۔ ۱۳۵۵ھ) نے حضرت علیہ الرحمہ کی روحانی تربیت
 فرمائی اور چاروں سلاسل میں اجازت و خلافت عطا فرما کر مسند شہادت پر متمکن فرمایا۔
 علوم ظاہری اور علوم باطنی کی تکمیل کے بعد حضرت علیہ الرحمہ نے سلسلہ بیعت و ارشاد
 کا آغاز فرمایا، بے شمار لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، آپ کے مریدین و
 معتقدین ہندوستان و پاکستان کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، بلکہ بلاد اسلامیہ میں بھی
 موجود ہیں، آپ کے خلفاء و سفراء بھی پاک ہند کے مختلف شہروں میں موجود ہیں، حضرت
 علیہ الرحمہ نے اپنی حیات طیبہ میں بکثرت ہنود و نصاریٰ کو مشرف باسلام کیا، آپ کی
 زندگی کا یہ باب نہایت ہی روشن و تابناک ہے، تقسیم ہند کے بعد جب کہ ہندوستان
 میں اسلام کی طرف دعوت دینے کی کسی کو جرأت نہ ہوتی تھی، آپ نے مومنانہ بیباکی
 کے ساتھ بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام کیا، حضرت علیہ الرحمہ کے ان فیوض
 و برکات پر روشنی ڈالتے ہوئے لاہور کے ایک شاعر جناب گوثر صدیقی کہتے ہیں:-

نگاہ فیض سے پتھر کو پارس کر دیا جس نے
 برے انسان کو بھی بہتر سے بہتر کر دیا جس نے

(۳)

دہلی کی شاہی مسجد فتحپوری کا سلسلہ امامت و خطابت شاہانِ مخلصیہ کے دور سے
 لے آپ اجتھان (ہندوستان) کے مشہور عالم اور صوفی ہیں، آپ کا مزار مبارک ریاست اتر
 میں زیارت گاہ عام و خاص ہے، آپ صاحب تصنیف بزرگ ہیں، آپ کی تصانیف میں رسالہ مکن فہم
 تو بقائے دوام حاصل کر چکا ہے، دیگر تصانیف میں توضیح العقائد، روح الصلوٰۃ، مولود محمود،
 رسالہ دافضلعون وغیرہ قابل ذکر ہیں، آپ کے فرزند ارجمند حضرت الحاج مفتی محمد شاہ صاحب
 مدظلہ العالی آجکل حیدرآباد (مغربی پاکستان) میں مندار شاد پر رونق افروز ہیں۔
 یہ سجدہ ۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۷ھ میں شاہ جہاں بادشاہ کی اہلیہ نواب فتحپوری بیگم نے تعمیر کرائی تھی (بقیہ آگے)

حضرت علیہ الرحمہ کے خاندان میں چلا آ رہا تھا، جہاں چہ بہا درشاہ ظفر کے عہد میں حضرت کے جد امجد حضرت شاہ محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ اس منصب جلیلہ پر فائز ہوئے، آپ کے وصال کے بعد آپ کے دوسرے صاحبِ اہلِ دے حضرت مولانا احمد سعید رحمۃ اللہ علیہ، (م۔ ۱۳۱۱ھ) اس منصب پر فائز ہوئے، ان کے بعد چوتھے صاحبِ اہلِ دے حضرت مولانا عبدالرشید صاحبِ رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۶۶ھ) عہدہ امانت و خطابت پر فائز ہوئے جب حضرت علیہ الرحمہ ہواں سال ہو گئے تو آپ کے عم محترم حضرت مولانا عبدالرشید صاحبِ سبکدوش ہو کر گوشہ نشین ہو گئے اور یہ منصب عظیمہ حضرت علیہ الرحمہ کو تفویض کیا گیا، آپ کی ذات گرامی سے یہ مسجد جو پہلے ہی علوم ظاہری و باطنی کا مرکز تھی سرِ چشمہ علم و حکمت بن گئی اور آپ کی شہرت کے ساتھ ساتھ اس مسجد کا بھی دور و نزدیک شہرہ ہو گیا، حضرت علیہ الرحمہ کی شہرت و عزت سے متاثر ہو کر حضرت ضیاء القادری بدایونی فرماتے ہیں :-

گو خطیب با صفا مسجد فتحپوری میں ہیں
ایشیاء میں آپ کی عزت نگر ہے بکیراں

(۵)

حضرت علیہ الرحمہ زیارتِ حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف سے بھی مشرف ہوئے ۱۹۳۵ء میں اس مبارک سفر پر تشریف لے گئے، چون کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صادق تھے اس لئے یہ عشق و محبت کشاں کشاں پہلے مدینہ منورہ لے گیا، وہاں تقریباً ایک ماہ قیام فرمایا، ایامِ حج میں اتنے طویل عرصہ قیام کی اجازت نہیں مگر حضرت علیہ الرحمہ سے حکومتِ وقت نے کہہ دیا کہ جتنے عرصہ چاہیں قیام فرمائیں، حقیقت میں یہ عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز ہے، گنبدِ خضراء کی زیارت سے حضرت علیہ الرحمہ

(بقیہ حواشی ص ۲۶) تفصیلی حالات کے لئے مندرجہ ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے :-

(۱) سرسید احمد خاں : آثار الصنادید، مطبوعہ دہلی، ۱۸۴۶ء، ص ۵۶

(۲) بشیر الدین احمد : واقعات دار الحکومت، دہلی، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۹ء، ص ۲۲۲

کو جو مسرت و خوشی ہوئی اس کا کچھ اندازہ ان واقعات سے ہو سکتا ہے۔

(۱) ۱۹۵۲ء میں حضرت علیہ الرحمہ کے فرزند نسبتی حضرت علامہ مفتی محمود صاحب حیدرآباد (مخبری پاکستان) سے زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ شریف کے لئے تشریف لے جا رہے تھے، جب اس مبارک سفر کی حضرت کو اطلاع دی تو آپ نے جواباً جو مکتوب گرامی ارسال فرمایا اس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

ہیں کیا بتلاؤں کہ میری طرف سے اس سرکار میں آپ کا کیا عرض کریں، آپ تو کچھ عرض کر بھی دیں گے، میری زبان نے تو بوقت حضور یاری دی نہ اب بتی ہے۔

(موصولہ حکم مئی ۱۹۵۲ء)

علامہ مدظلہ ہی کے نام ایک دوسرے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :-
نامہ گرامی نے قلب مضطرب میں وہ تلاطم پیدا کر دیا جس نے جواب کی تحریر کے قابل بھی نہ رکھا۔ میں جو لکھنا چاہتا ہوں لکھا نہیں جاتا، جب لکھنے کا خیال کرتا ہوں گریہ امن گیر ہو جاتا ہے، مجھے امید ہے کہ آپ سب سمجھ گئے ہوں گے کہ میں کیا لکھنا چاہتا ہوں اور کیا تم سے متنا رکھتا ہوں یعنی ہر مقام پر دعا کی۔

(مرسلہ ۱۹۵۲ء)

دب، اسی طرح حضرت کے ایک مرید و سفیر جناب محمد احمد صاحب قریشی نے جب اپنے والد ماجد جناب نور احمد مرحوم کی سفر حج پر روانگی کی اطلاع دی تو حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا :-

حقیقت یہ ہے کہ اس دیار پاک کی طرف ان کا ذوق و شوق قابل غبطہ ہے
مجھ جیسا ناکارہ شخص اس قابل کہاں کہ اس بارگاہ بسکس پناہ میں حاضر ہو سکے
کہ ایک مرتبہ اپنے کرم سے نوازا تو اس ہی کی اس ناکارہ نے کیا قدر
کی، لیکن ہاں ان کے کرم سے بعید نہیں کہ وہ اپنے آستانہ کی جبہ
سانی کا پھر موقع عطا فرمائیں اور اپنے ہی قدموں میں کام تمام فرمائیں،
افسوس واللہ تم باللہ میں نے کچھ قدر نہ کی۔ (مرسلہ حکم مئی ۱۹۵۲ء)

(ج) حضرت علیہ الرحمہ کے دوسرے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب جب بھاولپور (مغربی پاکستان) سے زیارت حرمین شریفین اور حج بیت اللہ کے لئے تشریف لے جا رہے تھے تو آپ نے حضرت علیہ الرحمہ کو اطلاع دی، حضرت نے اس خبر پر مسرت و خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے تحریر فرمایا :-

اس تعالیٰ کا بید شکر ہے کہ اس نے میرے چاہتے عزیز کو ایک ایسی نعمت کے عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا ہے جس کے استحقاق کی قابلیت اپنے میں ہم موجود نہیں پاتے، اپنی حاضری کے وقت بھی بار بار مسجد نبوی کی درو دیوار پر نظر اٹھا کر یہ سوچتا تھا کہ یہ منظر خواب میں مجھے میرے باواقع میں یہ نعمت عطا کی گئی ہے؟ یہی اس وقت حال ہے۔

(مرسلہ ۲۰ مئی ۱۹۵۱ء)

حضرت علیہ الرحمہ مدینہ منورہ میں طویل قیام کے بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے یہاں استغراق و محویت کا عجیب ہی عالم تھا جو نہ کہیں دیکھا اور نہ سنا، حضرت کے رفقاء کہتے تھے کہ حضرت کے لوح قلب سے اور تو اور اولاد کے نام تک محو ہو چکے تھے، چنانچہ جب حضرت نے صاحب نے اوگان کی طرف سے عمرہ کرایا اور معلم عبید الرحمن نے سندرات کے اجراء کے لئے صاحب زاوگان کے نام دریافت کئے تو باوجود ذہن پر زور ڈالنے کے حضرت کسی ایک نام نہ بتا سکے یہ دیکھ کر سب حاضرین حیران رہ گئے، درحقیقت حق جل مجدہ اپنے بندوں سے اسی کمال کی محبت کا طلب گار ہے یہی محبت معیار بندگی ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

(۶)

تقسیم ہند کے بعد حضرت علیہ الرحمہ کافی عرصہ تک پاکستان تشریف لائے اس میں بھی عزیمت کی بھلاک نظر آتی ہے، بلا ضرورت فوٹو کھینچوانا چوں کہ حضرت کے نزدیک حرام تھا اس لئے احباب کے بار بار اصرار کے باوجود پاکستان تشریف

نہیں لائے حتیٰ کہ جب آپ کے صاحبزادے مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا حیدرآباد دکنی
 پاکستان، میں حال ہوا، اس وقت بھی تشریف نہیں لائے، حضرت نے اپنے مکاتب
 شریف میں کئی مقامات پر اس طرف اشارہ فرمایا ہے — کئی سال بعد جب کسی
 نہ کسی طرح حضرت کا فوٹو کھینچ کر پاسپورٹ بنوادیا گیا اور علامہ مفتی محمد محمود صاحب نے
 حضرت کو دعوت دینے کی غرض سے دہلی کا سفر کیا اور اصرار کا حق ادا کر دیا تو طوعاً و
 کرہاً حضرت نے رضامندی کا اظہار فرمایا اور ۱۹۶۱ء میں پہلی بار پاکستان تشریف
 لائے، حضرت کا طیارہ کراچی کے ہوائی مستقر پر اترا، فضائیں نعروں سے گونج رہی تھیں
 عجب وقت انگریز سماں تھا، کراچی میں قیام کے بعد حضرت حیدرآباد اور لاہور بھی تشریف
 لے گئے، ہر مقام پر شایان شاہ استقبال کیا گیا۔ جب حجاب نے پاکستان میں مستقل
 سکونت اختیار کرنے کے لئے اصرار کیا تو فرمایا:۔

”دہلی کے غریب اور بیکس مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے“

یہ وہ نفوس قدسیہ تھے جن کے دل حزیں میں سبک درو تھا، یہ ورد انسانیت کی مہراج

ہے

خدا کے بندے ہیں ہزاروں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے

ہیں اس کا بند بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

۱۹۶۴ء میں حضرت علیہ الرحمہ دوسری بار پاکستان تشریف لائے، اس دفعہ پاکستان
 کے بیشتر شہروں میں تشریف لے گئے اور ہر جگہ شایان شاہ استقبال کیا گیا، ضعف
 و نقاہت کے باوجود احباب کی دلداری کا حق ادا کرویا، سفر کرنا تو بڑی بات تھی
 چلنا پھرنا مشکل تھا، مگر آپ نے دوسروں کی راحت کے لئے اپنی تکلیف کی مطلق
 پرواہ نہ کی اور کراچی، حیدرآباد، میرپور خاص، بہاول پور، ملتان، منٹگری، خانپور
 پاک پٹن شریف، لاہور، شرق پور شریف، راولپنڈی، امری وغیرہ کے تمام احباب
 اور مریدین کی خاطر داری میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، یہ حضرت کا آخری سفر
 تھا چنانچہ ایک عزیز سے فرمایا بھی تھا کہ ”اب انشاء اللہ جنت میں ملاقات ہوگی“۔
 جب لاہور کے ہوائی مستقر سے حضرت علیہ الرحمہ دہلی تشریف لے جا رہے تھے تو عجب
 رقت انگریز منظر تھا، عقیدت مند، عقیدت کے آنسو بہا رہے تھے، دل تھے کہ سینوں

سے نکلے جا رہے تھے، حرماں نصیبی سی حرماں نصیبی تھی باج
وداع صحبت ساقی سے میخانہ غم خانہ ہے

(۷)

حضرت علیہ الرحمہ مسدک حنفی تھے لیکن احناف اہل سنت و الجماعت میں ہندوستان
اور پاکستان میں جو مختلف گروہ نظر آتے ہیں حضرت کا تعلق ان میں سے کسی گروہ سے
نہیں تھا، پاک ہند میں اہل سنت و الجماعت کے دو بڑے گروہ ہیں، ایک کا تعلق مسلک
دیوبند سے ہے اور دوسرے کا تعلق مسلک بریلی سے مگر حضرت ان دونوں مکاتب فکر
سے علیحدہ تھے، جس طرف حق دیکھتے اس کی تائید فرماتے، آپ کی تائیدات جماعتی
رنگ میں رنگی ہوئی نہ ہوتی تھیں، چنانچہ حضرت علیہ الرحمہ اپنے مسلک کی وضاحت کرتے
ہوئے ایک جگہ خود تحریر فرماتے ہیں :-

کوئی فقیر سے اس لئے ناراض ہے کہ اس کے خیال میں فقیر بریلوی ہے، اور
کوئی اس لئے کہ فقیر دیوبندی ہے، حالانکہ فقیر نہ بریلوی ہے اور نہ دیوبندی
میرا مسلک تو وہی ہے جو تقدیر میں کا ہے چنانچہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے
ایک مسئلے میں اختلاف ہوا، مفتی صاحب کا اس مسئلے میں وہ مسلک تھا جو مولانا
احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، اسی لئے مفتی صاحب نے فرمایا کہ مولانا احمد رضا
خاں صاحب بھی اس مسئلے میں یوں ہی فرماتے ہیں۔ تو میں نے عرض کیا کہ
میں مولانا احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کا مقلد تو ہوں نہیں ہاں ان کو اہل سنت
کا عالم متبع ضرور خیال کرتا ہوں لیکن اس کی وجہ سے ان کا قول مجھ پر حجت
نہیں ہو سکتا۔

۱۔ مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم شاہ جہاں پور (دیوبند) کے رہنے والے تھے، مگر دلی آکر
بس گئے تھے، اپنی عمر کا بیشتر حصہ دلی ہی میں گزارا۔ متبع عالم تھے اور دارالعلوم دیوبند سے
فارغ التحصیل تھے، دلی میں ایک عرصہ مدرسہ امینیہ سے متعلق رہے، ۱۳۳۳ھ کے لگ بھگ
اس مدرسہ سے وابستہ ہوئے اور آخر دم تک اس کی خدمت کرتے رہے۔ مفتی صاحب
(بقیہ آگے)

اس واضح طرز عمل کے باوجود تعصب و تنگ دلی نے بعض لوگوں کو گستاخ بنا دیا تھا حضرت علیہ الرحمہ کی ہیبت و جلال کا یہ عالم تھا کہ سامنے کسی کو مخالفت کی ہمت تو کجا نظر اٹھا کر دیکھنے کا یارا نہ تھا لیکن پس غیبت بعض اشرار گم نام خطوط بھیجا کرتے تھے اور حضرت علیہ الرحمہ فقہانہ محل و بردباری اور مومنانہ فراست سے کام لیتے ہوئے اس قسم کے تکلیف دہ باتوں کو خیال میں بھی نہ لاتے اور وسعت قلبی کے ساتھ درگزر فرما دیا کرتے تھے، ایک مرتبہ اسی قسم کا ایک خط حضرت کے صاحبزادے کی نظر سے گزرا تو انہوں نے نہایت

(بقیہ حواشی ط ۳) طبعاً بہت سادہ، متواضع اور قناعت پسند تھے، اپنی دہلی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے لیکن چوں کہ ان کا تعلق مسلک یونہی سے تھا اس لئے دلی کے بعض عوام و خواص ان سے اختلاف کھتے تھے، لیکن بعض مستند ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ مفتی صاحب آخر میں اس مسلک سے ذرا ہٹ گئے تھے، متقدمین کے مسلک کی طرف رجوع فرمایا تھا، چنانچہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ شریف کی چوکھٹ پر تدفین کی وصیت کرنا اور وہیں دفن ہونا، اس اطلاع کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔ مفتی صاحب کا دلی میں انتقال ہوا۔

۲ مولانا احمد رضا خان صاحب ارشوالی المکرم ۱۲۴۲ھ کو بریلی میں پیدا ہوئے، ۱۳۸۶ھ میں علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہوئے اور اسی دن فتویٰ نویسی کا آغاز فرمایا، ۱۲۹۲ھ میں شاہ آل رسول دارہری سے بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی، ۱۲۹۵ھ میں زیارت حرمین شریفین کے لئے تشریف لے گئے اور وہاں مختلف علماء سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم میں سننات حاصل کیں۔ علمائے حرم نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی، ۲۵ صفر ۱۳۲۰ھ کو بریلی میں وصال ہوا، پاک ہند میں آپ کے بیشمار مریدین و معتقدین اور تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں جن کا احاطہ متعذر ہے، صاحب نے ادگان میں حضرت مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلی میں رونق بخش مسند ارشاد ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب کثیر التصانیف بزرگ تھے، مولانا رحمان علی نے ۱۳۰۵ھ میں تذکرہ علمائے ہند لکھا ہے، یہ مولانا احمد رضا خان صاحب کی جوانی کا زمانہ تھا مگر اس وقت بھی تذکرہ مذکور میں ان کی ۵۷ تصانیف کا تفصیلی ذکر موجود ہے۔ (تذکرہ علمائے ہند، (بقیہ آگے)

برہمی کا اظہار فرمایا۔ اس پر حضرت نے جو کچھ فرمایا مخالفین کے لئے وہ عبرت ہے اور معتقدین کے لئے آبِ زہر سے لکھنے قابل ہے، آپ نے فرمایا :-

تم اسی پر برہم ہو گئے، ہمارے پاس تو بیسیوں ایسے خط آئے جن کو تم دیکھ بھی نہیں سکتے، ہم تو اپنی عزت و آبرو سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تصدق کر چکے تو اب ہمیں ایسی چیزوں کا کیا احساس ہو سکتا ہے، ہاں اس کا ضرور افسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بلا وجہ کیوں گنہ گار ہو رہے ہیں۔

اختیار کے لئے یہ درد مندی، کمالِ اخلاص کی آئینہ دار ہے — یہ سب تمبر اس لئے تھا کہ حضرت علیہ الرحمہ بعض ایسے امور کو مباح و مستحب سمجھتے تھے (مثلاً اعراس اور مجالس عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ) جو غیروں کی نظر میں کھٹکتے تھے حالانکہ بدعتِ مباحہ کے سلسلے میں تو حضرت علیہ الرحمہ نے ایک فتوے میں پوری طرح وضاحت فرمادی ہے آپ نے فرمایا :-

لیکن یہ یاد رہے کہ جن افعال کو بدعتِ مباحہ کہا جاتا ہے اس کا ضرائف اتنا ہی مطلب ہے کہ یہ گناہ نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سنت کے مقابلے میں اس میں کوئی خوبی نہیں، مسلمان کے کرنے کے لئے بہت سے وہ افعال ہیں جو مسنون ہیں، جن کو اس نے چھوڑ رکھا ہے، تو اس کے لئے تو یہ لازم ہے کہ بجائے اسکے ان پر عمل کرے تاکہ فلاح دارین نصیب ہو، پھر یہ افعال گو بذاتہ مباح ہیں لیکن عوارض کی وجہ سے یہ قابلِ منع بھی ہو سکتے ہیں۔

(۸)

حضرت کی ذات گرامی گونا گوں صفات سے متصف تھی بلکہ مجمع صفاتِ حسنہ تھی،

(بقیہ حواشی ص ۳۲) مطبوعہ کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۹۸-۹۹، لیکن وفات کے بعد تصانیف کا جو جائزہ لیا گیا ہے تو تعداد ہزار سے متجاوز نظر آتی ہے جو پچاس سے زائد علوم و فنون پر مشتمل ہیں علمائے اسلام میں ابن تیمیہ کی پانچ سو تصانیف کا ذکر ملتا ہے مگر ہندوستان کا یہ جلیل القدر عالم اس خصوص میں ان پر بھی سبقت لے گیا۔ (مرتب) — حواشی صفحہ ۱۵۰ چھ منظر اللہ :

آپ کی حیاتِ طیبہ پر عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم محیط تھا، اسی عشق نے اتباعِ شریعت کی مہراج پر پہنچا دیا تھا، آپ کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا پھرنا، کھانا پینا، ہنسنے بولنا، عرض ہر قول و فعل آئینہ دارِ شریعت تھا، کوئی ادا ایسی نہ تھی جو شریعت کے خلاف ہو اتباعِ شریعت کی اسی صفتِ جلیلیہ کا ذکر جناب کوثر صدیقی نے اس طرح کیا ہے

گلِ شریعت کے جس میں کھلتے تھے
وہ گلستان تھے مظهر اللہ شاہ

عبادات کا حال یہ تھا کہ ۱۲ برس کی عمر سے اپنے پیر مرشد حضرت حاق علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کے بعد سے آخر تک نماز تہجد ترک نہیں فرمائی، گویا ۱۳۱۷ھ سے ۱۳۸۶ھ تک تقریباً ۷۰ سال پابندی کے ساتھ نماز تہجد ادا فرمائی، جب سنن کی ادائیگی کی کیفیت ہے تو پھر فرائض کی ادائیگی کا کیا عالم ہوگا؟ — اخلاقیات میں بھی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آئینہ تھے، دوست تو دوست دشمن کو بھی نوازتے تھے اور عملاً ان کی مدد کے لئے ہر وقت مستعد رہتے

آسائش دو گیتی تفسیریں دو حرفت
باد و ستاں مروت بادشمنان مدارا

معاملات کی یہ کیفیت تھی کہ اپنے اور بیگانے کسی کی رورعایت نہ فرماتے، پیکرِ صدا و صفا تھے، دوست و دشمن سب کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرتے تھے، بلکہ اولاد سے زیادہ اپنے مریدین پر مہربان تھے چنانچہ اپنے ایک مرید جناب ذکر الرحمن صاحب (کراچی) کو ایک مکتوبِ گرامی میں تحریر فرماتے ہیں :-

میرا حال یہ ہے کہ میں دوستوں کو اپنی اولاد ہی کی جگہ سمجھتا ہوں بلکہ خدا
نخواستہ اگر اولاد میں کوئی نافرمان ہو جائے جب تم میرے نزدیک ایسی
اولاد سے بڑھ جاؤ گے (مرسلہ ۱۸ مارچ ۱۹۵۶ء)

حضرت علیہ الرحمہ کی حیاتِ طیبہ میں عشقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی جھلک ہر مقام پر نظر آتی ہے، جمعۃ المبارک کی ہفتہ وار مجالس اور ۱۲ ربیع الاول کو جلسہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص مجلس تو عشق و محبت سے معمور ہوتی تھیں، اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت کو جو کمالِ عشق تھا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

اولاد کی تربیت میں الدین دور جدید کے تقاضوں کے تحت ان کے لئے وہ کچھ سوچتے اور کرتے ہیں جو ماڈرن ترقی میں معین ہو مگر حضرت نے اپنی اولاد کے لئے کبھی اس انداز سے نہیں سوچا بلکہ اگر کسی نے مشورہ بھی دیا تو اس کو رد فرما دیا۔

ہاں چاہا تو یہی چاہا اور سوچا تو یہی سوچا کہ اولاد میں وہ لیاقت پیدا ہو جائے کہ اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت و ثناء میں رطب اللسان نظر آئے، اس کی زبان ترجمانِ محبت ہو اس کا ایک ایک عمل ترجمانِ سنت ہو۔ بس یہی دل کی آرزو تھی، چنانچہ تو اعظم منظر ہی اسی بے مثال جذبے کے آئینہ دار ہیں، ۱۲ ربیع الاول کی جس مجلس خاص کا اوپر ذکر کیا گیا اس میں ہندوستان کے مختلف علاقوں سے علماء کرام تشریف لایا کرتے تھے، مگر محبت و شوق میں حضرت کبھی کبھی فرمایا کرتے تھے :-

دل تو یہ چاہتا تھا کہ گھر ہی میں ایسے لائق افراد پیدا ہو جائیں کہ باہر سے علماء کرام کو بلانے کی ضرورت نہ رہے۔

چنانچہ حضرت کی مشفقانہ تربیت نے گھر میں ایسے افراد پیدا کر دیئے اور حضرت کی یہ دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

(۹)

حضرت علیہ الرحمہ کی ایک ایک داد ایسی ہے کہ اس پر سیر حاصل لکھا جائے، بعض خوبیوں کا اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، یہاں حضرت کے مکاتیب شریف سے بعض دیگر خوبیاں پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اتباعِ شریعت کا حضرت کو بڑا پاس و لحاظ تھا، اپنے مریدین و معتقدین پر اسی نظر سے نگران رہتے اور جب کوئی بات خلافِ شریعت پاتے فوراً نصیحت فرماتے، چنانچہ اپنے ایک صحابہ باخلاص کو ایک مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں :-

فرائض خداوندی کی ادائیگی میں کبھی غفلت نہ کرنا، اور جہاں تک ہو سکے

والد کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

۱۹۳۹ء

(بنام بشیر احمد (لاہور) مسئلہ ۲ فروری)

جب تک تسلیم و رضا کا جذبہ پیدا نہ ہو، اتباع شریعت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا اس لئے مختلف مکتوبات میں بار بار اس طرف توجہ دلائی ہے، چنانچہ ایک محقق خاص جناب اختر حسین صاحب (کراچی) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

جب تک خالص اس کی جانب توجہ نہ کریں گے اور اس کے ہر فعل پر راضی نہ ہوں گے اطمینان قلب میسر نہیں آسکتا، مولیٰ تعالیٰ کا ذکر ہی اطمینان قلب کا باعث ہے۔
(موصولہ ۱۹ اگست ۱۹۶۶ء)

اسی طرح ایک دوسرے مکتوب میں اپنے ایک عزیز شاگرد حافظ عبد السمیع مرحوم کو تحریر فرماتے ہیں :-

”عزیز! اس کی رضا کا حصول بڑی دولت ہے، یہ اس ہی کو نصیب ہوتی ہے جس کو وہ اپنا کر لیتے ہیں۔“ (مرسلہ ۲۹ جولائی ۱۹۵۷ء)

حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں صبر و تحمل کا جو ہر نمایاں نظر آتا ہے جو نتیجہ ہے راضی برضا الہی رہنے کا، یہ وہ خوبی ہے جس سے انسان کی حقیقی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے، آزمائشوں کے وقت ہمت و ثابت قدمی بڑی چیز ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ نے نہایت نازک موقعوں پر ذرا من صبر و استقلال ہاتھ سے نہیں چھوڑا، آپ کی زندگی میں متعدد واقعات ایسے نظر آتے ہیں دور جدید میں جن کی نظیر نہیں ملتی، ایک واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے، آپ کے ایک ہونہار، عالم اور جواں سال صاحب ادب کے تقسیم ہند کے بعد پاکستان تشریف لے آئے تھے، یہاں سخت علیل ہو گئے، اور اسی عالم فراق میں ۱۹۴۹ء میں حضرت علیہ الرحمہ کو وادع مفارقت دے گئے، اس عالم حزن و یاس میں ظاہر ہے کہ ایک مشفق باپ کے تاثرات کیا ہو سکتے تھے مگر حضرت نے ان جان کاہ ساختہ کی خبر اپنے تلمیذ رشید حافظ عبد السمیع مرحوم کو ان الفاظ میں دی جس کو پڑھ کر وہ سہماں سامنے آجاتا ہے جب ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آپ کھاجیزاد کے حضرت ابراہیم وصال فرما رہے تھے، آپ روتے جاتے اور فرماتے جاتے :-

”ہم اللہ کی رضا پر راضی ہیں، ہماری زبان سے کوئی ایسا لفظ نہیں نکل سکتا جو رضائے الہی کے خلاف ہو۔“

حضرت علیہ الرحمہ نے تحریر فرمایا :-

کل حیدر آباد سے تار آیا، مولوی منظور احمد انتقال فرما گئے، انا اللہ وانا الیہ راجعون، یہ فرزند میری اولاد میں نہایت جلیل القدر عالم تھا، ان کے اساتذہ کا بیان ہے کہ ہم نے طے کر لیا تھا کہ اگر اس کی عمر نے وفا کی تو شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے درجہ کو پہنچے گا، پس ایسے لائق فرزند کی مفارقت سے تم سمجھ سکتے ہو کہ مجھ کو کس قدر الم ہونا چاہیے لیکن نہیں فقیر اپنے رزق کریم کی رضا پر ارضی ہے، تم کو بھی صبر کرنا چاہیے۔

(مرسلہ ۲ جون ۱۹۳۹ء)

اجکل دیکھا جاتا ہے کہ اکثر لوگ فکر عقبتی سے غافل ہیں، دنیا کی فکر میں عقبتی تو بڑی چیز ہے، خود اپنی بھی خبر نہ رہی، لیکن حضرت کی حیات طیبہ میں یہ غیر مجہول محویت نظر نہیں آتی، قدم قدم پر اپنے اور بیگانے کو آخرت کی یاد دلا دلا کر اصلاح حال فرماتے ہیں چنانچہ ایک مرید حاجی ضیاء الدین احمد صاحب (کراچی) کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

میرے عزیز! دنیا کے چند روز آخرت کی تجارت کے لئے دئے گئے ہیں اس میں ہمہ تن اپنی عمر صرف کرنا چاہیے اور جو فعل بھی کیا جائے اس میں اس تعالیٰ کی خوشنودی مد نظر رہے تاکہ ہمیشہ جہاں رہا ہے وہاں کام آئے۔

(مرسلہ اکتوبر ۱۹۶۳ء)

بعض مشائخ و علماء کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے محبین و مریدین سے خدمت کے طلبگار رہتے ہیں اور بسا اوقات ان کی محبت کا دار و مدار بھی اسی خدمت پر ہوتا ہے، مگر حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت بے نیازانہ تھی، آپ کی فقر پسندی نے کبھی گوارا نہ کیا کہ مریدین و محققین سے کسی قسم کی خود خدمت لی جائے اسی لئے ان کے دلوں میں گھر کر لیا تھا، اس بے نیازی کا اظہار اکثر مکاتیب میں فرمایا ہے، چنانچہ اپنے ایک مرید بااخلاص حافظ محمد صالحین صاحب (کراچی) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

تم خوب جانتے ہو، مجھے اپنے احباب کو امدادِ نبوی مطلوب نہیں صرف اتنی خواہش
رکھتا ہے کہ ان کے فائدے کے لئے جو کچھ عرض کروں اس کو سنیں اور اکثر اوقات
مولیٰ کی یاد میں گزاریں۔ (مرسلہ ۱۸ ستمبر ۱۹۵۳ء)

اسی طرح ایک دوسرے مرید سید نواب علی صاحب (حیدرآباد) کے نام ایک مکتوب میں
تحریر فرماتے ہیں :-

مجھے کسی خدمت کی ضرورت نہیں، میری خدمت صرف یہی ہے کہ تم اپنے مولیٰ کی
عبادت میں رہ کر اپنی خدمت کرتے رہو۔ (مرسلہ ۱۹۵۸ء)

مشیت اور فقہیت و علمیت کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ کی طبیعت میں نخوت و غرور کا
شائبہ تک نہ تھا، جو معتقدین و مجاہدین کی مجالس سے مستفیض ہوئے ہیں ان کو اس خوبی کا
بخوبی علم ہے، مکاتیب شریف میں بھی عجز و انکساک کی جھلک نظر آتی ہے، چنانچہ ایک محب
باخلاص اسلام الدین صاحب (لاہور) نے ملاقات کے اشتیاق کا اظہار کیا تو آپ نے
جواباً تحریر فرمایا :-

میرے عزیز! انسان اس کے حاصل کرنے کی تمنا اور کوشش کرتا ہے جو
اسے فائدہ پہنچائے، مجھ نااہل کی ملاقات سے نہیں کیا فائدہ پہنچے گا؟
(مرسلہ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۱ء)

اسی طرح اپنے فرزند نسبتی جناب حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب (بھاولپور) کے
نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

تہارے صدقے میں اس ناکارہ کو مستحق جنت کرے!

(موصولہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء)

ایک اور مرید غلام قادر خاں صاحب (راولپنڈی) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-
سب کچھ بزرگوں کا صدقہ ہے ورنہ ایک ادنیٰ مسلمان بھی مجھے اپنے سے
یقیناً بہتر نظر آتا ہے، اس میں کچھ تصنع کو دخل نہیں۔ (مرسلہ ۱۸ ستمبر ۱۹۶۸ء)

اکثر دیکھا گیا ہے کہ مشائخ کرام کی خدمت میں جو مریدین حاضر باش رہتے ہیں ان

سے مطلق نہیں پوچھتے کہ تم پر کیا شرعی ذمہ داریاں ہیں اور وہ پوری کی جا رہی ہیں یا نہیں، حاضر باشی ہی مریدین کی سعادت کی دلیل ہے، مگر حضرت علیہ الرحمہ اس پر سختی سے نگاہ رکھتے تھے کہ جو مرید یا حاضر ہیں یا حاضر ہونا چاہتے ہیں کہیں ایسا تو نہیں کہ اس حاضری میں کسی شرعی ذمہ داری سے اغماض نظر کر بیٹھے ہیں، چنانچہ جب حضرت کے ایک مرید جناب ذکر الرحمن صاحب (کراچی) نے دہلی حاضری کی اجازت چاہی تو ان کو تحریر فرمایا :-

تم نے اپنی اجازت طلب کی ہے اگر تمہاری بیوی کی یہی خواہش ہے تو تم واپس آ سکتے ہو ورنہ ان کے حقوق تم کیسے ادا کر سکو گے جو تمہارے ذمہ واجب ہیں ————— ہاں اگر وہاں روزگار کی کوئی صورت نہیں جس کی وجہ سے تمہاری بیوی تمہیں خوشی سے اجازت دیں تو بیشک واپس آ جاؤ، اس تمہاری کیفیت کا مجھے اندازہ ہے لیکن میں حکم شرع سے بچو رہا تھا اور اب بھی اس کے خلاف تمہیں کوئی رائے نہیں دے سکتا۔

(موصولہ ۲۸ مارچ ۱۹۵۶ء)

شیخ کی خدمت میں حاضری کے وقت بیوی سے اجازت طلبی شاید بعض حضرات کے لئے عجائبات سے ہو مگر اتباع شریعت میں حضرت علیہ الرحمہ کا یہی اہتمام تھا ————— حضرت نے بار بار مریدین و محبین کو اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین فرمائی ہے، چنانچہ ایک معتقد خاص اور سفیر با اخلاص محمد احمد صاحب قریشی (لاہور) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

اہلیہ کے ساتھ جہاں تک ہو سکے محبت اور یگانگت کو ملحوظ رکھیں کہ یہ بھی ترقی کا باعث ہے۔

(مرسلہ ۲۶ فروری ۱۹۶۳ء)

حضرت علیہ الرحمہ نے صلہ رحمی پر خاص طور پر زور دیا ہے، خود اس پر اس شان سے عمل کیا کہ دشمنوں نے بھی سراہا اور دوسروں کو بھی تلقین کی ورنہ آجکل تو آپس میں تنازعات و مناقشات سے دنیا کا حال کچھ ایسا ہو گیا ہے جیسے کوئی میدان جنگ ہو، عالم و عامی صلہ رحمی کے جوہر سے محروم نظر آتا ہے، یہ وہی جذبہ مجبور ہے کہ اگر مفقود ہو جائے تو گھر گھر دوزخ نظر آتی ہے، مگر اس سلسلے میں حضرت علیہ الرحمہ کی تعلیمات

جنت نشاں ہیں۔ چناں چہ ایک مکتوب میں ایک مرید جناب نے کراہی صاحب (کراچی) کو اس طرح تلقین فرماتے ہیں :-

آپ موافق مخالف ہر ایک سے کشادہ پیشانی سے ملیں، کسی کو ایسی بات نہ کہیں جس سے اس کو رنج پہنچے۔ (مرسلہ ۲۸ فروری ۱۹۶۶ء)

سامنے کسی کو بات کہنا تو بڑی بات ہے، پس غیبت بھی مخالف پر طعن و تشنیع سے منع فرمایا چناں چہ جب مرید موصوف نے تقریر کی اجازت چاہی تو جواباً تحریر فرمایا :-
تقریر کی اجازت مبارک، لیکن میرے طریق پر تقریر کریں، کسی پر طعن ہرگز نہ ہو۔

صلہ رحمی پر استقامت اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب انسان میں عفو و درگزر کی صلاحیت ہو، بات بات پر گرفت کرنے والا انسان، خواہ عالم ہو یا عامی، صلہ رحمی کی حقیقت سے ناواقف ہے، اسی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں صلہ رحمی کا باب بڑا روشن ہے، اسی روشنی سے سب روشنی پاتے ہیں، حضرت علیہ الرحمہ کی حیات طیبہ میں اسی روشنی کی ایک جھلک نظر آتی ہے، مکاتیب شریف کے مطالعہ سے بھی اس صفت خاص پر روشنی پڑتی ہے، چناں چہ ایک مکتوب گرامی میں جناب محمد احمد صاحب قریشی (لاہور) کو تحریر فرماتے ہیں :-

تمہارے نامعلوم قصور معاف کئے، بلکہ ایک زائد معافی اور ارسال ہے جو آئندہ کے لئے کام آئے گی۔ (مرسلہ ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۱ء)

ایک عزیز سے انتقال سے کچھ عرصہ قبل سخت ناراض ہو گئے تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا کہ اگر اس نے توبہ استغفار کی تو امید ہے کہ اس کا قصور معاف کر دیا جائے گا۔
کراچی میں حضرت کے ایک محب خاص جناب حافظ محمد صالحین صاحب سے کچھ قصور ہو گیا، جس سے حضرت کو صدمہ ہوا، اس کیفیت نے حافظ صاحب کو بہت یحسین کر دیا، انہوں نے طلب معافی کے لئے عرضہ ارسال کیا، حضرت نے فوراً معاف فرما دیا مگر ان کو تسکین نہ ہوئی، انہوں نے پھر لکھا، جواباً حضرت نے تحریر فرمایا :-
میں تمہیں واضح الفاظ میں اس کا یقین دلا چکا ہوں کہ اپنے قلب پر تمہاری طرف سے اصلاً تکدر نہیں پاتا بلکہ یہ نسبت پہلے کے نہایت درجہ محبت

محسوس کرتا ہوں، بالکل مطمئن رہیں۔ (سلسلہ ۱۴ جنوری ۱۹۵۴ء)

(۱۰)

حضرت علیہ الرحمہ کی صحبت کیمیا اثر کا یہ اعجاز تھا کہ جواں تو جواں ضعیفوں میں بھی اسلام کی بے پناہ محبت اور درو پیدا ہو جایا کرتا، اس سلسلے میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے۔ ۱۹۳۶ء میں مسجد جامع فتحپور ہی دہلی، کی مغربی سمت، پشتے پر مسجد کمیٹی کے بعض ناعاقبت اندیش ممبران کی اجازت ایماء سے، دہلی کے ایک متمول سیٹھ (گڈوڈیا) نے ایک عظیم الشان عمارت کی تعمیر شروع کر دی، جس کے آثار مسجد کے مغربی جانب شمال سے جنوب تک کھے گئے اور مسجد کا کافی عقبی حصہ دب گیا، اس اندوہناک واقعہ نے حضرت علیہ الرحمہ کو درو کرب میں مبتلا کر دیا، اس اضطراب و بیچینی سے متاثر ہو کر ایک مخلص انسان سیٹھ احمد مہین میدان عمل میں اتر آئے اور باوجود ضعیفی کے اس کے خلاف پورے زور و شور کے ساتھ جدوجہد شروع کر دی، سیٹھ صاحب موصوف نے ۱۹۴۴ء میں ایک کتابچہ شائع کیا تھا، اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

مجھے اس خدمت خانہ خدا پر کس چیز نے آہادہ کیا؟ درو مسجد کی ٹیس میرے دل میں کیوں پیدا ہوئی؟ ————— نہ صرف مجھے بلکہ دوسرے ہمدردان مسجد کو بھی کس شے نے اس کار خیر کی طرف سب سے پہلے متوجہ کیا؟ ————— آج میں اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہوں کہ یہ سب کچھ مولانا و مقتدا نا حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب قبلہ کے فیوض و برکات اور ان کی خاموش اور مخلصانہ خدمات اسلامی کا ایک دنی کرشمہ ہے، یہ زمانہ تھا کہ

۱۵ سیٹھ احمد مہین تخریک آزادی ہند کے سرگرم کارکنوں میں تھے، ضعیف و نحیف ہونے کے باوجود جوانوں کے سے جوش و ولولے کے ساتھ کام کرتے تھے، قائد اعظم علیہ الرحمہ ان کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے، تقسیم ہند سے قبل دہلی میں مقیم رہے اور پھر پاکستان آ کر کراچی میں مقیم ہو گئے، یہاں بھی سیاست میں نمایاں حصہ لیا اور مرتے دم تک خلوص الیہیت کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کرتے رہے، دس پندرہ برس ہوتے ہیں کہ کراچی میں انتقال فرما گئے۔ (مرتب)

خانہ خدا کی پشت پر کدال اور پھاوڑہ بچ رہا تھا، سب خاموش تھے، نہ علماء کی کوئی
آواز تھی نہ مفتیوں کی، نہ عمائدین کی اور نہ عوام کو خبر تھی کہ مسجد کے لئے کیا ظلم
ہونے والا ہے۔ اس زمانے میں حضرت مفتی صاحب کے پاس میری حاضری ہوتی
رہتی تھی، میں بیان نہیں کر سکتا کہ حضرت مفتی صاحب کو پشتہ مسجد کے واقعہ نے
کیسا بچپن کر رکھا تھا، بار بار بیساختہ ایک آہ نکلتی تھی اور لب پر دعا ہوتی تھی کہ
”اٹھی بکس مسجد کا کوئی حامی پیدا فرما۔“ یہ شے وہ تھی جس کی وجہ سے میں بیابانہ
اس کی حمایت کے لئے کھڑا ہو گیا۔

(۱۱)

حضرت علیہ الرحمہ مسجد مذکور میں خطابت و امامت کے فرائض انجام دیتے تھے اور پشتہ
کے بارے میں جو غلط فیصلہ کیا تھا وہ مسجد کمیٹی کے ممبران نے کیا تھا، مگر کمیٹی سے اس نازک تعلق
کے باوجود حضرت علیہ الرحمہ نے اظہار حق میں دریغ نہ کیا حالانکہ اسی مسجد کے مدرسہ عالیہ عربیہ
کے بعض اساتذہ نے اسی بنا پر پہلو تہی کیا۔ — جب سیٹھ احمد حسین مرحوم نے مسجد کے پشتہ
کے بارے میں حضرت سے شرعی فتویٰ لیا تو حضرت نے بڑی بیباکی کے ساتھ تحریر فرمایا :-
مسجد کا کوئی حصہ تصرف میں لانا ناجائز ہے، اور اس قسم کے تصرف کی اجازت
دینی بھی متولیان وغیرہ کو ناجائز ہے، تصرف میں لانے والے یا اجازت
دینے والے دونوں گنہگار، دونوں کو اس سے باز آجانا چاہیے اور آئندہ
کے لئے توبہ، اور جو عمارت مسجد کے حصے پر بنائی گئی ہے اس کا گرا دینا واجب
ہے۔

چنانچہ اس فتویٰ کا شائع ہونا تھا، مسلمانانِ دہلی میں جوش و خروش پیدا ہو گیا، بی شمار افراد
آنا آنا مسجد میں جمع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے دیوانہ وار اس عمارت کی پاڑ پر چڑھ گئے
اور دھڑا دھڑا گرانہ شروع کر دیا۔ — اس پشتہ کی داستان بڑی افسوس ناک ہے

۱۔ سیٹھ احمد حسین، دہلی کی نئی مجلس وقاف، مطبوعہ کمال پرنٹنگ پریس، دہلی، ۳۰ اپریل ۱۹۶۴ء، ص ۱۔
۲۔ ایضاً، ص ۲۔

یہاں گنجائش نہیں ضرور تفسیلاً عرض کرتا۔

(۱۲)

ہوں کہ ممبران مسجد کھنٹی کے غیر شرعی امور کے ازکاب کی وجہ سے مسلمانانِ دہلی میں شورش پیدا ہو چکی تھی اس لئے جب ”دہلی سنی مجلس وقاف“ قائم ہوئی تو مسلمانانِ دہلی کے اصرار اور خود مجلس وقاف کے بانیوں نے حضرت علیہ الرحمہ کی مجلس میں شمولیت کو ضروری سمجھا، چنانچہ ۱۹۲۷ء/۱۳۶۳ھ میں حضرت علیہ الرحمہ کو اس مجلس میں بحیثیت ممبر شریک کر لیا گیا، حضرت کی رکنیت دہلی کے مسلمانوں کے لئے نہایت مسرت بخش تھی، اس حسن انتخاب پر اظہارِ طمانیت کرتے ہوئے سید محمد احمد مہین مرحوم نے حضرت کی شخصیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی :-

حضرت مفتی اعظم مولانا محمد مظہر اللہ صاحب اہل سنت کے ایک زبردست عالم ہی نہیں ہیں بلکہ آپ ایک روحانی مقتدا بھی ہیں، آپ علم و عمل کے جامع ہیں اور صحیح معنوں میں عالم باعمل ہیں، شہرت اور نام و نمود سے نفرت رکھتے ہیں، اور علم ظاہری اور باطنی دونوں کے سرچشمے اس ذات مقدس سے جاری ہیں، آپ مخالف موافق سب ہی کے دعا گو ہیں، آپ کی مجلس میں کبھی آپ کے کسی مخالف پر سبب شتم نہیں ہو سکتی کہ آپ ایک پیکر تواضع اور مجسمہ اخلاق اسلامی ہیں، علم و عمل کی ایسی جامع ہستیاں آج ہندوستان میں بہت کم نظر آتی ہیں اور سلف صالحین کے قدم بقدم چلنے والے آپ کے نمونے کے افراد ہمارے زمانے میں زیادہ نہیں ہیں، آپ کی یہی خوبیاں ہیں کہ جب وقاف کی نئی مجلس قائم ہوئی تو آپ کا نام نامی خود بانیانِ مجلس جدید کے خیال میں آیا کہ چکنے والے مصنوعی جواہرات تو بہت ہیں حقیقی نورانیت جس گھر میں نظر آتی ہے کیوں نہ اس گھر کے رہنے والے کو مجلس وقاف کے شرعی معاملات میں سچی شرعی رہنمائی کی خاطر منتخب کیا جائے اور آپ پورے اتفاق رائے سے منتخب ہوئے

۱۲۔ جناب ارتضیٰ حسین المعروف بہ ملا واحدی (جو دہلی سنی مجلس وقاف کے ممبر تھے، (بقیہ آگے)

باوجودیکہ اس جگہ کی خواہش کرنی تو کجا، آپ تو اس جگہ کے لئے کسی عنوان
 رضامند ہی نہیں ہوتے تھے یہ تو اکابرین شہر اور مخلصین کا اصرار ہی تھا کہ
 طوعاً و کرہاً آپ کو مجبور ہونا پڑا۔

لیکن حضرت علیہ الرحمہ نے سنی مجلس اوقاف کی رکنیت اس عزم کے ساتھ قبول فرمائی
 کہ ممبران مجلس کو امور شرعیہ میں اپنے مفید مشوروں سے نوازتے نہیں گئے اور ان کی رہنمائی
 فرمائیں گے اور اگر ذرا بھی یہ محسوس کیا کہ مجلس امور شرعیہ میں محتاط نہیں تو استعفیٰ دیکر
 علیحدگی اختیار کر لیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، تقسیم ہند کے بعد جب حضرت نے
 یہ محسوس کیا کہ مجلس اوقاف شرعی امور میں محتاط نہیں تو فوراً استعفیٰ دے کر علیحدگی
 اختیار فرمائی۔ کسی مذہبی یا غیر مذہبی مجلس کی رکنیت قبول کرتے وقت فی زمانہ
 ایسی حزم و احتیاط اور اخلاص عنقا ہو گیا ہے۔ مجلس اوقاف میں حضرت کی شمولیت
 کے وقت مسلمانانِ دہلی نے جو توقعات آپ کی ذات گرامی سے وابستہ رکھی تھیں
 آپ نے اس کو پورا کر دکھایا، سیٹھا احمد مہین حضرت علیہ الرحمہ کے اخلاص و نیک نیتی
 پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :-

آپ کی مجلس کے حاضر باش حضرات کو یقین ہے کہ مجلس اوقاف میں آپ
 محض اس ارادہ خیر کے ساتھ تشریف لے گئے ہیں کہ اسلامی اوقاف کی
 وہ خدمت انجام دیں جس کی مہنتی شرع ہونے کی حیثیت سے آپ سے توقع
 کی گئی ہے، آپ پوری شرعی ذمہ داری کے ساتھ اپنا فرض اس مجلس
 میں انجام دیں گے اور مجلس میں قیام، پوری مدت انتخاب کے لئے، اس
 حالت میں فرمائیں گے جب کہ آپ دیکھیں گے کہ آپ کی موجودگی اسلامی

(بقیہ حواشی صفحہ ۴۳) اور آجکل کراچی میں مقیم ہیں، راقم سے فرماتے تھے کہ حضرت مفتی صاحب
 علیہ الرحمہ مجلس کی نشستوں میں شرکت کے لئے تشریف لاتے تو خاموش بیٹھے رہتے،
 جب کبھی کسی شرعی امر میں مشورے کی ضرورت ہوتی تو ممبران رجوع کرتے اور حضرت
 علیہ الرحمہ اس کی وضاحت فرمادیتے، یہ زمانہ تھا جب شہید ملت لیاقت علی خاں اس مجلس
 (حواشی صفحہ ۴۳) لہ سیٹھا احمد مہین: دہلی کی نئی مجلس اوقاف، ص ۳۔

اوقاف کے لئے مفید ہے ورنہ استعفا دے دیں گے۔
 دعا ہے کہ خداوند عالم ایسی مبارک ہستیوں کو دیکھ گاہ قائم و برقرار رکھے
 کہ یہ قحط الرجال کا زمانہ ہے اور جو ایسی چند صورتیں ہندوستان میں ہمارے
 زمانے میں نظر آتی ہیں، غنیمت ہیں کہ ان کے گزر جانے کے بعد لوگ
 ایسی صورتوں کو ترستے رہیں گے۔ **وَلَعَلَّ اللَّهُ يَجِدَ بَعْدَ ذَلِكَ لَكُمْ** ^{لہ}

(۱۳)

مجلس اوقاف کی کنیت سے علیحدگی کے کچھ عرصہ بعد تک حضرت علیہ الرحمہ امامت و خطابت کے
 فرائض انجام دیتے رہے مگر بعد میں گوشہ نشینی اختیار فرمائی لیکن آخری چند لوگوں میں علالت کے دوران
 معمولات میں بالکل فرق نہیں آیا، ضعف و نقاہت کی وجہ سے ہاتھ کانپتا تھا، پیر لڑکے
 تھے، مگر اس کے باوجود بیشتر خطوط اور فتوؤں کے جوابات لیٹے لیٹے خود تحریر
 فرماتے تھے، جمعہ جمعہ مسجد شریف میں تشریف لا کر محبین و معتقدین کو اپنے دیدار سے
 مشرف فرماتے اور ملفوظات سے نوازتے، آخر وقت تک کسی سے کسی قسم کا سہارا
 نہ لیا، کہ ان کا تکیہ تو اسی محبوب حقیقی پر تھا جس سے بڑھ کر کوئی سہارا نہیں، ضعف
 و نقاہت بڑھتی گئی اور آخر وہ وقت آیا کہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۸۶ھ (مطابق ۲۸ نومبر
 ۱۹۶۶ء) بروز پیر شام پانچ بج کر بیس منٹ پر یہ آفتاب علم عرفان افق عالم میں غروب
 ہو گیا انا لہو انا الیہ اجعون۔

بہر بہار گل از زیر گل بر آرد دسر
 گلے برفت کہ ناید بصد بہار دگر

جب آل انڈیا ریڈیو سے رات کی خبروں میں اس سانحہ جاں گاہ کی اطلاع نشر کی
 گئی تو پاک ہند میں حضرت کے پیار مریدین و معتقدین اور محبتین میں صف ماتم بچھ گئی، ہر
 شخص تصویر غم نظر آتا تھا، پاکستان و ہندوستان میں مختلف مقامات پر فاتحہ خوانی کی
 مجالس منعقد کی گئیں پاک ہند کے بعض اخبارات نے یہ روح فرسا خبر جلی حروف
 میں شائع کی اور نمایاں شاخ خراج عقیدت پیش کیا، بعض اخبارات و رسائل میں

اداریے، منقبتیں اور تاریخی قطععات بھی شائع ہوئے، مثلاً پیام مشرق (دہلی) کے ۱۹۶۶ دسمبر ۱۹۶۶ء میں سنہ ہجری اور عیسوی میں یہ دو قطععات ملتے ہیں :-

(۱)

اٹھ گیا کون بزم دنیا سے یوں جو ہر شخص غم بدوش ہے آج
دم سے روشن تھی جس کے آہ سلوک اسے قمر شمع وہ خموش ہے آج

۱۳۸۶ھ

(۲)

منظہرِ علم و فقیہ عصر آہ دنیا سے ہو گیا روپوش
لکھ قمر عیسوی میں سالِ صال ہائے شمع تصوف اب، خموش

۱۹۶۶ء

حضرت کا مزار مبارک مسجد جامع فتحپوری (دہلی) کے صحن میں شمال مغربی سمت ایک درگاہ میں زیارت گاہ خاص عام ہے، اس درگاہ میں شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے معاصرین میں ایک بزرگ حضرت سید میراں شاہ نادر رحمۃ اللہ علیہ کا مزار مبارک ہے اور صلحاء و شہداء کے مزارات ہیں، انقلاب ۱۹۵۷ء کے بعد پہلی مرتبہ اس درگاہ میں حضرت علیہ الرحمہ کی یہ خواب گاہ بنائی گئی۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی تہجانی کرے

(۱۳)

حضرت کی اولاد اجداد میں سات صاحبزادے اور نو صاحبزادیاں تولد ہوئیں جن میں پانچ صاحبزادے اور چھ صاحبزادیاں بقید حیات ہیں، صاحبزادگان کے اسماء گرامی یہ ہیں :-

- (۱) حضرت العلامہ مولینا مفتی حافظ قاری محمد مظفر احمد صاحب (کراچی)
- (۲) حضرت الحاج مولینا مفتی حافظ قاری محمد مشرف احمد صاحب (دہلی)
- (۳) حضرت الحاج مولینا حافظ قاری محمد احمد صاحب (دہلی)

- (۴) حضرت مولانا منور احمد رحمۃ اللہ علیہ (دہلی)
 (۵) حضرت مولانا منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ (حیدرآباد)
 (۶) راقم الحروف محمد سعید احمد (کوٹہ)
 (۷) مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد صاحب (دہلی)

(۱۵)

حضرت علیہ الرحمہ کے خلفاء و سفراء بھی پاک ہند کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں جن حضرات کے اسماء گرامی معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں :-

خلفاء

- پاکستان (۱) حضرت مولانا مفتی حافظ قاری محمد منظر احمد صاحب (کراچی)
 (۲) حضرت الحاج حافظ قاری سید حفیظ الرحمن صاحب (بھاولپور)
 (۳) صاحب ادوہ ابو الخیر محمد زبیر سلمہ (حیدرآباد)
 ہندوستان (۱) حضرت مولانا مفتی حافظ قاری الحاج محمد شرف احمد صاحب (دہلی)
 (۲) حضرت مولانا عبدالکریم چٹوڑی رحمۃ اللہ علیہ (چٹوڑ)
 (۳) حضرت مولانا مفتی محمد مقبول الرحمن رحمۃ اللہ علیہ (سیلواریہ)
 (۴) حضرت سید ابوالکمال احمد ضیاء الدین کاظمی شمس پھرائی (علی گڑھ)
 (۵) جناب محمد عثمان صاحب ٹونگی (ٹونگا)

سفراء

- پاکستان (۱) جناب بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ (کراچی)
 (۲) جناب صوفی محمد ابراہیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 (۳) جناب حافظ محمد صالحین صاحب
 (۴) جناب حکیم محمد زاکر صاحب
 (۵) جناب صوفی فضل احمد صاحب
 (۶) جناب محمد یوسف صاحب

(حیدرآباد)

(لاہور)

۳۳

(۷) جناب سید نواب علی صاحب

(۸) جناب قاضی صفدر حسن صاحب

(۹) جناب محمد احمد صاحب قریشی

ہندوستان

(دھام پور)

(ٹونک)

(۱) جناب حکیم محمد عاقل صاحب

(۲) جناب مولانا غلام احمد مظہری

(۱۶)

حضرت علیہ الرحمہ نے نصف صدی سے زیادہ عرصہ تک تحریر تصنیف کا کام کیا، آپ کی تصنیفات میں چند علمی سائل ہیں مگر اصل تصنیف وہ علمی تحقیقی فتوے ہیں جو آپ نے ساٹھ ستر سال تک تحریر فرمائے، مگر افسوس کہ یہ عظیم ذخیرہ ہتمام محفوظ نہ رکھا جاسکا، اگر محفوظ کر لیا جاتا تو سینکڑوں کی تعداد میں مجلدات تیار ہو جاتیں، چند فتوے وصال کے بعد تحقیق و تلاش سے حاصل کر کے مرتب کئے ہیں، فتووں کے علاوہ حضرت کے مکاتیب شریف بھی ایک عظیم سرمایہ تھے مگر صد افسوس کہ یہ سرمایہ بھی پوری طرح محفوظ نہ رہ سکا، کافی تلاش و جستجو کے بعد چند بیخون خطوط پر مشتمل ایک مجموعہ تیار کیا گیا ہے۔ بہر کیف حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیفات کی ایک مجمل فہرست یہ ہے :-

(۱) ارکان دین، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

(۲) منظر العقائد، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

(۳) منظر الاخلاق، مطبوعہ ہلالی پریس، دہلی، ۱۳۳۱ھ / ۱۹۱۲ء

(۴) رسالہ در علم توقیت (قلمی)، ۱۳۵۰ھ / ۱۹۳۱ء

(۵) عرض البلاد و طول البلاد، (قلمی)

(۶) ترجمہ قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ کرس، دہلی، ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء

۱۔ ارکان دین کا دوسرا ایڈیشن، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے ۱۹۶۹ء / ۱۳۸۹ھ میں شائع کر دیا ہے۔

۲۔ منظر الاخلاق کا دوسرا ایڈیشن بھی مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی نے ۱۹۶۸ء / ۱۳۸۸ھ میں شائع کر دیا ہے۔

- (۷) حواشی و تفسیر قرآن کریم، مطبوعہ اقبال پرنٹنگ ورکس، دہلی، ۱۳۶۱ھ / ۱۹۴۱ء
- (۸) خزینۃ الخیرات، مطبوعہ اعلیٰ پریس، دہلی، ۱۳۶۷ھ / ۱۹۴۷ء
- (۹) شجرہ منقووم سلسلہ طریقت، مطبوعہ امپریل پریس، دہلی، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء
- (۱۰) مکاتیب مظہری، جلد اول، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی، ۱۳۸۹ھ / ۱۹۶۹ء
- (۱۱) فتاویٰ مظہری، جلد اول دوم، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء
- (۱۲) مواہظ مظہری، جلد اول، مطبوعہ مشہور آفسٹ پریس، کراچی، ۱۳۹۰ھ / ۱۹۷۰ء

محمد مسعود احمد

صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج

کوئٹہ (مغربی پاکستان)

جمادی الاول ۱۳۸۹ھ

اگست ۱۹۶۹ء



افتتاحیه

ان

پروفیسر محمد مسعود احمد

افتتاحیہ

از

پروفیسر محمد مسعود احمد

①

اقوام و ملل کے اصلاح حال کے لئے ہمیشہ ترغیب و تشویق اور پند و موعظت کی ضرورت رہی ہے اسی لئے مختلف ازمینہ میں انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے پھر ان کے بعد تبلیغ و ارشاد کا یہ اہم فرض صلحائے امت نے انجام دیا، قرآن کریم میں اس کے لئے واضح ہدایت موجود ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَلتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرؤن بالمعروف وينهون عن المنكر واولئک هم المفلحون ولا تكونوا كالذین تفرقوا واخلتفوا من بعد ما جاءهم البینة واولئک لهم عذاب عظیم

ترجمہ :- اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ (اس جماعت کے افراد) خیر کی طرف بلا یا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ پورے کامیاب ہوں گے، اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے باہم تفریق کر لی اور باہم اختلاف کر لیا، حالانکہ ان کے پاس احکام انھیں پہنچ چکے تھے ان لوگوں کے لئے سزائے عظیم ہوگی۔

ان آیات کریمہ میں خیر کی طرف دعوت امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ذکر کیا گیا ہے، اور دعوت و تبلیغ میں تفرقہ سے بچنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، گویا تبلیغ موجب انفصال ہو، سبب انفصال نہ ہو۔ آیت اولیٰ میں ایک بات خاص طور پر قابل توجہ ہے، خیر کی دعوت

کے ساتھ ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ذکر فرمایا گیا، اگر یہی دو چیزیں خیر سے عبارت ہوتیں تو خیر کا ذکر نہ کیا جاتا، لفظ خیر ایک عظیم معنویت و جامعیت کا حامل ہے۔ انسان ایک حالت پر نہیں رہتا بلکہ اس کی ہر حالت ایک نئی تبدیلی کی نقیب ہوتی ہے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی پس اگر یہ تبدیلیاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں معین ہیں تو سراسر خیر ہیں ورنہ شر۔ حق جل مجدہ نے لفظ خیر سے انسانی اعمال کو ان مضمرہ اور مشرہ قوانین و اصول تک محدود نہ رکھا جن کا ذکر صراحتاً قرآن و حدیث میں کر دیا گیا ہے بلکہ تعہیم سے اس کے مفہوم کو وسیع سے وسیع تر کر دیا۔

(۲)

ترغیب و تشویق کے لئے انسانی نفسیات سے اقفیت اور اس کا عمیق مطالعہ ضروری ہے، چنانچہ قرآن کریم نے ضرورت دعوت، مقصود دعوت، اور طریقہ دعوت کا اس طرح ذکر فرمایا ہے :-

أَدْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحُكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادًا
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ سَابِقَ هُوَ أَعْلَمُ مِنْ ضَلِّعَنْ سَبِيلِهِ
وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ

ترجمہ :- آپ اپنے رب کی راہ کی طرف دانائی اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے، آپ کا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو اس کے راستہ سے گم ہوا اور وہی راہ پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

اس مختصری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گم کردہ راہ کو جب تک کہ راستہ نہ دکھائی جائے وہ راہ پر نہیں آتا، کم ہیں وہ سعادت مند جو خود راہ پا جاتے ہیں۔ دعوت کے ساتھ ساتھ مقصود دعوت کا تعین بھی ضروری ہے، مقصود یہ ہے کہ اپنے پروردگار کے راستہ کی طرف بلا یا جائے۔ "سبیل سبیل" میں جو ایجاز و اختصار اور معنویت و جامعیت ہے اس کی وضاحت کے لئے دفتر درکار ہیں۔ پورا قرآن

عظیم اس اجمال کی تفصیل ہے اور پھر اس تفصیل کی تشریح صلحائے امت کے اعمال و اقوال میں — مقصود اس وقت تک حاصل نہیں ہوتا جب تک لگن کے ششاساتہ حصول مقصود کے طریقوں سے اقلیت نہ ہو اور دعوت و تبلیغ کے گزرنے معلوم ہوں چنانچہ طریقہ بھی بتا دیا گیا بالحکمة و الموعدة الحسنة دانائی اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ دعوت دی جائے، تاریخ انسانیت میں بیشتر مصالحن کی ناکامی کے اسباب میں بڑا سبب ہے کہ وہ طریقہ دعوت کے گزرنے پوری طرح واقف نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں طریقہ دعوت کے مثالی نمونے ملتے ہیں، اسی لئے فرمایا گیا :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كَانَ
يُحِبُّ اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا
ترجمہ :- تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ اور روز
آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الہی کرتا ہو، رسول اللہ کا ایک
عہد نمونہ موجود تھا۔

(۳)

دعوت و تبلیغ کی یہ ذمہ داری علماء و صوفیہ پر خصوصاً اور مسلمانوں پر عموماً عائد ہوتی ہے، چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک علماء و صوفیہ تبلیغ و ارشاد کا حق ادا کر رہے ہیں، ان کی مساعی سے دینی ادب میں مواعظ پر کافی سرمایہ موجود ہے، قارئین کرام کی معلومات کے لئے اردو زبان کی چند کتب مواعظ کا ذکر کیا جاتا ہے :-

(۱) ابو بکر قریشی : اشرف الواعظین (۲) احمد سعید بلوی : وعظ سعید (۳)
احمد یار خاں : مواعظ نصیہ (۴) اشرف علی : اشرف الواعظ (۵) امانت اللہ : تحفة
الواعظین (۶) انور علی : انیس الواعظین (۷) برکت اللہ ضیاء : مرآت الواعظین
۱۲۵ القرآن الحکیم : سورة النحل، ۱۲۵

۱۲۵ مولوی اشرف علی تھانوی کے متعدد مواعظ جزوی طور پر بھی شائع ہو چکے ہیں۔

- (۸) تمکین : مواعظ نادر (۹) سبحان علی : تائید الواعظین (۱۰) سراج الدین : سراج الطالبین (۱۱) شمس الدین : مجالس میلاد النبی (۱۲) عبدالکریم : تحفۃ الواعظین (۱۳) عبدالغفور : مواعظ حسنة (۱۴) غلام حیدر : مواعظ حیدریہ (۱۵) غلام حیدر رضا : مواعظ جعفری (۱۶) غلام محمد عوث : احسن الواعظ (۱۷) فخر الدین : فخر الواعظین (۱۸) محبوب احمد : معین الواعظین (۱۹) محمد ابراہیم : اکرم الواعظ، افضل الواعظ (۲۰) محمد تقی : تاج الواعظ (۲۱) محمد شفیع : زبدۃ الواعظین (۲۲) نجم الدین : نجم الواعظین وغیرہ وغیرہ

(۴)

- وعظ و نصیحت میں واعظ کو کئی امور پیش نظر رکھنے پڑتے ہیں جو آیت کریمہ بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنۃ کے ذیل میں آتے ہیں، ان میں سے بعض اہم باتیں یہ ہیں :-
- (۱) موضوع کے انتخاب کے وقت یہ بات پیش نظر رکھنی ضروری ہے کہ اس پر کس قسم کے سامعین کے سامنے گفتگو کی جائے گی۔
- (۲) منتخبہ موضوع کے تحت جو افکار و خیالات پیش کئے جا رہے ہیں وہ سامعین کی ذہنی سطح سے تہ بلند ہوں اور نہ پست ہوں۔
- (۳) جس زبان میں گفتگو کی جا رہی ہے نہ صرف یہ کہ سامعین اس زبان سے واقف ہوں بلکہ اس زبان کے جس ذخیرۃ الفاظ میں بیان مطالب کیا جا رہا ہے سامعین کے مبلغ علم سے بلند تر نہ ہوں۔ مقرر یا واعظ کی لسانی مجبویاں اس اصول سے مستثنیٰ ہیں۔

- (۴) جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے وہ سامعین کی دل آزاری کا باعث نہ ہو بلکہ حسن اظہار کا کمال یہ ہو کہ موافق و مخالف جو بھی سُننے، متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔
- (۵) وقت کا تعین بہت ضروری ہے، تقریر کی تاثیر میں اس کا بھی پورا پورا دخل ہے، بسا اوقات طویل تقاریر خواہ کتنی فاضلانہ اور عالمانہ کیوں نہ ہوں،

بے اثر ہو کر رہ جاتی ہیں، وقت کی تحدید سامعین کے اذواق، موضوع کی دل چسپی وغیرہ
 کئی ملحوظات کے پیش نظر مونی چاہیے۔ اس کے لئے کوئی کلیہ قاعدہ نہیں بنایا جاسکتا۔
 (۶) اگرچہ ابن تیمیہ سے لے کر آج تک علماء کا ایک طبقہ تعین یوم کا مخالف رہا ہے،
 مگر تحدید وقت کے ساتھ ساتھ تعین یوم کے متعلق اتنا عرض کر دوں گا کہ سہولت عامہ سے
 قطع نظر سامعین پر اس کا خاص نفسیاتی اثر پڑتا ہے جو کسی طرح نظر انداز کرنے
 کے قابل نہیں، یہی وجہ ہے کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود یہ چیز اتنا تک مٹ سکی بلکہ
 اتنی عام ہو چکی ہے کہ مخالفین بھی مجبوراً نظر آتے ہیں، اس کا نہ مٹنا اس کی ضرورت
 اور اہمیت پر خود گواہ ہے۔

(۷) سب سے اہم بات جو دینی موعظ میں ضروری ہے، اخلاص فکر ہے، جب تک
 یہ خوبی پیدا نہ ہو، ہزار کوششوں کے باوجود تاثر اپنا جلوہ نہیں دکھا سکتی،
 بات دل سے کہنی چاہیے کہ ع

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

جو حضرات ان مجالس میں شریک ہوئے ہیں جن کے لئے یہ موعظ قلم بند کئے
 گئے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حضرت علیہ الرحمہ نے متذکرہ بالا ان تمام امور کو پیش
 نظر رکھا ہے جو حق ابلاغ میں معین ہو سکتے ہیں، جہاں تک اخلاص فکر کا تعلق ہے،
 حضرت کی تجاریر جانِ اخلاص اور روحِ محبت ہیں۔

(۵)

خوبی بیان کا ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ کلام موقع و محل کی مناسبت سے کیا جائے،
 حضرت علیہ الرحمہ کے ہاں یہ صفت تمام و کمال موجود ہے، مکاتیب میں جس ایجاز و
 اختصار کی ضرورت ہے وہ ہاں موجود ہے فتوؤں میں جس تفصیل و تشریح اور برہان
 و حجج کی ضرورت ہے وہ ہاں موجود ہیں، اور موعظ میں جس شرح و بسط اور اہمیت
 و دل کشی کی ضرورت ہے وہ یہاں موجود ہے، ہر بھول کارنگے یو جدا جدا ہے اسلوب
 بیان مزاج پر حاوی نہیں بلکہ مزاج، اسلوب پر حاوی ہے، اور بیان پر پوری طرح
 قادر۔

حضرت علیہ الرحمہ کی مرصع تحریروں میں بھی تکلف و تصنع نہیں بلکہ وہ عشق و محبت کی آئینہ دار ہیں، تکلف و تصنع کا ایک وقت ہوتا ہے، ایام شباب تکلفات کے لئے موزوں ہیں لیکن ایام ضعیفی میں جب کہ قلم برداشتہ لکھنا تو کجا، لکھنا مشکل ہو جاتا ہے مرصع تحریر قلم سے نکلے تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ فیاض حقیقی کا فیضان ہے اور عشق صادق کا کرشمہ، محبوب کے ذکر میں جو لطف سرور ہے، محب کے دل سے پوچھتے، ایک ایسی واہبانہ کیفیت ظاہری ہوتی ہے کہ قلم ترجمان دل بن جاتی ہے۔

قارئین کرام اس قسم کی مرصع تحریر و عظم نہر، میں حمد و نعت مشور میں مطالعہ فرمائیں گے، بیسیا خوشگئی، جو آئینہ دار محبت ہے، اس تحریر کی جان ہے۔

(۶)

و عظم و نصیحت کے مضامین میں عالم طور پر قصص و حکایات بیان کی جاتی ہیں، جس سے مضامین دل نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، قرآن کریم کا یہی انداز تقہیم ہے، علماء کرام اور صوفیہ عظام نے بھی اسی طریقہ مواعظت کو اپنایا ہے، چوں کہ ان حکایات و قصص سے کوئی نیک بات دل نشین کرانا مقصود ہوتی ہے اس لئے بالعموم تاریخی صحت کا التزام نہیں کیا جاتا، لیکن ان مواعظ میں بالعموم صحت کا التزام رکھا گیا ہے، شاذ و نادر ہی کہیں ایسا ہوگا کہ واقعات میں صحت و اقد سے قطع نظر مقصود کو پیش نظر رکھا ہو۔

(۷)

بالعموم تحاریر میں جذباتیت محبوب سمجھی جاتی ہے مگر مواعظ میں جذباتیت محبوب نہیں بشرطیکہ کسی کی دل آزاری نہ ہوتی ہو بلکہ دلوں میں شوق و ذوق پیدا ہو، حضرت علیہ الرحمہ کے بعض مواعظ میں قدر سے جذباتیت ہے، یہ کیفیت نہ آپ کے مکاتیب میں ہے اور نہ فتووں میں، لیکن یہاں جذباتیت، محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بہار ہے، حدود آداب سے تجاوز نہیں فرمایا، اظہار خیال میں جذباتیں بہہ جانے والی کیفیت نہیں ہے بلکہ قدم قدم پر آداب کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ تحریر و تقریر کے تمام نشیب و فراز سے پوری طرح باخبر ہیں۔

(۸)

مواضع کے بالاستیعاب مطالعے سے جو ایک بڑی خوبی نظر آئی وہ یہ ہے کہ صاحب
مواضع نظری علیہ الرحمہ نے قرآن کریم کا محبت بھری نظروں سے مطالعہ فرمایا ہے
جب ہی اس کی تشریح و تفسیر میں قدم قدم پر عشق و محبت کی بو آ رہی ہے، فی الحقیقت
جب نگاہ محبت پیدا ہوتی ہے اسی وقت اسرار و معارف قرآنیہ کا سیلاب منڈتا
ہوا نظر آتا ہے ورنہ ضلالت گمراہی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آتا، اسی لئے فرمایا گیا۔
یضل بہ کثیراً (بہت سے لوگ اس سے گمراہ ہوتے ہیں) ہدایت کے لئے صرف
چشم سر کی ضرورت ہوتی تو پھر اس نسخہ کیمیا سے ہدایت ہی ہدایت ملتی، ضلالت
کا کیا کام؟ — مگر نہیں چشم دل کی ضرورت ہے۔ بصارت کی نہیں بصیرت
کی ضرورت ہے، جب ہی وہ بات پیدا ہوتی ہے جس کو ہدایت کہتے ہیں وہی ہدی
بہ کثیراً (اور بہت سے لوگ اس سے راہ پاتے ہیں)۔

(۹)

اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو بیشتر مواضع کا موضوع آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
عظمت کبریائی ہے فی الحقیقت عظمت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں عظمت توحید
مضمون ہے اسی لئے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے عالم کیف سرور میں فرمایا تھا
اسے خدا میں تجھے اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا
رب ہے۔ ایک ہاں جو یہ کہتے ہیں کہ جس کا نام محمد ہے اس کے قبضہ اختیار
میں کچھ بھی نہیں (معاذ اللہ) اور ایک یہ ہیں کہ حق جل مجدہ سے دوستی کا دم بھرتے
ہیں تو اسی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اور واسطے سے۔ نظر، نظر کی بات
ہے وہ آداب محبت سے واقف نہیں اور یہ ادائیں محبت ہیں۔ اسی لئے فرمایا
گیا کہ منعم حقیقی سے دعویٰ محبت اخلاص ہے تو اس نعمت عظمیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے
دل لگاؤ۔ — صرف پیر فری کافی نہیں، سرفروشی و جاں نثاری
کی ضرورت ہے، ساری محبتیں اس ایک محبت پر نچھاور کر دو، اپنی دل لگیوں کو

قربان کر کے صرف اسی سے دل لگاؤ کہ عشق و محبت دل لگی نہیں اگر تم نے حق محبت ادا کیا تو پھر محبت کمال اللہ (اللہ تعالیٰ تمہارا محب ہو جائیگا)۔

وہدایت و الوہیت حق جل مجدہ پر زور دینا یقیناً ایک اہم دینی فرض ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ جناب سالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک مقدس شخصیت کو اس انداز سے پیش کرنا کہ آتش محبت سرد ہو جائے، سخت خطرناک ہے یہی محبت ملت اسلامیہ کی روح تھی، ساری کامیابیاں اسی محبت کے طفیل تھیں۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح قلم تیرے ہیں

مستقبل کی کامرانیاں بھی اسی محبت سے وابستہ ہیں۔ اگر اس نگاہ محبت سے مواعظ منظرہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ صاحب مواعظ منظرہ علیہ الرحمہ نے ان مواعظ میں محبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے چراغ روشن کئے ہیں، اور یہ مجموعہ مواعظ کیا ہے ”سور چراغاں“ ہے۔

(۱۰)

انسان کی عادت ہے کہ وہ قانون مروجہ یا مسئلہ (مذہبی غیر مذہبی) کے اطلاق و انطباق میں اپنی فکر نارسا کو دخل دے کر کچھ کچھ بنا دیتا ہے، بعض اوقات تاویلات و تشریحات سے نئی نئی دشواریاں اور نئے نئے فتنے کھڑے کر دیتا ہے یہی عادت جب اوامر و نواہی شرعیہ میں دخل انداز ہوتی ہے تو وہ اپنی طرف سے مجتہدانہ وہ وہ اضافے کرتا ہے کہ الامان والحفیظ۔ حق جل مجدہ نے انسان کی اسی عادت کی طرف اس آیت شریفہ میں اشارہ فرمایا ہے :-

وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ السُّنْتُمْ الْكُذْبَ هَذَا حَلَالٌ وَ
هَذَا حَرَامٌ لَتَفْتُرُوا عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ انَّ الَّذِينَ يَفْتُرُونَ
عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ لَا يَفْلَحُونَ۔ (سورۃ النحل، ۱۱۶)

ترجمہ :- اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعویٰ ہے ان کی نسبت یوں مت کہو جیسا کہ فلا فی چیز حلال ہے اور فلا فی چیز

حرام ہے (جس کا حاصل یہ ہوگا) کہ اللہ پر جھوٹی تہمت لگاؤ گے، بلاشبہ جو لوگ
اللہ پر جھوٹ لکاتے ہیں وہ فلاح نہ پاویں گے۔

ملت مسلمہ میں بھی چند ایسے طبقے پیدا ہو گئے جنہوں نے مباحات پر محرمات
کا حکم لگا کر خواہ مخواہ ایک فتنہ کھڑا کر دیا اور ملت کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا
متاع راحت شادی مابغارت داد
چہ فتنہ بود کہ ناگہ در آمد از دریا

اور حد تو یہ ہے کہ متدین و متقی علماء کرام کو بدعتی اور مشرک کہا گیا، اور اس طرح
ملت کے ایک ایسے صالح طبقے کو، جن پر ملت کو بجا طور پر ناز ہے، کفار و مشرکین
کے زمرے میں شامل کر کے ان تمام آیات کو ان پر منطبق کر دیا گیا جو مشرکین و کفار
کے متعلق تھیں۔

آن چہ ما کریم بر خود هیچ نابینا نہ کرد!

(۱۱)

صاحب اعظم مظہری علیہ الرحمہ کی سرپرستی میں ۱۲ ربیع الاول کی شب کو ہر سال
مسجد جامع فقہ پوری، دہلی میں بڑے بزرگ اجتماع سے مجلس عید میلاد النبی منعقد ہوا
کرتی تھی اور اس میں کوئی بات ایسی نہ ہوتی جو احکام شرعیہ کے خلاف ہو، ایک
متدین اور متقی عالم اور مفتی کے متعلق ایسا گمان کرنا بھی سخت نادانی ہے مگر پھر بھی
تنگ نظر مخالفین نے اس پر اعتراض کیا، جن کے متعلق خود صاحب اعظم تحریر
فرماتے ہیں :-

اس عاجز کی دلی خواہش تو یہی تھی کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم
کے مناقب عالیہ ہی میں کچھ عرض کرتا لیکن اپنے بیان کو ان آیات بینات
کے عنوان سے معنون کرنے کی ضرورت یوں ہوئی کہ کسی نے ایک گم نام
خط بھیجا جس کا مضمون یہ ہے :-

آپ ایک عالم اور مفتی اعظم ہوتے ہوئے ایک ایسے فعل
کے مرتکب ہو رہے ہیں جو بدعت ہے۔

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے اس شبہ کو بھی رفع کر دینا چاہیے تاکہ یہ لوگ مسلمانوں پر بدگمانی کرنے اور اس ذکر خیر کو معصیت کہنے سے باز رہیں کہ دونوں باتیں گناہ عظیم ہیں۔ (وعظ ۷)

نہ صرف بدعتی ہونے کا الزام تھا، بلکہ مشرک بنانے سے بھی ان بیباک معترضین نے گریز نہیں کیا، چنانچہ صاحب موصوف^۱ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مجلس کے آخر قیام کیا جاتا ہے اور قیام عبادت ہے پس غیر اللہ کے لئے قیام کرنا شرک ہے۔ (وعظ ۷)

یہ صرف گناہ محبت کی سزا تھی، مخالفین نے صاحب^۲ کے ساتھ وہ ناروا سلوک روا رکھا جو نہ صرف غیر مہذب بلکہ انسانیت سوز تھا۔ حیات منظر^۳ میں عرض کیا جا چکا ہے کہ ان لوگوں نے جب اس پیکر قدسی (علیہ الرحمہ) کی عظمت و جلال کے آگے خود کو بے بس پایا تو پھر گالیوں سے بھرے ہوئے خطوط بھیجنے شروع کئے مگر آپ کی پیشانی پر ذرا بل نہیں آیا بلکہ ان تمام کلفتوں کو غم جاناں کی نذر کر دیا۔

آلام روزگار کو آساں بنا دیا
جو غم ملا اسے غم جاناں بنا دیا

(۱۲)

یہ مخالفت ایک ایسے طبقے کی بیماری ذہنیت کی پیداوار تھی جس کے پیشواؤں کے معتقدات کا ذکر صاحب^۴ نے ایک جگہ فرمایا ہے پھر فقیرانہ بحث کرتے ہوئے کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا ہے اور سامعین کے سامنے ایک معقول معیار بھی پیش کر دیا ہے۔ ان معتقدات کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں :-

میں نے اپنے بیان کا زیب عنوان کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس لئے رکھا ہے کہ عوام سامعین کو کلمہ طیبہ تو صحت لفظی کے ساتھ یاد ہو گیا ہے لیکن اس کے باوجود بعض عوام کو یہ کہتے سنا کہ (۱) اہل اللہ کے مزارات پر سفر کر کے جانا (۲) قبر کو بوسہ دینا (۳) اس پر چادر چڑھانا (۴) اس کے غلاف کو پکڑ کر دعا کرنی (۵) اللہ کی جناب میں کسی

کو سفارشی سمجھنا (۶) رخصت ہوتے وقت لٹے پاؤں چلنا — یہ سب باتیں شرک ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی بکثرت ایسے اقوال ہیں جن کے بیان کے لئے زبان باری نہیں دیتی مثلاً (معاذ اللہ) (۷) اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے بلکہ جو افعال و ذیلیہ ایک انسان کر سکتا ہے وہ افعال اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے (۸) اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں (۹) اور ہر مخلوق بڑا ہوا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ (وعظ علی)

اسی طرح دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :-

بعض عوام کے خیال میں یہ جم چکا ہے کہ حضور مثل ایک انسان تھے اور پھر بھائی پس جب حضور کو کسی صفت عطیہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے، تو چونک پڑتے ہیں اور پھر اس پر دلائل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے فوراً شرک کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں۔ (وعظ علی)

(۱۳)

صاحب موعظ علیہ الرحمہ نے اس قسم کے اعتراضات اور اقوال کے جوابات نہایت تخیل بردباری سے دیئے ہیں یہاں عام اعظین کی طرح جذبات میں بہہ جانووالی کیفیت نہیں ہے نہ کہیں طعن و تشنیع ہے کہ ویل لکل ھمنزة لو ھمنزة (رڑی خرابی ہے ہر عیب چیں اور طعنہ دینے والے کی) جو دور جدید کے اعظین کے موعظ کی جان اور وعظ و نصیحت کی بہار ہے۔ حضرت علیہ الرحمہ کو ایسے نازک موقعوں پر بھی یہ فکر دامن گیر رہا کہ کہیں نامناسب جوابات سے مخاطب کو تکلیف پہنچے کہ کسی مرد مسلم کی اندرسانی بھی شرعاً ممنوع ہے، شریعت کا اس قدر پاس و لحاظ شاذ و نادر ہی اس دور میں نظر آئے گا۔ اعتراضات کے جوابات کے سلسلے میں صاحب موعظ علیہ الرحمہ ایک جگہ اس طرح وضاحت فرماتے ہیں :-

ورنہ ہم ایسے اعتراض کو نظر انداز کرتے رہے اس لئے کہ ایسے اعتراضات

کے جوابات میں بسا اوقات ایسے کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں جو مخاطب کے لئے باعث اذیت ہوتے ہیں اور یہ بھی شرعاً ممنوع ہے۔ لیکن اس وقت اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے کہ اذا بتلی ببلیتین فاختمناھون منھما تاچار اس طرف متوجہ ہونا پڑا لیکن پھر بھی اپنے بیان میں ہرگز ہرگز کسی خاص شخص کو مخاطب نہ کروں گا۔ (وعظ ۷)

واعظین و مناظرین تو اپنی اپنی مجلسوں میں اس حد سے کہیں آگے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں، یہاں تو صرف مخاطب مسلمان کی ایذا رسانی کی فکر دامن گیر ہے اور وہاں ایسا بھی ہوا ہے کہ اعظام اسلاف بلکہ صحابہ کرام اور خلفاء راشدین تک کی شان میں گستاخانہ کلمات صادر ہو گئے ہیں گو بعد میں اس پر ندامت ہوا کرے۔ چنانچہ ساتویں اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور عالم ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے الصالحیۃ میں الجبل کی مسجد میں مہر پر کھڑے ہو کر کہا :-
حضرت عمر بن الخطاب نے بہت سی غلطیاں کیں۔

اسی طرح ایک وایت یہ بھی ہے کہ انہوں نے کہا :-
علی بن طالب نے تین سو غلطیاں کیں۔

(۱۴)

مخلصاً اختلاف ائے تو رحمت ہے، چنانچہ فقہ اسلامی کی تدوین میں اختلاف نظر آتا ہے، حضرت امام ابو حنیفہ (م۔ ۱۵۰ھ)، حضرت امام مالک (م۔ ۱۷۹ھ)، حضرت امام شافعی (م۔ ۲۰۴ھ)، اور حضرت امام احمد بن حنبل (م۔ ۲۴۱ھ) کے چار مختلف مکاتب فکر موجود ہیں، دو مکتب فکر حضرت سفیان ثوری (م۔ ۲۶۱ھ) اور حضرت امام داؤد الظاہری (م۔ ۲۴۰ھ) نے بھی قائم کئے تھے مگر یہ دونوں مکاتب فکر آٹھویں صدی ہجری تک قائم رہے۔ بقیہ چار مکاتب فکر اب تک موجود

۱۴ ابن حجر: الدرر الکامنه، جلد اول، ص۔ ۱۵۴۔ بحوالہ اثرہ معارف الاسلامیہ لاہور، ص۔ ۲۵۲

۱۵ ایضاً، ص۔ ۲۵۲۔

ہیں۔ ائمہ اربعہ میں اختلاف اپنی جگہ تھا اور احترام اپنی جگہ، چنانچہ ہیوز نے ڈکشنری آف اسلام میں لکھا ہے کہ حضرت امام شافعیؒ فرماتے تھے کہ ”دنیا نے اسلام میں علوم فقہ میں حضرت امام ابوحنیفہ کا ثانی نہیں، جس نے آپ کی یا آپ کے شاگردوں کی تصانیف سے استفادہ نہیں کیا وہ فقہ اسلامی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

اسی طرح مصنف نے حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ آپ بیمار ہوئے تو صحت یابی کی نیت سے آپ نے حضرت امام شافعیؒ کا پیراہن مبارک زیب تن فرمایا۔“

یہ تھیں ان حضرات کی محبتیں اور اخلاص، انہیں مخلصاً تعلقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم نے لکھا ہے :-

خود ان بزرگوں کے باہمی تعلقات اور ان کے احترامی سلوک سے جو ناواقف ہیں وہ نہیں جانتے کہ امام شافعیؒ، امام مالکؒ کے تلمیذ رشید تھے یا احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ کی رکاب تھام کر بغداد کے بازاروں میں گھومتے تھے۔ امام شافعیؒ نے، ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی سے کتنا سیکھا، اور کیا کیا سیکھا؟ - امام ابوحنیفہ کے مرقدا نور پر پہنچ کر امام شافعیؒ نے کیا کیا تھا؟ یہ وہ مبارک اختلافات تھے جن کے متعلق حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان وقیح خیالات کا اظہار فرمایا ہے :-

ان اختلافات کی وجہ سے دین میں بڑی وسعت پیدا ہو گئی، میں دین کی راہ میں اس کو تمام قیمتی چیزوں میں بڑی غیر معمولی چیز سمجھتا ہوں، وہ بڑی ناپندیدہ حالت ہوتی کہ اس قسم کے مسائل میں لوگ کسی ایک ہی پہلو پر سمٹ جاتے۔

۱۹ : ہیوز : ڈکشنری آف اسلام، مطبوعہ لندن، ۱۹۳۵ء، ص - ۱۹۸

۲۰ : ایضاً، ص - ۱۹۸

۲۱ : مناظر حسن گیلانی : مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۶ء، ص - ۱۰۸

۲۲ : ایضاً، ص - ۱۹۸

اس میں شک نہیں کہ ایک مانہ ایسا بھی آیا کہ ان چاروں مکاتیب فکر کے پیر آپس میں ایک دوسرے سے دست بگریباں ہو گئے جیسا کہ چوتھی صدی ہجری کے مشہور سیاح علامہ مقدسی نے اپنی یادداشت میں تحریر فرمایا ہے، لیکن یہ متبعین کا اپنا کردار تھا اسٹک المہ اربعہ کو متہم نہیں کیا جاسکتا۔

(۱۵)

مگر ایک مانہ وہ آتا ہے جب اختلاف اٹھے ایک خطرناک صورت اختیار کر لیتا ہے اور علمائے کرام کے طبقے سے ایسے افراد پیدا ہوتے ہیں جن کے افکار و خیالات ملت اسلامیہ میں غیر محتمم تفسیر کا باعث ہوئے۔ اس سلسلے میں ہم ایک عالم کا ذکر کریں گے یعنی تقی الدین ابو العباس احمد بن شہاب الدین عبد الحلیم المعروف بہ ابن تیمیہ الحنبلی (۶۶۱ھ — ۷۲۸ھ)۔ یہ عالم بلا کے ذہین و فطین تھے سترہ برس کی عمر میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا، تقریباً پانچ سو کتابوں کے مصنف ہوئے جب ابن تیمیہ نے مناظر میں اپنے افکار و خیالات کا آزادانہ اظہار کیا تو راسخ العقیدہ علمائے اہل سنت و الجماعت میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور وہ ان کے سخت مخالف ہو گئے یہاں تک کہ ان پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور بعض علماء نے تو یہ تکے ما دیا کہ جو ابن تیمیہ کو ملحد نہ سمجھے وہ خود ملحد ہے۔

دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار محمد شنب نے ابن تیمیہ کے ان افکار و خیالات پر طائرانہ نظر ڈالی ہے جو موجب فتراق ہوئے، اس بحث کا خلاصہ یہ ہے :-
(ا) وہ بدعت کے سخت دشمن تھے، انہوں نے اولیاء پرستی اور مزارات کی زیارت کی شدید مذمت کی ہے۔

(ب) کوئی شخص اگر محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کی زیارت کیلئے سفر اختیار کرے تو یہ بھی ایک ناجائز فعل ہوگا۔

۱۵ دائرہ معارف اسلامیہ، مطبوعہ لاہور، ص - ۲۵۳

۱۶ ابن تیمیہ، مجموعہ الرسائل الکبریٰ، جلد اول ص - ۳۰۷ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ، ص - ۵۱

۱۷ ابن حجر البیہقی، فتاویٰ الحدیثیہ، ص - ۷۰ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ، ص - ۵۱۔ (بقیہ آگے)

(ج) ان کے نزدیک کسی مسلمان کے مزار پر جانا صرف اس صورت میں معصیت ہوگا جب کہ اس کے لئے سفر اور کسی عینہ دن جانا پڑے۔

ابن تیمیہ نے زائچہ ۱۳۱۰ھ میں اولیاء اور انبیاء کے مزارات پر حاضری کے خلاف ایک سالہ بھی لکھا تھا جس کی پاداش میں کافی عرصہ بعد ۱۳۲۶ھ/۱۳۲۶ھ میں سلطان وقت نے ان کو قید کیا اور اسی قید بند میں ان کا انتقال ہوا۔ ابن تیمیہ مزارات پر حاضری کے علاوہ استغاثہ کے بھی خلاف تھے جہاں چہ یوسف النہبانی نے اپنی کتاب "شواہد الحق فی الاستغاثہ بسید الخلق" میں ابن تیمیہ کے اس عقیدے کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔

ابن تیمیہ صوفیہ کرام اور متکلمین سے بھی نالال معلوم ہوتے ہیں جہاں چہ انہوں نے حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں (المنقذ من الضلال اور احیاء العلوم الدین) پر بڑی جرح کی ہے۔ یہی امام غزالی ہیں جن کی شان میں شیخ ابوالفضل نے گستاخانہ کلمات کہے تھے تو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فوراً اس کی مجلس سے اٹھ کر چلے آئے تھے اور معلوم ہے کہ مجدد الف ثانی کون بزرگ تھے یہی بزرگ ہیں جن کے متعلق ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا ہے:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان

جب تک فیضی نے معافی نہیں مانگی آپ اس کی مجلس میں تشریف نہیں لے گئے، انہیں امام غزالی اور دوسرے صوفیہ کرام کے متعلق ابن تیمیہ کہتے ہیں :-

"صوفی اور متکلمین ایک ہی کشتی پر سوار ہیں"

(بقیہ حواشی ۶۶) نوٹ: گویا جو حجاج ارادۃ مدینہ منورہ حاضر ہوتے ہیں (معاذ اللہ) گنہگار ہوتے جس کی نگاہ لطف نے بیت اللہ کو مسلمانان عالم کے لئے مرکزیت بخشی (فلنولینک قبلۃ ترضیہا) اس نگاہ کرم سے رخ موڑ لینا کسی احسان فراموشی ہے! - (مرتب)

(حواشی صفحہ ۶۷) ۱۵۱ صوفی الدین الحنفی: القول الجلی، ص- ۱۱۹ بحوالہ دائرہ معارف اسلامیہ ص- ۱۵۱ نوٹ: صاحب اعظم نظری کے جو اقتباسات اوپر پیش کئے گئے ان میں نمبر سے اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے (مرتب) ۱۵۲ محمد شمس کشمی: زبدۃ المقامات، منظرہ کانپور۔

ابن تیمیہ کے متعلق اس تفصیل سے غرض یہ ہے کہ ان معتقدات کی اساس کا پتہ چل جائے جو بعد میں تحریک "ہابیت" اور مع اضافات جدیدہ تحریک "یو بندیت" میں نظر آتے ہیں اور جن کی طرف صاحب "واعظ منظری" اشارہ و کنایہ اور کبھی وضاحتاً اشارہ فرماتے ہیں اب ہم تحریک "ہابیت" اور اس کے بانی کے متعلق کچھ عرض کریں گے۔

(۱۶)

تحریک "ہابیت" کے بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی تھے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ یہ تحریک، بانی تحریک کے والد بزرگوار کے نام پر "معتنون" ہوئی جو اس تحریک کے آغاز کے بعد سے مرتے دم تک اس کے مخالف ہے اور اسی بیزاری کے عالم میں ان کا انتقال ہوا۔

۱۷۔ تحریک "ہابیت" کے بارے میں مزید اور مفصل معلومات کے لئے مندرجہ ذیل مآخذ و مراجع کی طرف رجوع کیا جائے:-

عربی اور اردو مآخذ

- (۱) احمد القبانى المصرى : الفصل الخطاب فى رد ضلالات ابن عبد الوهاب (۲) احمد رضا خان :
- الاستمداد على احيال الارتداد (۳) احمد رضا خان : الياقوت الواسطه (۴) احمد رضا خان : الكوثر
- المنهاج (۵) امير شكيب رسلان : حاضر العالم الاسلامى ، مطبوعه قاہرہ ، ۱۹۳۲ء (۶)
- انور شاہ کشمیری : فضل لبارى شرح صحيح البخارى (۷) سيد احمد بن زینى الدحلان : الدر السنیہ
- فی الرد علی الوہابیہ ، مطبوعہ پشاور (۸) سلیمان بن عبد الوہاب نجدی : الصواعق اللہیہ فی الرد
- علی الوہابیہ ، مطبوعہ قاہرہ (۹) عثمان بن بشر : عنوان المجد فی تاریخ نجد ، مطبوعہ مکہ مکرمہ ۱۲۷۰ھ
- (۱۰) مسعود عالم ندوی : محمد بن عبد الوہاب ، مطبوعہ کراچی ، ۱۹۴۹ء (۱۱) نواب صدیق حسن خان

ترجمان "ہابیت" مطبوعہ امرتسر ، ۱۹۳۰ء۔

انگریزی مآخذ

- (۱۲) ایس۔ ایل۔ پیلی : پولیٹیکل مشن ٹونج (۱۳) ایل۔ اے۔ بلنٹ : پبل گریج ٹومک (۱۴) برک ہارٹ :
- بدونٹنس اینڈ وہابیت (۱۵) بریج : بریف ہسٹری آف دی وہابیت (۱۶) ہال گرین : سنٹرل اینڈ
- ایسٹرن عربیا (۱۷) ولفرڈ بلنٹ : فیوچر آف اسلام (۱۸) میوزاؤ کشتری آف اسلام ، مطبوعہ لندن ، ۱۹۳۵ء

ابن عبد الوہاب ابن تیمیہ سے پوری طرح متاثر ہیں بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ جو چیز ابن تیمیہ نے نظری طور پر پیش کی تھی ابن عبد الوہاب نے اس کو ایک عملی جامہ پہنایا تو بیجا نہ ہوگا۔
ابن تیمیہ اور فرقہ وہابیت کے تعلق پر بحث کرتے ہوئے دائرہ معارف اسلامیہ کے مقالہ نگار لکھتے ہیں :-

ہمیں معلوم ہے کہ وہابی فرقے کے بانی کا تعلق دمشق کے حنبلی علماء سے تھا، او اس لئے یہ قدرتی بات ہے کہ اس نے ان کی کتابوں سے استفادہ کیا بالخصوص ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن القیم الجوزی کی تعلیمات سے اس لئے وہابی عقیدے کے اصول وہی ہیں جن کے لئے یہ حنبلی عالم عمر بھر لڑتے رہے۔
دوسری جگہ لکھتے ہیں :-

آپ کی پُر جوش تصانیف کے نتیجے میں محمد ابن عبد الوہاب کی تحریک ابھری۔
شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی عیینہ کے ایک علمی گھرانے میں ۱۱۵۱ھ / ۱۷۳۸ء میں پیدا ہوئے، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا اور سب سے پہلے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے استغاثہ کے خلاف آواز بلند کی، نتیجتاً معاصرین علماء اور خود ان کے والد بزرگوار مخالف ہو گئے، والد بزرگوار کی مخالفت کی وجہ سے ابتداء میں ابن عبد الوہاب کو خاطر خواہ کامیابی نصیب نہیں ہوئی لیکن جب ۱۱۵۳ھ / ۱۷۴۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو اس تحریک میں ذرا گرمی پیدا ہو گئی۔

(۱۷)

ابن عبد الوہاب نے جن مسائل کے متعلق آواز اٹھائی ان میں سے بعض یہ ہیں۔ امکان کذب امکان تغیر، استغاثہ، استغاثہ، علم غیب الخلف بخیر اللہ، زیارت القبور وغیرہ۔
ظاہر یہ کیا گیا کہ یہ تحریک مروجہ بدعات اور اعمال شرکیہ کے خلاف ایک مخلصانہ کوشش ہے مگر بعض تاریخی واقعات کی روشنی میں باطن، ظاہر سے کچھ مختلف نظر آتا ہے، مثلاً

۱۷ محمد شنب و عبد الرحمن: مقالہ دائرہ معارف اسلامیہ، ص۔ ۲۵۴

۱۸ ایضاً، ص۔ ۲۵۴

دوسری شرط کے متعلق ارشاد ہوا :-

رہی دوسری شرط سوانشاء اللہ نہیں فتوحات اور غنیمتوں میں اتنا کچھ مل جائیگا کہ اس خسارِ ج کا خیال بھی دل میں نہ آئے گا۔

کس پر فتوحات؟ — کیسی غنیمت؟ — انہیں مسلمانوں پر فتوحات اور انہیں مسلمانوں کی دولت جن کو مشرکین و کفار کے زمرے میں شمار کر کے ان کے خلاف جنگ کی جا رہی ہے، ستم رسیدہ مسلمانوں کی متاعِ عزیز کو غنیمت سمجھ کر کھانا اور کھلانا کیسی ستم ظریفی ہے؟ یہی نہیں بلکہ جب ابن عبدالوہاب کو ذرا قوت حاصل ہو گئی تو پھر رنگ کچھ اور ہو گیا۔ چنانچہ جب حاکم ریاض، وہام بن دو اس نے ابن عبدالوہاب کے پیروؤں کے معتقدات سے تنگ آ کر ان پر سختی کی تو ابن عبدالوہاب نے فوراً جدالِ قتال کا حکم صادر فرما دیا، بس پھر کیا تھا، مسلمانوں کے کشتوں کے پستے لگ گئے۔

(۱۸)

ابن عبدالوہاب نے کس قسم کی اسلامی ذہنیت کی تعمیر و تشکیل کی؟ — اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ابن عبدالوہاب کے معتقدات کی وجہ سے دنیا سے اسلام کے بیشتر مسلمان ان سے برگشتہ تھے اسی برگشتگی کی وجہ سے وہابیوں کے ایک قافلہ حجاج پر عراقی قبائل کے کچھ مسلمانوں نے معمولی حملہ کیا، چنانچہ اس واقعہ سے چراغِ پامو کر ۱۸ رذی الحجہ ۱۲۱۶ھ / ۱۸۰۲ء کو سعود بن عبدالعزیز (م۔ ۱۲۲۹ھ / ۱۸۱۴ء) جو اس تحریک کے سرپرستوں میں تھے اس شان سے بدلا لیا کہ روح انسانیت کا نبی ہے :-

سعود بن عبدالعزیز تمام نجد، جنوبِ تہامہ سے ایک لشکرِ جرار لے کر بلا کے ارادے سے چلا اور بلدا الحسین کے باشندوں پر حملہ کیا، مسلمانوں نے اس پر دھاوا بول دیا، اس کی دیواروں پر چڑھ گئے اور زبردستی داخل ہو گئے اکثر باشندوں کو گھروں اور بازاروں میں تہہ تیغ کر دیا اور اس قبے کو جو ان کے اعتقاد کے مطابق حسین (رضی اللہ عنہ) کی قبر پر بنایا گیا تھا منہدم کر دیا قبہ اور اس کے آس پاس چڑھاوے کی تمام چیزیں لے لیں، قبہ زبردیا قوت اور جواہر سے آراستہ تھا اور اس کے علاوہ شہر میں جو مالِ متاع ملا سب

لے لیا اور شہر میں ایک پہر سے زیادہ نہیں بٹہرے اور ظہر کے وقت تمام مال لے کر وہاں سے نکل آئے اور اس کے باشندوں میں تقریباً دو ہزار قتل کئے۔^{۱۷}

حملہ کا یہ نقشہ کچھ اس قتل و غارت گری کی یاد دلاتا ہے جو صلیبی جنگوں میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے خلاف دیکھی۔ قرآن کریم نے سرکش اور متہرب بادشاہوں کی فطرت مستبد کی وضاحت بلیقیس کی زبانی یوں فرمائی :-

قالت ان الملوک اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعز
اهلها اذلة وکذا لک یفعلون^{۱۸}۔

ترجمہ :- (بلیقیس) کہنے لگی کہ الیابن ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہہ بالا کر دیتے ہیں اور اس کے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں ان کو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا ہی کریں گے۔

یہ تو تھا ان بادشاہوں کا حال جن کی ہوس رانیوں نے ان کو سرکش بنا دیا تھا، مومنوں کے فاتحانہ داخلے کا حال معلوم کرنا ہو تو سگر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیر مبارکہ کو دیکھئے کہ فتح مکہ کے وقت آپ نے کفار و مشرکین کے ساتھ کیا کچھ کیا؟ صلائے عام تھی لا تشریب علیکم الیوم اذہبوا فانتم الطلقاء۔ (آج تم پر کوئی الزام نہیں، جاؤ، تم سب آزاد ہو)۔ اور دیکھنا ہو تو آپ کا وہ خطبہ ملاحظہ کیجئے جو آپ نے ملک شام کی طرف جانے والی افواج اسلامی کو دیا تھا۔ آپ نے ہدایت فرمائی تھی :-

وَسَجِدْنَ فِيهَا مِنْهَا رَجَالًا فِي الصَّوَامِعِ مَحْتُولِينَ النَّاسَ فَلَا
تَعْرِضُوا لَهُمْ ——— لَا تَقْتُلْنَ امْرَأَةً وَلَا صَغِيرًا ضَرَعًا وَلَا
كَبِيرًا وَلَا تَقْطَعْنَ نَخْلًا وَلَا شَجْرًا وَلَا تَهْدَبْنَ بَنَاءً۔^{۱۹}

- ۱۷ عثمان بن بشر؛ عنوان المجد فی تاریخ نجد، مطبوعہ مکہ مکرمہ، ۱۳۷۰ھ، ص-۱۲۱
۱۸ القرآن حکیم؛ سورۃ نخل، آیت-۳۲
۱۹ شبلی نعمانی؛ سیرۃ النبی، جلد اول، ص-۵۲۰
۲۰ عبدالقیوم ندوی؛ خطبات نبوی، ص-۱۸۶

ترجمہ یہ وہاں تہیں خانقا ہوں میں گوشہ نشین رہیں گے، خبردار!
ان سے تعرض نہ کرنا۔۔۔ دیکھو! عورت، شیرخوار بچوں اور بوڑھے
لوگوں کو قتل نہ کرنا نہ کھجور اور دوسرے درختوں کو کاٹنا اور نہ کوئی عمارت
سمار کرنا،

عجیب تر یہ کہ جب عالم و عامی نے ابن عبدالوہاب کے یہ الزام لگایا کہ وہ مسلمانوں کا قتل عام
کر رہے ہیں اور ان کا مال و دولت لوٹ رہے ہیں تو ان کے متبعین نے جواب دے یا کہ
حاشا و کلاہم مسلمانوں کا قتل عام نہیں کر رہے ہیں بلکہ ہم تو ان مسلمانوں کو تہ تیغ کر رہے
ہیں جو اعمال و افکار کی وجہ سے مشرک کافر ہو چکے ہیں، چنانچہ اس طرح سفائی
پیش کی گئی :-

فلم یكفر رَحِمَہ اللہ الی عباد الاوثان من دعاة الاولیاء
والصالحین وغیر مہن اشرك باللہ وجعل لہ انداداً
بعد اقامۃ الحجۃ ووضوح الحجۃ وبعدان بدو وہ با
لقتال فحينئذ قاتلہم وفسك دمائہم ونهب اموالہم
ترجمہ :- تو شیخ رحمہ اللہ نے صرف ان صنم پرستوں کی تکفیر کی جو اولیاء اور
نیوکا رہنڈل سے مرادیں مانگتے ہیں، جنہوں نے حجت کے ثبوت اور طریق
حق کی وضاحت کے بعد بھی شرک کا ارتکاب اور اللہ کا شریک ٹھرایا
اور پھر انہوں نے قتال میں بھی پیش قدمی کی، تب شیخ نے ان سے قتال
کیا اور ان کا خون بہایا اور ان کا مال لوٹا۔

اگر مسلمانوں کے اعمال کا اتنی سختی سے محاسبہ کیا جائے تو پھر ہم میں کتنے لوگ ہیں جو زندہ
رہنے کے قابل ہیں، شاید لاکھوں میں بعد دسے چند ہوں تو ہوں۔۔۔ یہ صحیح ہے
کہ تاریخ اسلام میں اس قسم کے بہت سے روح فرسا مناظر سامنے آتے ہیں جب کہ
مسلمانوں نے آپس میں ایک دوسرے کا خون بہایا ہے مگر یہاں ذکر اس شخص کا
ہے جو پیغمبرانہ آن بان کے ساتھ توحید رسالت کی طرف دعوت لے رہا ہے۔

۱۔ سلیمان بن سحمان : تہذیب الشیخین، ص - ۸۶ (بحوالہ محمد بن بولاد لورہانی مسعودی عالم ندوی، ص - ۱۷۲)

کم از کم ایسی شخصیات میں پیغمبرانہ صفات کو تلاش کیا جائے اور اسی معیار سے پرکھا جائے تو جتنا ہوگا، مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس نظر آتا ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے خلاف آواز بکارت رہے مگر یہاں جو کچھ ہے مسلمانوں کے خلاف۔

بین تفاوت رہ زکباست تا بجا ؟

جیسا کہ شیخ سید احمد بن زینی الدحلان المکی نے الدرر المستنیه (ص ۳۶) اور ابن عابدین نے حاشیہ در المختار (جلد سوم، ص ۳۰۹) میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن عبد الوہاب اپنے متبعین کے علاوہ اس آسمان کی نیلی چھت کے نیچے ان تمام مسلمانوں کو علی الاطلاق کافر و مشرک سمجھتے تھے جو ان کی اطاعت و پیروی سے گریز کرتے تھے اس لئے ان کا خون بہانے میں دریغ نہیں کرتے تھے یہ بات نبیؐ کو زیب دیتی ہے مگر کسی مصلح کی یہ کیفیت کم علمی اور کم فہمی کا نتیجہ ہے، اسی لئے مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ارشد تلامذہ میں تھے اور جن کے متعلق مولانا اشرف علی تھانوی نے فرمایا ہے کہ تمیر کے لئے ان کا وجود اسلام کے مذہب سماوی اور دین حق ہونے کی حجت قاطع ہے۔ ابن عبد الوہاب کے متعلق فرماتے ہیں :-

امّا محمد بن عبد الوہاب النجدی فانہ کان رجلاً بليداً
قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر۔

ترجمہ :- اور محمد بن عبد الوہاب نجدی تو ایک کم علم اور کم فہم انسان تھا، اسی لئے کفر کا حکم لگانے میں بڑا عجلت پسند تھا۔

(۱۹)

ابن عبد الوہاب نے ان کے متبعین نے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے جان و مال کو اپنے لئے حلال کیا بلکہ مرحومین صحابہ اور صلحائے امت رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قبوں کو بے دریغ مسمار کیا، چنانچہ ابن عبد الوہاب نے ان قبوں کو مہندم کرنے میں

۱۔ انور شاہ کشمیری : فیض الباری شرح بخاری، جلد اول، ص ۱۷۱۔

سرگرمی سے حصہ لیا جو مسلمانوں کی عقیدت و محبت کے نشان تھے، مثلاً :-
مقام جبیلہ پر حضرت زید بن خطاب (جو جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے) کے
قبہ شریف پر اپنے ہاتھ سے گدال مارا اور دھڑا دھڑا کر زمین کے ہموار
کر دیا۔

اسی طرح جب ۱۳۱۸ھ / ۱۸۰۳ء کو سعود بن عبدالعزیز فاتحانہ انوار سے مکہ مکرمہ میں
داخل ہوا تو :-

اہل نواحی قبوں اور شریکیہ مشاہد (۶) کے انہدام پر مامور کئے گئے، سعود نے
بیس دن مکہ مکرمہ قیام کیا اور اس دوران مسلمان (متبعین ابن عبدالوہاب) کے
قبوں کو گراستے رہے تا آن کہ مکہ مکرمہ کے تمام مشاہد اور قبے برابر کر دیئے
گئے۔

کعبے کے جواہر اور قیمتی ذخیرے فاتحین میں تقسیم کر دیئے گئے، قبے گرا گئے
اور بعض مجاور قتل بھی کئے گئے۔

بلکہ ایک لہ لہ دینے والی خبر و لفرڈ بانٹ کی کتاب فیوچر آف اسلام میں ملتی ہے مصنف
لکھتا ہے :-

ہر جگہ قبے مسمار کر دیئے گئے اور سرزمین حجاز کے مقدس مقامات اس
کے (ابن عبدالوہاب) کے متبعین کے قبضے میں آ گئے تو صوفیہ اولیاء کے
قبے، حجاج کرام جن کی صدیوں سے عزت و احترام کرتے چلے آئے تھے،
زمین کے برابر کر دیئے گئے۔ یہاں تک کہ مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کا گنبد شریف بھی مسمار کر دیا گیا اور اس کے خزانوں کو ابن
سعود کے لشکریوں میں تقسیم کر دیا گیا، ان حرکتوں سے عالم اسلام میں
غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور وہابیوں کی قسمت کا ستارہ گردش میں آ گیا۔

۱۔ عثمان بن بشر: عنوان المجد فی تاریخ نجد، جلد اول، ص - ۹

۲۔ ایضاً، ص - ۱۲۲

۳۔ ایچ جے۔ فلی: اربانڈ، مطبوعہ لندن، ۱۹۳۰ء، ص - ۸۳

مگر بعض تاریخی شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ قبۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں کیا گیا لیکن ارادہ
 کہ ایسا ہی تھا، مولانا مسعود عالم ندوی نے لکھا ہے کہ مسعود نے قبۃ الرسول کی طرف بڑی نگاہ سے
 دیکھنے کی بھی جرات نہ کی۔ مگر ہر سے نزدیک بعض سیاسی مصالح کی بنا پر ایسا نہیں کیا گیا ورنہ
 اگر یہ جبار صحیح ہوتا تو پھر حجابہ کرام اور اہل بیت رحمہم اللہ تعالیٰ کے قبۃ منہدم کرنے میں
 یہ احترام ضرور مانع ہوتا۔

حضرت شاہ فخر رحمۃ اللہ علیہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین میں سے ہیں ان
 کے ملفوظات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد فخر نامی ایک عربی میں آیا تھا، اس نے ابن
 عبد الوہاب کے معتقدات کی تبلیغ کی اور اولیاء اللہ کے قبوں کے انہدام پر لوگوں کو آمادہ
 کرنا چاہا مگر ایسا نہ ہو سکا بلکہ رد عمل کے طور پر دہلی اسے اس عسکر کو "وہابی لہابی" کہا کرتے
 تھے، شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ (ابن شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ) کے مجموعہ فتاویٰ میں
 بعض فتوے ایسے نظر آتے ہیں جن میں ابن عبد الوہاب کے عقائد کا رد کیا گیا ہے۔

(۲۰)

ابن عبد الوہاب اور ان کے متبعین کے اعمال کا مختصر ایک جائزہ پیش کیا گیا، اب
 مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان افکار و عقائد کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے جن کی طرف
 صاحب اعظم نظر مٹھی نے اپنے مواضع میں اشارہ فرمایا ہے۔ سب سے پہلے شیخ سید
 احمد بن زینی الدحلان کی تصنیف سے ابن عبد الوہاب کے بعض اقوال پیش کریں گے اور
 اس کے بعد خود ابن عبد الوہاب کی تصنیف سے بعض اقتباسات پیش کریں گے، یہ
 دونوں تصانیف عربی میں ہیں، یہاں صرف ترجمہ پیش کیا جائے گا۔

۱، سید احمد بن زینی الدحلان المسکت لہ

الدمام السننیہ، مبلوغہ منظر عام پریس، پشاور، ص - ۲۳، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸۔

۲، جس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا اس نے از کتاب کفر کیا۔

۳، مسعود عالم ندوی: محمد بن عبد الوہاب، ص - ۱۷۷

۴، مولانا مسعود عالم ندوی نے ابن عبد الوہاب کی سوانح میں شیخ سید احمد پیر الزام لکھا ہے کہ
 ان کی کتاب نے غلط بیانیوں کی اشاعت کی ہے، (محمد بن عبد الوہاب، ص - ۲۰۷) (بقیہ آئے گے)

(ب) زانیہ کے گھر سے ساز کی آواز سننا اتنا بڑا گناہ نہیں جتنا مسجد نبوی کے میناروں سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر آواز بلند درود و سلام کی آواز سننا۔

(ج) میرا یہ عصا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر ہے اس لئے کہ اس سے جانب مارنے کا کام لیا جاسکتا ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مر گئے اور ان میں مطلقاً کوئی نفع نہ رہا، وہ تو ایک ایلی تھے، چلے گئے۔

(۲) ابن عبد الوہاب نجدی۔ کتاب التوحید، مطبوعہ لاہور، ص ۵۲، ۵۳، ۸۲، ۸۳
(۱) چوتھی بات یہ معلوم ہوئی کہ غیر اللہ کی رضا جوئی کے لئے اگر مصلح ترین انسان بھی ایسی غلطی کرے تو وہ بھی گنہ گاروں میں سے ہو جاتا ہے (یعنی صحابہ کرام جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فریاد لے کر گئے تھے معاذ اللہ گنہ گار ہوئے)

(ب) چون کہ ہر جگہ سے صلوة و سلام حضور کو پہنچ جاتا ہے اس واسطے خیال قرین ہم محض ہے۔

(نوٹ) ابن تیمیہ کی طرح ابن عبد الوہاب بھی روضہ اطہر کی زیارت کے لئے جانے والے کو گنہ گار سمجھتے تھے، اسی عقیدے کو تقویت پہنچانے کے لئے اس حدیث سے عجیب استدلال کیا ہے جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جہاں بھی ہو گے۔ تمہارے بھیجے ہوئے درود مجھ کو پہنچ جائیں گے۔ (ابوداؤد شریف)

(ج) جو محبت میں کسی کو اللہ کا شریک بناتا ہو اور اللہ کے برابر اس سے محبت رکھتا ہو وہ اپنے اس فعل کے ذریعہ شرک اکبر کرتا ہے۔

(نوٹ) مطلب یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کمالی محبت و انسیت نہ رکھی جائے، اس اقباس کا سیاق و سباق اسی خیال کا مقتضی ہے حالانکہ

(بقیہ حواشی) حالانکہ وہ اقوال جو انہوں نے نقل کئے ہیں آج بھی ابن عبد الوہاب کے متبعین کی زبان سے سننے میں آتے ہیں، پھر خود ابن عبد الوہاب کی بعض تحاریر ان اقوال کی تائید کرتی ہیں۔

خود قرآن حکیم میں ہی جن مجاہدوں نے آنحضرتؐ سے کمال محبت کی وہی شرائط رکھی ہیں جو اپنی محبت کے لئے رکھی ہیں (دیکھئے سورہ توبہ، آیت ۲۴)۔
 (۵) اس کا کیا حال ہوگا کہ جس نے کہا ہے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علاوہ میری کوئی جائے پناہ نہیں (یعنی بہت بُرا حال ہوگا) (معاذ اللہ)۔
 (نوٹ) یہاں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے اپنے مشہور تصنیف بردہ میں آلِ حفرة صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا ہے :-

يا اكرم الخلق مالى من الوديه
 سواك عند حلول لحادث العيم

(۲۱)

ضمناً ایک درحقیقت کی طرف اشارہ کرتا چلوں اور وہ یہ کہ تحریکے ہابیت نے بعض مسلمانوں کو اکابرینِ ملت کی جناب میں بہت بیباک بنا دیا ہے، حیرت و تعجب اس بات پر ہے کہ اکابرین اور صلحاءِ امت پر اعتراضات اور تنقیدات ان حضرات کی جانب سے ہوتی ہیں، جن کی نظر سطحیت کی غماز ہے اور اعتراض اس انداز سے کرتے ہیں گویا نظر ہے تو بس انہیں کے پاس۔
 یہاں مثلاً ایک عالم کا ذکر کروں گا جو ابن عبدالوہاب کے سوا سخ نگار بھی ہیں، جن کے متعلق سوا سخ مذکور کے مرقق پر یہ صراحت موجود ہے کہ انہوں نے ابن عبدالوہاب کے حالات پر بے لاگ تبصرہ کیا ہے، قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب سے لاگ نظر رکھنے والوں کا یہ حال ہے، تو ان حضرات کے تشدد اور سختی کا کیا عالم ہوگا جو لاگ و عصبيت کے ساتھ اتباع میں پیش پیش ہیں،۔ مولانا نے موصوف ابن عبدالوہاب کی گہنی تصنیف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

ان تصنیفات کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان پر یونان اور یونانی علوم کی ہلکی سی پرچھائیں بھی نہیں پڑی، ہر سکا ہندوستان میں بڑے بڑے مجددین امت کی کتابیں بھی یونانی گورکھ ہندوں اور اشراقیت کے اثرات سے بکھریاں گئے۔
 سکیں، شیخ کا طریقہ بالکل قرآنی ہے۔

۱۲۹ - مسعود عالم ندوی : محمد ابن عبدالوہاب، ص - ۱۲۹

پھر لکھتے ہیں :-

ان کے ہاں تصوف کی اصطلاحات بھی ناپید ہیں، ویدانت اور نوافلاطونی فلسفہ کے اس معجون مرکب نے (جس کا نام لوگوں نے تصوف کہہ چھوڑا ہے) اسلام کی بنیاد میں کھوکھی کر ڈالیں۔ اسلامی ہند کے مجددین نے یہ بڑی غلطی کی کہ اس ایون کا استعمال کرتے رہے ایون بہر حال ایون ہے۔^{۱۵}

انسوں صد افسوس! مولانا مسعود عالم نے حضرت شیخ عبداللہ محدث دہلوی، حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے جلیل القدر ہندوستانی مجددین ملت اور صوفیہ کرام کی عظیم الشان خدمات سے بھی اغماض نظر فرمایا، مطلقاً تصوف اور صوفیہ کرام کو ہدفِ بلاغت بنانا تاریخ اسلام کو مسخ کرنے کے مرادف ہے، ڈاکٹر اقبال مرحوم نے بھی اعتراضات کئے ہیں مگر مطلقاً تو انہوں نے بھی برا نہیں کہا، سچ تو یہ ہے کہ بڑے صغیر پاک ہند میں اسلام کی جو کچھ رونق نظر آ رہی ہے، یہ انہیں کے دم قدم سے ہے، یہاں گنجائش نہیں اور نہ عرض کیا جاتا کہ صوفیہ کرام اور ان کی تعلیمات نے نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا میں کیا کردار ادا کیا، اور ان کے مقابلے میں علماء نے کیا کچھ کیا۔ بات یہ ہے کہ جسمانی بلوغ کی طرح ذہنی اور روحانی بلوغ بھی ایک چیز ہے اگر ذہن و روح اس منزل بلوغ تک نہیں پہنچے تو وہ حقیقت سے آشنا نہیں ہو سکتے۔ اور حقیقت سے ناآشنائی کی صورت میں خاموشی بہتر ہے کہ وجود و عدم دونوں کی حقیقت سے وقوف کے لئے مشاہدہ شرط ہے، بغیر متقین و مشاہدہ انکار کرنا ذہنی اور روحانی طفولیت کی دلیل ہے۔ ہاں مستثنیات کی بات الگ ہے۔

عبرت کے لئے ایک اقعہ عرض کرتا چلوں۔ فاضل اہل مولینا سید سلیمان ندوی مرحوم

۱۵ ایضاً، ص-۱۲۹

(نوٹ) مولینا مسعود عالم ندوی تصوف سے کچھ زیادہ ہی ناراض معلوم ہوتے ہیں، جیلان کے بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ تصوف کی مخالفت عمومی کے ساتھ نہ کی جائے تو انہوں نے سر سے سے تصوف کی اصطلاح ہی کو لغو قرار دیا اور بڑے غضب سے فرمایا :- "اختلاف اس غیر ماثور اصطلاح (تصوف) سے ہے جس کے پردے میں دن دہاڑے دجل و فریب کا بازار گرم رہتا ہے اور (بقیہ لگے)

(جو مولانا موصوف کے استاد بھی ہیں) ابتداء میں اولیاء اللہ اور صوفیہ کرام سے کوئی عقیدت نہیں رکھتے تھے، اسی زمانے کا ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ مولانا نے مرحوم نے سندھ کے ایک مشہور معروف عالم اور صوفی حضرت مولانا ہاشم جان صاحب مجددی فاروقی سرہندی سے کراچی کے زمانہ قیام میں بیان فرمایا۔ آپ نے فرمایا :-

میں چند احباب کے ساتھ کسی سے حافظ عبد الحلیم کے یہاں سے واپس ہوا تو احباب نے سرہند شریف میں فاتحہ خوانی کے لئے اصرار کیا، چنانچہ ہم سب لوگ سرہند پہنچے مجھے جوں کہ اولیاء اللہ سے کوئی خاص عقیدت نہ تھی اس لئے میں تو باہر مسجد کے احاطے والی دیوار پر جوتے پہنے ہوئے بے تکلفانہ پیر لٹکا کر بیٹھ گیا اور احباب اندر چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد میں کیا دیکھا ہوں کہ درگاہ سے ایک نورانی صوت سفید ریش بزرگ میری طرف چلے آ رہے ہیں، مجھ پر بیت طاری ہو گئی کیوں کہ وہاں اس وقت کوئی نہ تھا۔

وہ بزرگ میرے سامنے آ کر ٹہر گئے اور فرمایا :-
”مکتوبات ما خواندہ؟“

میں نے جواب دیا :-

”خواندہ ام“

پھر فرمایا :-

”فہیدہ؟“

میں نے عرض کیا :-

”خواندہ ام انا اند کے فہیدہ ام“

اس سوال و جواب کے بعد مجھ پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ میں ہوش میں نہ رہا اور بیہوش ہو کر زمین پر گر پڑا، جب احباب فاتحہ خوانی کے بعد واپس آئے تو مجھ کو اس حالت میں دیکھا بیہوش پڑا ہوں، منہ سے جھاگ نکل رہے ہیں، انہوں نے پانی پھڑکا، تھوڑی دیر بعد میں ہوش میں آیا اور سارا ماجرا سنایا۔

(بقیہ نوٹ ۹) اس فتنہ عام سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ اس لباس ہی کو اتار کر پھینک دیا جائے۔

(محمد بن عبد الوہاب، ص-۱۲۹)

”میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مسلمان بنایا ہے۔ اس سے پہلے
میں مسلمان نہ تھا“

اس کے بعد پورا واقعہ سنایا جو اوپر عرض کیا گیا۔ یہی بات ہے جس کی طرف
آزاد مرحوم نے اشارہ فرمایا ہے۔

(۲۲)

ہندوستان میں ابن عبدالوہاب کے عقائد کی اشاعت بعض حضرات کے ذریعہ سے ہوئی
اس سلسلے میں مولینا اسمعیل دہلوی (م۔ ۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۱ء) اور مولینا سید احمد بریلوی (م۔ ۱۲۴۶ھ /
۱۸۳۱ء) نے اہم کردار ادا کیا، مولینا سید احمد بریلوی نے تحریک و ابیت کے قریبی زمانے
(۱۲۳۶ھ / ۱۸۳۹ء) میں سفر حجاز بھی کیا تھا اس لئے ظاہر ہے کہ وہ کیا کچھ خیالات جذب
لے کر آئے ہوں گے۔ مولینا اسمعیل ”توشاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ کے پوتے اور حضرت شاہ
عبد الغنی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے، ان کے دونوں چچا حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب
اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحب ان پر بڑی شفقت فرمایا کرتے تھے مگر جب نور علم نے بیباک
بنا دیا تو بات یہاں تک پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی
مجلس مبارکہ سے ان کو اٹھا دیا، آخر میں دونوں چچا ان سے ناراض ہو گئے تھے، لیکن
سواخ نگار صرف بتدائی دور کا ذکر کرتے ہیں، مجلس سے اٹھانے کا واقعہ تو شاید
مولینا اشرف علی تھانوی نے بھی نوادر النوا در میں تحریر فرمایا ہے۔

ابن عبدالوہاب کی تحریک اور ان دونوں حضرات کی سیاسی اور مذہبی کوششوں میں کئی
مناسبتیں نظر آتی ہیں، ابن عبدالوہاب پر یہ الزام تھا کہ وہ بلا وجہ مسلمانوں کو بے دریغ قتل
کرتے ہیں اور ان کی مالی و متاع کو اپنے لئے مباح سمجھتے ہیں، اس قسم کے واقعات مولوی
سید احمد اور مولینا اسمعیل کی زندگی میں بھی نظر آئیں گے۔ چنانچہ دائرہ معارف اسلامیہ
کے مقالہ نگار مولینا غلام رسول مہر، مولینا اسمعیل کی جرات و بہت کا ذکر کرتے ہوئے
ذیل کے واقعات فخریہ بیان فرماتے ہیں :-

(۱) زیدہ کی جگہ میں صرف سات سو غازیوں کے ساتھ یار محمد خاں پر فتح پائی۔

۱۵ (نوٹ) مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی اسمعیل دہلوی کے حالات اور عقائد (بقیہ آگے)

(ب) پابند خاں تنوئی کو شکست دے کر امبلا و عشرہ پر قبضہ کر لیا۔

(ج) مایار کی جنگ میں تین ہزار غازیوں کے ساتھ — آٹھ ہزار درانیوں کو شکست فاش دی۔ وغیرہ وغیرہ

غالباً اسی بنا پر پشاور اور اطراف پشاور کے بعض علماء برگشتہ نظر آتے ہیں، چنانچہ مولانا اسمعیل نے پشاور کے علماء کے نام جو دو مکاتیب (محررہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۲۹ء و محسرہ ۱۱ اپریل ۱۸۳۰ء) ارسال فرمائے ان سے بالواسطہ دوسری باتوں کے علاوہ یہ باتیں بھی معلوم ہوتی ہیں :-

(۱) مسلمانوں کے اموال و نفوس میں بغیر کسی شرعی وجہ کے دست درازی کرتے ہیں

(ب) افغانیوں کی لڑکیوں کو جبراً ہندوستانیوں کے حوالے کرتے ہیں۔

موافقین کی طرف سے اس جبر و استبداد کا وہی جواب دیا جاتا ہے جو ابن عبد الوہاب کے سلسلے میں بیان کیا گیا۔

جہاں تک ان حضرات کے معتقدات کا تعلق ہے وہ سختی و درستی میں ابن عبد الوہاب سے کسی طرح کم نہیں۔ یہاں ہم دونوں حضرات کی تصانیف صراط مستقیم (مولانا سید احمد بریلوی) اور تقویۃ الایمان (مولانا اسمعیل دہلوی) سے چند اقتباسات پیش کریں گے

(بقیہ جوشی ص ۸۴) کے سلسلے میں مندرجہ ذیل ماخذ کی طرف رجوع کیا جائے :-

(۱) محمد علی : مخزن احمد ۱۲۹۹ء (۲) نواب نیر الدولہ : تاریخ کبیر (۳) محمد حنفیہ تھانیسری : تواریخ

عجمیہ دہلی، ۱۸۹۱ء (۴) سر سید احمد خاں : آثار الصنادید، دہلی، ۱۸۴۳ء (۵) رحمان علی : تذکرہ

علمائے ہند، لکھنؤ، ۱۹۱۳ء (۶) ابوالحسن ندوی : سیرت سید احمد شہید، لکھنؤ، ۱۹۳۹ء (۷) کنھیالال

ہندی : نظرنامہ رنجیت سنگھ، لاہور، ۱۸۷۶ء (۸) سوہن لال سوہی : عمدت التواریخ، لاہور

(۹) مرزا حیرت دہلوی : حیات طیبہ دہلی، ۱۸۹۵ء (۱۰) نواب صدیق حسن خاں : تحائف النبلاء،

کانپور، ۱۲۸۹ء (۱۱) وحید احمد مسعود : سید احمد شہید کی صحیح تصویر، لاہور، ۱۹۶۶ء (۱۲) محمد قاسم

خاک : تاریخ سید احمد بریلوی، مداس، ۱۹۶۳ء وغیرہ وغیرہ

۴ غلام رسول ہیر : دائرہ معارف اسلامیہ مطبوعہ لاہور، جلد اول، ص - ۷۱

(ہواشی صفحہ ۷۱) ۱۷۱ ایضاً، ص - ۷۱ ۱۷۲ ایضاً، ص - ۷۱ ۱۷۳ وحید احمد مسعود : سید احمد شہید

کی صحیح تصویر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۶ء، ص - ۱۷۸ ۱۷۹ ایضاً، ص - ۱۷۹

جس اندازہ ہو سکے گا کہ یہ حضرات ابن عبدالوہاب سے کہاں تک متاثر ہیں اور یہ کہ انہوں نے اپنے مشن کے ذریعہ ہابی عقائد کو کس قدر تقویت پہنچائی ہے، ان میں سے بعض معتقدات کا صاحب اعظاظ مظہری نے اپنے مواعظ میں بھی ذکر فرمایا ہے :-

(۱) مولوی سید احمد بریلوی

صراط مستقیم، مطبوعہ لاہور، ص - ۲۰۱

زنا کے سو سے سے اپنی بیوی کی جماعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اس جیسے بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالت مآب ہی ہوں اپنی ہمت لگا دینا اپنے سبیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔

اصل فارسی الفاظ یہ ہیں :-

و صرف ہمت بسوئے شیخ و امثال آل از معظمین گو جناب رسالت مآب باشند بچندی مرتبہ بدتر از استغراق در صورت گاؤن خود است۔

(صراط مستقیم، مطبوعہ مطبع مجتہبی، دہلی، ص - ۱۶)

(۲) مولوی محمد اسماعیل بریلوی

تقویۃ الایمان، مطبوعہ کراچی، ص - ۲۰، ۲۹، ۳۳، ۴۰، ۴۲

(ا) ہمارا جب خالق اللہ ہے تو ہم کو چاہیے کہ ہر کاموں میں اسی کو پکاریں اور کسی سے ہم کو کیا کام؟ جیسے جو ایک بادشاہ کا غلام ہو وہ اپنے کام کا علاقہ دوسرے بادشاہ سے بھی نہیں کھتا (یعنی دوسرے خدا سے) کسی چوڑے چمار کا تو کیا ذکر ہے (یعنی محاذ اللہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے وانہم عندنا لمن المصطفین الاخیار، ص: ۱۶)

(ب) اللہ پاک نے آپ ہی سے فرمایا کہ لوگوں کے سامنے اپنا حال بیان

فرمادیں کہ مجھے نہ تو کچھ قدرت حاصل ہے اور نہ ہی غیب ان ہوں، میری قدرت کا یہاں سے اندازہ لگاؤ کہ میں اپنی جان تک کے لئے نفع و نقصان کا مالک نہیں دوسروں کو تو کیا بھلائی برائی پہنچا سکوں گا، اگر میں غیب داں ہوتا تو کام سے پہلے انجام معلوم کر لیا کرتا۔

(ج) سب کاموں کے مختار کا نام اللہ ہے اور جس کا نام ٹھہرا یا علی ہے اس کو

کسی بات کا اختیار نہیں۔

(۵) معلوم ہوا کہ جتنے اللہ پاک کے مقرب بندے ہیں، خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء ہوں، وہ سب کے سب اللہ کے بے بس بند ہیں اور ہر سے بھائی ہیں مگر حق تعالیٰ نے انہیں بڑائی بخشی ہے تو ہمارے بڑے بھائی کی طرح ہوئے۔

(۶) بشر رسول بن کر بھی بشر ہی رہتا ہے — نبی بن کر بشر میں خدائی شان نہیں آجاتی — بشر کو بشریت کے مقام پر رکھو۔
(۷) میں بھی ایک ن مرکز میں ملنے والا ہوں تو کیا سجدہ کے لائق ہوں
(۸) سو جان لینا چاہیے کہ جس کی توحید کامل ہے اس کا گناہ وہ کام کرتا ہے کہ اوروں کی نیکی وہ کام نہیں کر سکتی، فاسق موجد ہزار درجہ بہتر ہے متقی مشرک سے۔

مولوی سید احمد بریلوی اور مولوی اسماعیل دہلوی کے ان اقوال و عقائد کے ہوتے ہوئے نواب صدیق حسن خاں کا یہ فرمانا کچھ عجیب معلوم ہوتا ہے :-
سید احمد صاحب اور ان کے رفیقوں سے خلق خدا کو جو فیوض حاصل ہوئے ان کا عشر عشر بھی ہندوستان کے دوسرے علماء اور مشائخ پیش نہ کر سکے۔

(۲۳)

دیوبند اور سلاٹ دیوبند کے متعلق بھی کچھ عرض کر دیا جائے کہ اس مکتب فکر کو امام ابن تیمیہ، ابن عبدالوہاب، مولانا سید احمد بریلوی، مولانا اسماعیل دہلوی وغیرہم کے افکار و خیالات سے علیحدہ تصور نہیں کیا جاسکتا۔

۱۰ نواب صدیق حسن خاں: تقصیر جمود الاحرار، بحوالہ ائمہ معارف اسلامیہ، جلد دوم، لاہور، ص - ۱۴۱
۱۱ لیکن سیاسی میدان میں مولوی سید احمد بریلوی، مولوی اسماعیل دہلوی اور علمائے دیوبند کے طرز عمل جدا جدا ہیں، مولوی سید احمد نے انگریز غاصبوں کے خلاف کچھ کیا بلکہ ہندوستانی سکھ باشندوں سے جہاد کے نام پر جنگ کی، اس عجیب و غریب طرز عمل کی مورخین (بقیہ آگے)

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو مرکز دارالعلوم دیوبند کا افتتاح ہوا، اس تقییر میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (م ۱۲۹۶ھ) کے علاوہ دیگر حضرات بھی موجود تھے، اسی مدرسہ کے بعض سرپرست، مدرسین اور طلبہ مندرجہ بالا حضرات کے افکار و خیالات سے متاثر معلوم ہوتے ہیں، چنانچہ مولانا رشید احمد گنگوہی جو مولانا محمد قاسم نانوتوی کے بعد دارالعلوم دیوبند کے سرپرست بھی ہو گئے تھے، وہابیوں اور ان کے پیشوا ابن عبد الوہاب نجدی کے متعلق ایک استفسار کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں :-

ان کے عقائد عمدتاً اور مذہبان کا حنبلی تھا، البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی، مگر وہ اور ان کے مقتدی اچھے ہیں۔

(بقیہ حواشی ص ۸۵) یہ تاویل کی ہے کہ سید صاحب پہلے چھوٹے دشمن (سکھ) کو زیر کرنا چاہتے تھے، پھر بڑے دشمن (انگریز) کو زیر کرتے۔ (ہندوؤں کا کوئی ذکر نہیں جن سے ہندوستان بھرا ہوا تھا)۔ چنانچہ ڈاکٹر محمود حسین نے تاریخ تحریک آزادی (انگریزی) مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۶ء کی جلد اول میں یہی تاویل پیش کی ہے، کم از کم اقم کے لئے یہ تاویل ایک مہتے سے کم نہیں۔

ان کے برخلاف مدرسہ دیوبند کے علماء جن کی اکثریت جمعیتہ العلماء ہند میں شامل تھی اور جو عملی طور پر کانگریس کے ہم نوا تھے، انگریزوں کے خلاف جدوجہد میں ایک دوسرے کے شریک تھے ان حضرات کا کہنا تھا کہ پہلے بڑے دشمن (انگریز) کو نکال دیں پھر چھوٹے دشمن (ہنود و سکھ وغیرہ) کو دیکھ لیں گے، نیت کا علم اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہر کیف دونوں کے طرز عمل جدا جدا تھے لیکن نتائج کے اعتبار سے یکساں نظر آتے ہیں، ماضی میں جو کوششیں کی گئیں، رد و قبول مستقبل ہی کے ہاتھ رہا، زمانہ سے بہتر کوئی منصف نہیں جس کا حال یہ

ہے

کسی کارا کب کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ
(مرتب)

(بقیہ صفحہ ۸۷) رشید احمد گنگوہی، فتاویٰ رشیدیہ جلد اول، مطبوعہ برلا پریس، ۱۳۲۲ھ

اس تائید نے دارالعلوم دیوبند پر وہابیت کے تاثر کو رفتہ رفتہ اتنا قوی کر دیا کہ
 ”وہابیت“ اور ”دیوبندیت“ کو مرادفات میں شمار کیا جانے لگا، چنانچہ مدرسہ دیوبند سے
 فارغ ہونے والے بعض علمائے کرام کی تحاریر میں صاف صاف ابن عبد الوہاب کے معتقدات
 کی جھلک نظر آتی ہے، مثلاً مولینا خلیل احمد نبیٹھوی اور مولانا اشرف علی تھانوی جن کو دارالعلوم
 دیوبند سے بالترتیب ۱۲۸۹ھ اور ۱۳۰۱ھ میں اسناد فراغت ملیں، اور بعض چیزیں
 مستزاد بھی ہیں جن کو اسی مدرسے کی اختراعات میں شمار کیا جاسکتا ہے، ایک جاندار
 مدرسہ اپنے فکر و عمل کا ایک خاص محور رکھتا ہے، اسی محور سے اس کی کارگزاریوں کا اندازہ
 لگایا جاتا ہے۔ اور اسی سے طلبہ اور مدرسین کی پہچان ہوتی ہے۔

ہم یہاں مولینا رشید احمد گنگوہی، مولینا خلیل احمد نبیٹھوی اور مولینا اشرف علی
 تھانوی کی تصانیف سے بعض اقتباسات پیش کرتے ہیں، ان میں سے بعض کی طرف
 صاحب موعظ مظہریؒ نے بھی اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) مولوی رشید احمد گنگوہی

فتاویٰ رشیدیہ، مطبوعہ افضل المطابع، مراد آباد، ص ۳۴۔

آں چہ فضائل درود تاج کہ بعض جہلاء بیان کنند غلط است، و قدر آں
 بجز بیان شارح علیہ السلام معلوم شدہ محالی و تالیف آں درود بعد مرور صد
 سال واقع شد پس چگونہ درو این صیغہ موجب ثواب قرار دادہ شود،
 و آنچه در احادیث صحیح صیغہ آں درود وارد شدہ آں را ترک کردن
 داین را موعود ثواب جزئی پنداشتن و در ساختن بدعت ضلالت است
 و چون آں کہ در آں کلمات شرکیہ مذکور اند اندیشہ خرابی عقیدہ عوام
 است لہذا در دآں ممنوع ہست پس تعلیم درود تاج بہانا سم قاتل عوام
 سپردہ است کہ صد ہا مردم بفساد عقیدہ شرکیہ مبتلا شوند موجب ہلاکت
 ایشان گردد فقط و اللہ تعالیٰ اعلم۔

کتب الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ

(نوٹ) درود تاج کو بدعت ضلالت کہنا اور اس کو مسلمانوں کے لئے سم قاتل اور
 موجب ہلاکت قرار دینا افسوس ناک ہے غالباً اسی قسم کے اقوال کی وجہ سے

مولوی رحمت اللہ مہاجر مسکنی رحمۃ اللہ علیہ جن کو علمائے دیوبند شیخ الہند اور
 "علم علمائے مکہ" کہتے ہیں اور عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے ہیں اپنے
 مجہدین کو منع کر دیا تھا کہ مولوی رشید احمد گنگوہی اور ان کے متبعین کے
 ارشادات نہ سنیں، آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا :-

میں جانتا ہوں کہ مجھ پر کھلم کھلا تبراہ ہو گا لیکن جب جہو علمائے صالحین
 اور اولیاء کا ملین اور رسول رب العالمین اور جناب باری جہاں آفریں
 ان کی زبان اور قلم سے نہ چھوٹے تو مجھ کو کیا شکایت ہو گی۔

(تقدیس الوکیل، مطبوعہ صدیقی پریس، قصور، ۱۳۱۴ھ ص ۲۶)

(۲) مولوی خلیل احمد انبیٹھوی

براہین قاطعہ، مطبوعہ مطبع قاسمی، دیوبند، ص ۵۱۔
 (ا) شیطان اور ملک الموت کا حال دیکھ کر علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلائق
 نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں
 تو کونسا ایگان کا حصہ ہے؟ شیطان اور ملک الموت کو یہ سمت نص سے
 ثابت ہوئی، فخر عالم کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے؟ جس سے
 تمام نصوص کو رد کر کے ایک شرک ثابت کرتا ہے۔

(ب) یہ مجلس میلاد ہمارے زمانے کی بدعت منکر ہے اور شرعا کوئی صورت
 جواز اس کی نہیں ہو سکتی۔ (ص ۱۴۸)

(ج) قیام کرنا وقت وقوع ولادت شریفہ کے ہونا چاہیے اب ہر روز
 کونسی ولادت ہوتی ہے، پس ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل ہنود کے
 سانگ کفہیا کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں یا مثل روافض کے نقل
 شہادت اہل بیت ہر سال مہاتے ہیں۔ (ص ۱۴۸)

(د) الحاصل یہ قیام صورت اولی میں بدعت منکر اور دوسری صورت میں
 حرام و فسق اور تیسری صورت میں کفر و شرک جو قطعی صورت میں اتباع ہوا
 اور گناہ کبیرہ ہوتا ہے پس کسی وجہ سے مشروع و جائز نہیں۔

(ص ۱۴۸)

(۳۱) مولوی اشرف علی تھانوی

حفظ الایمان، مطبوعہ مطبع مجتہبی، دہلی، ص-۸۶۷

پھر یہ کہ آپ کی ذات مقدسہ پر علم غیب کا حکم کیا جانا اگر بقول زید صحیح ہے تو دریافت طلبت امر ہے کہ مراد اس سے بعض غیبیہ یا کل غیبیہ ہے بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اس میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسا علم غیب تو زید عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔

مولانا عبدالنبی اکبر آبادی (کراچی) نے اپنے ایک مضمون میں علماء و ہابسیہ اور علماء دیوبند کے بعض اقوال کا مع کتب حوالہ اشارہ ذکر کیا ہے، ہم اس مضمون کے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس سے ہندوستان اور پاکستان میں ان حضرات کے خلاف بعض علماء و عوام کی مخالفت کے چند بنیادی اسباب کا علم ہو جائیگا، ان میں بعض امور کے متعلق ہم اوپر وضاحت بھی کر چکے ہیں۔ — مولانا عبدالنبی اکبر آبادی اپنے محولہ بالا مضمون میں

لکھتے ہیں:-

کیا مولوی الیاس صاحب نے اپنے آپ کو مثل انبیاء و مبعوث ہونے کا اظہار کر کے مقام نبوت پر کھڑے ہونے کا ارادہ نہ کیا؟ (دیکھئے ملفوظات مولوی محمد الیاس مرتبہ مولوی منظور نعمانی) — کیا مولوی محمد قاسم صاحب نے حضور کے ختم نبوت کو عوام کا خیال نہ بتایا؟ (دیکھئے تعذیر الناس) — کیا مولوی رشید احمد صاحب نے خدا کو جھوٹ بولنے پر قادر نہ کہا؟ (دیکھئے فتاویٰ ہاشمیہ) — کیا مولوی خلیل احمد صاحب نے حضور کے علم سے شیطان کے علم کو وسیع نہ کہا؟ (دیکھئے براہین قاطعہ) — کیا مولوی اشرف علی تھانوی نے حضور کے علم کو زید و عمر بچے ہاگل، جانور چوپایوں ایسا علم نہ کہا؟ (دیکھئے حفظ الایمان) — کیا مولوی اسماعیل دہلوی نے خدا کو جھوٹ بولنے پر قادر نہ بتایا؟ (دیکھئے ہر سالہ یکے وزی) — کیا سید احمد صاحب نے نماز میں حضور کے خیال کو گدھے اور بیل کے خیال سے بدتر نہ ٹھہرایا؟ (دیکھئے صراط مستقیم) — کیا سید صاحب

اور مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے انگریزوں سے جہاد کرنے کو ناجائز نہیں بتایا بلکہ ان سے لڑنے والوں سے لڑنے کو فرض قرار دیا؟ (دیکھئے تواریخ عجیبہ اور حیات طیبہ) — کیا مولوی رشید احمد صاحب نے یہ نہیں کہا "بعض سٹریٹس پر موت کھیل ہی تھی، انہوں نے کمپنی کی امن و عافیت کا زمانہ قدر کی نظر سے نہ دیکھا اور اپنی رحم دل گورنمنٹ کے سامنے بغاوت کا علم قائم کیا۔"؟ (دیکھئے تذکرۃ الرشید، حصہ اول) — کیا مولوی الیاس صاحب وظیفہ ماہانہ اور مولوی اشرف علی صاحب پھر سو روپے ماہوار گورنمنٹ برطانیہ سے نہیں پاتے تھے؟ (دیکھئے مکالمۃ الصداکین) — کیا مولوی اسماعیل دہلوی صاحب نے تقویۃ الایمان لکھ کر تمام مسلمانوں کو کافر و مشرک نہیں بنایا؟ — (شمشیر صداقت، مطبوعہ کراچی، ص ۱۷۴)

نوٹ) تحریک "وہابیت" اور تحریک "دیوبندیت" کے خلاف پاکستان اور ہندوستان اور بیرونی ممالک میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ چند کتابیں جن سے تجزیاتی مواد فراہم ہو سکتا ہے یہ ہیں :-

- (۱) احمد رضا خاں بریلوی: تطیب لایمان رد تقویۃ الایمان، کراچی (۲)، احمد علی: رد قول نجدیہ، ۱۲۸۵ھ (۳)، اشرف علی گلشن آبادی: تحفہ محمدیہ ورد وہابیہ، ۱۲۶۵ھ (۴) جمال الدین فرنی محلی: جمال الملۃ والدین فی رد عقائد الوہابیین، بمبئی (۵)، جمال الدین سہسپوئی: غرر البہیۃ ترجمہ درر السننیۃ، دیوبند، ۱۳۳۵ھ (۶)، سعید الدین حسین: مسائل وہابیان گستاخ، بدایوں، ۱۸۸۱ھ (۷)، سید امیر شاہ پوری: اہلک الوہابیین، اجسیر (۸)، محمد ظہور علی: رد وہابیہ، ۱۲۵۵ھ، حیدرآباد دکن (۹)، علی شہ: تحفہ وہابیہ، ۱۳۰۵ھ، حیدرآباد دکن (۱۰)، نضر الدین: ازالۃ الشکوک فی الایمان فی العقائد الیاسلام، حیدرآباد دکن، (۱۱)، نعیم الدین مراد آبادی: اطمینان لایمان فی رد تقویۃ الایمان، مرادآباد وغیرہ وغیرہ۔

ان تحریکوں کی حمایت و تائید میں مفصل مآخذ کی فہرست کے لئے مولانا مستعد عالم ندوی (بقیہ آئے)

اس میں شک نہیں ممالک اسلامیہ میں محرمات و منکرات کا رواج رہا ہے اور ہے اور بعض مجددین نے بڑی دور اندیشی اور موثرانہ فراست سے ان کی اصلاح کے لئے قدم اٹھایا ہے اور خاطر خواہ کامیابی بھی ہوئی ہے، ہندوستان میں محرمات و منکرات کے سلسلے میں جہاں گیر بادشاہ کا یہ مشاہدہ عبرت ناک ہے، تزک جہاں گیری میں اس کے ایک جگہ لکھا ہے کہ جب ہندوستان کے ایک علاقے کی طرف جانا ہوا تو وہاں کیا دیکھا ہوں کہ مسلمان عورتیں ہندو دیویوں اور دیوتاؤں پر چڑھاوے چڑھا رہی ہیں، ان کے آگے منتیں مان رہی ہیں۔ اسی دور کی ایک اہم تصنیف مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے مطالعہ سے بھی بہت سی بدعات (عمر و ستیہ) کا علم ہوتا ہے، غرض ہر دور میں ان کا وجود رہا ہے، بات یہ ہے کہ نو مسلم کے تحت الشعور میں زمانہ کفر کی محبتیں اور عصبیتیں برقرار رہتی ہیں، اگر توفیق الہی شامل حال نہ رہے تو پھر انفرادی اور اجتماعی زندگی کی مختلف منزلوں میں اس تعصب و محبت کی جھلک نظر آتی ہے، ہندوستان اور بیرون ہند کے نو مسلموں میں جو بدعات اچھ ہو گئیں وہ تحت الشعور کل نظر ہیں، اس کے علاوہ ایک اور حقیقت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے، کوئی بھی جماعت، مذہبی یا غیر مذہبی، جب کسی دوسرے ملک یا جماعت میں اثر و نفوذ کرتی ہے تو اس کے رسم و رواج اور اصول و عقائد سے متاثر ہونے بغیر نہیں رہ سکتی، بسا اوقات یہ تاثر دہرایا جاتا ہے اور اگر مصلحین و مجددین اصلاح و تجدید کا کام نہ کریں تو قلب مابیت کا اندیشہ ہو جاتا ہے، بہر کیف محرمات و منکرات کی نشر و اشاعت کے کچھ بھی اسباب ہوں یہاں بحث طریقہ اصلاح سے ہے جہاں چہ ہندوستان میں اس قسم کی غیر شرعی باتوں کی سرکوبی کے لئے شیخ عبدالحق محدث دہلوی، شیخ احمد نوری مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے وہ راستہ اختیار کیا جس سے ملت اسلامیہ میں انتشار و افتراق پیدا نہ ہو بلکہ اصلاح حال کی راہ ہموار ہو گئی اور اسی مقام پر مجدد یا مصلح کی مجددانہ اور مصلحانہ فراست کا اندازہ ہوتا ہے

جہاں پہ اہل نظر کے سامنے ان حضرات کی مساعیٰ جمیدہ کے نتائج موجود ہیں۔ تشدد اور سختی کا رد عمل ہمیشہ ہلاکت خیز ہوتا ہے، اسی لئے قرآن حکیم نے فرمایا :-

لا اکراہ فی الدین

جہاں چہ ہم نے دیکھا کہ اٹھارہویں اور انیسویں صدیوں میں اصلاح کے نام پر بعض مصلحین نے جو مستبدانہ طرز عمل اختیار کیا اس کا کتنا شدید رد عمل ہوا کہ ملت اسلامیہ کا اس تیزی سے انحطاط ہوا جس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اس تشنزل و انحطاط کا ان الفاظ میں ذکر کیا ہے :-

وہ تو جو کچھ ہو رہا تھا، دینی احساس کی شدت کا نتیجہ تھا اور اب جو کچھ دیکھا جا رہا ہے، دینی احساس سے بیگانگی کی یہ پیداوار ہے، جیسے مغربی تمدن کا اثر جاگزیں ہوتا جا رہا ہے دین کے فروعی مسائل تو خیر دور کی چیزیں ہیں خود اصل دین ہی سے لوگ بے تعلق ہوتے جا رہے ہیں خدہی جانتا ہے کہ اس کا آخری انجام کیا ہوگا، زوال حکومت کی چوٹ سے کچھ چونک پیدا بھی ہوئی تو اس چونک ورتنبیہ کا رخ کچھ مڑا بھی ہے تو خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ اصل دین ہی کا قصہ (العیاذ باللہ) ختم نہ ہو جائے

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے "دینی احساس کی شدت" اور "دینی احساس سے بیگانگی" میں کوئی ربط محسوس نہیں فرمایا حالانکہ "بیگانگی" نتیجہ ہے "شدت" کا۔ پھر اس بیگانگی کا صرف مغربی تمدن کو ذمہ اربنا تا حقیقت پسندانہ خیال نہیں، ہاں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مغربی تمدن نے اس بیگانگی میں شدت پیدا کر دی ہے۔ بہر کیف یہی شدت نے یہاں تک پہنچایا کہ پڑھے لکھے طبقے کو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ ہمیں خود دین پر ضرب کاری نہ لگ جائے، جس کا ذمہ از مغربی تمدن نہیں ہم ہیں، اس سلسلے میں سید جمال الدین افغانی کے وہ خیالات بڑے وقیع ہیں جو انہوں نے اقوام کے عروج و زوال پر بحث کرتے ہوئے ظاہر فرمائے، انہوں نے فرمایا :-

معدل افکار اور مقوم صفات وہی افکار اور وہی صفات ہیں جو توافق و تطابق

۱۹ مناظر احسن گیلانی: مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا فسانہ، مطبوعہ دہلی، ۱۹۶۶ء، ص ۱۱۹

کا باعث ہوں اور ان کی توجہ کل سعادت ہو، اس قسم کے صفات کو انسانوں نے اخلاقِ فاضلہ کا نام دیا ہے اور ایسے ہی افکار کو افکارِ عالیہ کہا ہے اسی بنا پر جب کبھی اس قوم کے اتحادِ افکار اور توافقِ صفات میں کمی پیدا ہوگی اس وقت اس کے ادارے کی وحدت اس کے طبقات کے باہمی تعاون اور ان کی روحِ حیات میں خلل پیدا ہو جائے گا۔ اسی طرح رفتہ رفتہ تدریجاً افکار کا اتحاد اختلاف میں مبتدل ہو جائیگا، اور لڑنے لڑانے کی یہ عادتیں جب عام ہو جاتی ہیں تو بے شبہ تعاونِ مفقود، روحِ حیات اور یک جہتی کی قوت معدوم، ہر فرد کی جد جہد کی سمت دوسرا فرد قوم کی سمت کے مخالف ہو جاتی ہے، کیوں کہ سب کے ضعیف ہو جانے سے نتیجہ بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور ارادوں میں استحکام نہ ہونے، خصالتوں کے اچھے نہ ہونے، خواہشات کے بدل جانے، طبیعتوں میں اختلاف پیدا ہونے، رایوں میں تفاق نہ ہونے، خیالات میں اتحاد نہ ہونے، اور صفوں میں تضاد ہونے اور دلوں میں دشمنی کی وجہ سے قوم کے افراد اور طبقات میں اس وقت ایسے اخلاق پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے اس قوم میں ہم آہنگی اور اتحاد پیدا نہیں ہوتا جو انسانی معاشرے کے زندہ رہنے بلکہ نوعِ انسانی کی بقا کے لئے ضروری ہے۔

سید افغانی مرحوم نے بڑی دل لگتی بات فرمادی ہے کہ :-

معدل افکار اور مقوم صفات ہی افکار اور وہی صفات ہیں جو توافق اور تطابق کا باعث ہوں اور ان کی توجہ کل سعادت ہو۔

گویا حقیقی مصلح قوم ہی ہے جس کے افکار و خیالات ملت میں توافق و تطابق کی راہ پیدا کریں یہ کہ ان کو افتراق و انتشار میں مبتلا کر دیں، اور یہ اسی وقت ممکن تھا جب مصالحنِ مخلصانہ طور پر خدا اور رسول کے آگے جھکاتے اور اپنی ذات کو اتنی

اہمیت دیتے کہ خدا اور رسول کے ساتھ اس پر بھی ایمان لانا ضروری ہو جاتا، مگر ہوا ہی جن حضرات نے اصلاح و تجدید کا دعویٰ کیا (جن کا ذکر اوپر کیا گیا) انہوں نے نہ صرف یہ کہ خدا اور رسول کے آگے جھکایا بلکہ اپنے آگے بھی جھکایا اور جو نہ جھکا وہ مردود ٹھہرا۔ ان کے متبعین کا حال یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان حضرات کے دینی افکار و خیالات کی تائید کرتے ہیں بلکہ جو بات ان کے دماغ سے نکلتی ہے خواہ وہ کتنی ہی غیر معقول ہو اس کی بھی تائید کی جاتی ہے حالانکہ عقل سلیم اس کی مخالفت کرتی ہے اور حیرت اس بات پر ہوتی ہے کہ اگر اس قسم کی باتوں کی اصلاح کے لئے کچھ عرض کیا جائے تو اصلاح تو یہی ایک طرف، دوستی، دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ — نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں گستاخی کی وہ سزا نہیں جو ان حضرات کی جناب میں گستاخی کی سزا ہے، یہ ایک بڑا نفسیاتی روگ ہے جو آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ناتمام تعلق کی غمازی کر رہا ہے۔ مولانا مناظر حسن گیلانی مرحوم نے اسی کمزوری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے صحیح فرمایا ہے :-

مگر عمل کا جب وقت آیا تو جو ہونا چاہیے تھا وہی ہوا، یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ جمع کرنے والوں کا یہ طبقہ مسلمانوں کو اپنے اوپر ہی جمع کرنے لگا قرآن کے ساتھ ضروری قرار دیا گیا کہ قرآن سمجھانے والوں کے دماغوں اور بھجوں پر بھی ایمان لایا جائے۔

دماغوں اور بھجوں پر ایمان لانے سے مراد یہی ہے کہ ان حضرات کی قوت فکر و غلطیوں سے مہتر سمجھ لیا گیا، اور جو بات ان کی زبان سے نکلی متبعین کے لئے قول فیصل ٹہری اس غیر دانشمندانہ روش نے تحزب اور گروہ بندی کا آغاز کیا اور ملت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی، مولانا مسعود عالم ندوی نے ”تجدیدی وہابیت“ اور ”ہندوستانی وہابیت“ پر بحث کرتے ہوئے صحیح فرمایا ہے :-

ہمارے نزدیک حق صرف کتاب و سنت کی پیروی میں ہے، ہم رشددہا بیت کو کسی فقہی، مدرسہ (دیوبند، جامعہ ازہر، ندوہ وغیرہ) یا ملکی جماعت کا اجزا

نہیں سمجھتے، یہ نہ نجد کی ذر خرید ہے نہ ہندوستان کی، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واضح اور نمایاں ہیں، جو ان پر ٹھیک ٹھیک چلے گا وہ ہدایت و فلاح سے شاد کام ہوگا۔ ہم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ نجد اور ہندوستان کی یہ دونوں جماعتیں (وہابیت اور دیوبندیت) معصوم ہیں اور ان سے غلطیاں کوتاہیاں نہیں ہونیں، اہل نجد کے بارے میں غلو و شدت کا شکوہ دوستوں کو بھی ہے۔

(۲۵)

افتتاحیہ میں مواعظ منظری سے متعلق بعض مباحث کے علاوہ وہابیت اور دیوبندیت وغیرہ کے بارے میں جو تفصیلاً عرض کیا گیا اسکی مقصود صرف یہی ہے کہ اس تاریخی پس منظر میں مواعظ منظری کے بعض بیانات واضح ہو جائیں اور قارئین کرام کے ذہن میں کوئی الجھن نہ رہے کیوں کہ صاحب اعظ علیہ الرحمہ نے اکثر مقامات پر حضرات وہابیہ اور حضرات دیوبند یہ کے بعض اقوال و افکار کا اشارہ یا گستاخ ذکر فرمایا ہے، اس میں کسی شخص یا جماعت کے خلاف کوئی متعصبانہ جذبہ کار فرما نہیں غلو و شدت علی ذالک، اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین کی صحیح سمجھ عطا فرمائے، عقل و دل دونوں کی رہنمائی فرما کر محبت کی راہ پر چلائے اور افراد ملت کو مل بیٹھنے کی صلاحیت عطا فرمائے، آمین۔

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغ محبت دے جو چاند کو شرمسارے

محمد مسعود احمد

صدر شعبہ اردو گورنمنٹ ڈگری کالج
کوٹہ (مغربی پاکستان)

جمادی الاول ۱۳۸۹ھ
اگست ۱۹۶۹ء

۱۳۹۱۳

مواظظ منظہری

مرتبہ

پرفیسر محمد مستور احمد

①

شک و تحقیر

(۱)

الحمد لله الذي انزل القرآن وهدانا به الى صراط
 الايمان واظهر هذا الدين القيم على سائر الاديان والصلوة
 والسلاما قمان اكملان في كل حين وان على سيد الانس
 والجان وعلى له وحببه من تبعهم باحسان - اما بعد
 فاقول وبالله التوفيق لا اله الا الله محمد رسول الله
 میں نے اپنے بیان کا زیب عنوان کلمہ طیبہ لا اله الا الله محمد رسول الله اس
 لئے رکھا ہے کہ عوام سامعین کو کلمہ طیبہ تو صحت لفظی کے ساتھ یاد ہو گیا ہے لیکن اس کے
 باوجود بعض عوام کو یہ کہتے رہتا کہ اہل اللہ کے مزارات پر سفر کر کے جانا، قبر کو بوسہ دینا،
 اس پر چادر پڑھانا، اس کے غلاف کو پیکر کر دینا کر فی، اللہ کی جناب میں کسی کو سفارشی
 سمجھنا، رخصت ہوتے وقت لٹے پاؤں چلنا، یہ سب باتیں شرک ہیں، اس کے علاوہ
 اور بھی بکثرت ایسے اقوال ہیں جن کے بیان کے لئے زبان یاری نہیں دیتی مثلاً
 معاذ اللہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے، بلکہ جو افعالِ رفیلہ ایک نشان کر سکتا
 ہے وہ افعال اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق
 کہا جاتا ہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں اور ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا
 وہ اللہ کی شان کے آگے چہار سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ یہ اقوال فاسدہ کا سدہ وہ

۱۔ اس قسم کے کلمات صراطِ مستقیم (مولوی سید احمد بریلوی)، تقویۃ الایمان (مولوی اسماعیل
 دہلوی)، حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی)، برابین قاطعہ (مولوی خلیل احمد بہار پوری)
 وغیرہ کتب میں ملاحظہ کئے جاسکتے ہیں۔ (مرتب)

ہیں جن کا رد قطع نظر اس کے کہ نصوص قطعیہ کر رہی ہیں خود کلمہ طیبہ بھی اس کا رد کر رہا ہے مگر کلمہ طیبہ کے صحیح طور پر معنی معلوم ہوں تو ہرگز کسی مسلمان سے ایسے اقوال و اہتیم صادر نہیں ہوسکتے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلمہ طیبہ کے معنی عرض کروں، جب اس کے معنی ذہن نشین ہو جائیں گے تو پھر کسی قول یا فعل پر احکام شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ لگاسکیں گے۔

کلمہ طیبہ کے پہلے جزو لا الہ الا اللہ میں توحید کا کامل طور پر بیان فرمادیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے یعنی عبادت کا مستحق صرف وہی ایک ذات ہے جس کو اللہ کہا جاتا ہے اور اسم مبارک اللہ اس ذات اقدس کا نام ہے جس کی ذات قدیم ہے اور جو ازلی ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا، یونہی اس کی صفات کاملہ بھی قدیم ہیں اور غیر محدود لیکن ہر صفت ناقصہ سے پاک منزہ ہے، کسی صفت ناقصہ کی اس کی قدرت کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں، وہ اپنی ذات و صفات کاملہ میں کسی کا محتاج نہیں ہر شے کا خالق اور ہر شے اس کی محتاج، کلمہ طیبہ کے اس معنی کو دل سے یقین کے ساتھ جاننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام توحید ہے اور اس کے خلاف اعتقاد کرنے کا نام شرک۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دوسرے کی ذات یا اس کی کسی صفت کو قدیم جانے مشرک یا کسی دوسرے کو مستحق عبادت جانے مشرک یا کسی دوسرے کو کسی شے کا حقیقتہ خالق اور پیدا کرنے والا جانے مشرک اس ہی کو حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللغات میں تحریر فرماتے ہیں :-

”باجہد شرک سے قسم است در وجود، در خالقیت، و در عبادت“

ترجمہ :- یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک تین قسم کا ہے وجود میں (یعنی غیر

خدا کو واجب الوجود جاننا، دوسرے) خالقیت میں (یعنی غیر خدا کو کسی شے کا

حقیقتہ پیدا کرنے والا جاننا، تیسرے) عبادت میں (یعنی غیر خدا کی عبادت

کرنا جس کو ہندی میں پوجا کہتے ہیں یا اس کو مستحق عبادت جاننا)۔

اب جب آپ نے توحید اور شرک کے معنی سمجھ لئے تو جس پر یہ معنی صادق آئیں گے

اس کو تو بے شک مشرک کہیں گے اس کے سوا کسی بات کو حقیقتہ شرک نہیں کہہ سکتے

پس جو لوگ اللہ کے عطا کئے ہوئے کمالات اس کے بندوں کے لئے ثابت کرتے ہیں اور ان کمالات کو عطا نے الہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں ہاں جو کسی کے کمال کو بے عطا نے الہی اس کے ذاتی کمال کہے گا بیشک مشرک ہو جائیگا کہ ذاتی کمالات صرف اس ہی ذاتی الا صفات کے ساتھ مختص ہیں،

یہ ہے توحید اور شرک کا مختصر بیان۔ اس کو اگر آپ نے بن نشین کر لیں گے تو ہرگز مغالطہ میں نہ پڑیں گے، جب کسی بات پر شرک کا شبہ ہو تو اس پر غور فرمادیں کہ اس میں غیر خدا کو قدیم اور ذاتی صفات رکھنے والا جاننا یا اس کو محبوب جاننا یا اس کو خالق جاننا لازم آتا ہے یا نہیں، اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے اور ان میں سے ایک شے بھی لازم نہیں آتی تو اسے ہرگز شرک نہیں کہہ سکتے۔

مولیٰ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ سے اپنے بندوں کو بھی ہر ایک کی حیثیت کے موافق حصہ عطا فرمایا ہے۔ وہ وحی ہے، ہمیں بھی حیات عطا فرمائی ہے وہ قادر ہے ہمیں بھی قدرت عطا فرمائی ہے، وہ سمیع و بصیر ہے، ہمیں بھی سننے اور دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے، وہ علیم ہے، ہمیں بھی علم عطا فرمایا ہے وہ ارادہ فرماتا ہے، ہمیں بھی ارادے پر قوت عطا فرمائی ہے لیکن علیٰ حسب مراتب کسی کو کم کسی کو زائد، چنانچہ کسی کو حیات ہزار سال کی عطا فرمائی اور کسی کو دو چار سیکنڈ کی، کسی کو اتنی قدرت کہ پاؤں سیر کا بوجھ بھی دو قدم نہ پہنچا سکے اور آصف بن برخیا کو اتنی کہ سینکڑوں من کا تخت جو ساتویں محل کے اندر بلقیس نے محفوظ طور پر رکھا ہو اور اس پر جنات کا پرہ لگا دیا ہو اور جس کا عرض طول اتنی۔ اسی گز کا ہو، حضرت آصف بن برخیا، حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کا حکم پاتے ہی پک جھکنے میں ان کے حضور حاضر کر دیتے ہیں، اور بڑے بڑے قومی جنات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، یہ قصہ تو بڑا طویل ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں خود مولیٰ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے، مجھے صرف اتنا بتلانا تھا کہ مخلوق میں سے ایک کی قوت کا کیا حال ہے اور دوسرے کی قوت کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جو تخیل میں ڈالتی ہے چنانچہ ارشاد ہے :-

قال الذی عنده علم من الكتاب انا اتیک به قبل ان
یرتد الیک طرفک. فلما راه مستقرا عنده قال هذا
من فضل ربی. (النمل: ۴۰)

یعنی اس شخص نے عرض کیا جس کو کتاب لہی کا علم حاصل تھا کہ میں آپ کے
حضور اس تخت کو پاک جھکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا، پس جب حضرت
نے تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل
سے ہے۔

اسی طرح دیکھنے اور سننے کا حال ہے کہ ایک شخص پاس کے بیٹھنے والے کو نہ بخوبی دیکھ
سکتا نہ اس کی سن سکتا ہے اور دوسرا اپنے مقام پر بیٹھا یا کھڑا مشرق سے مغرب تک
بسنے والوں کی سنتا اور ان کو دیکھتا ہے چنانچہ حدیث میں آیا کہ حضور کے استفسار
پر حضرت جبریل نے عرض کیا کہ :-

حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت کے لئے
متعین فرمایا ہے جس کا کام یہ ہے کہ جو امتی آپ پر رو د پڑھے تو
وہ فرشتہ کہتا ہے وَاَنْتَ صَلٰی لَہٗ عَلٰیكَ رَیْعٰنِیْ تَجھد بِرَبِّیْ خَدَّیْ
کریے)

روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے، حدیث بڑی ہے، میں نے صرف انہی جملوں کے ترجمے
پر اکتفا کیا جو موضع استدلال تھے، یونہی حضرت عزرائیل علی نبینا وعلیہ السلام کا حال ہے
کہ وہ نہ مشرقی کو چھوڑیں نہ مغربی کو سب کی خبر آئے واحد میں برابر لیتے ہیں۔ غرض
ثابت ہوا کہ مخلوق کے دو افراد میں دیکھنے اور سننے میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے
اسی طرح علم کے اندر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک وہ شخص ہے جس کو اپنے گھر کی چند
چیزوں کا علم ہے اور ایک حضرت آدم علی نبینا وعلیہ السلام ہیں کہ عالم میں سے کوئی
شے ایسی نہ چھوڑی جس کا ان کو علم نہ دیا گیا ہو، نہ علویات میں سے کسی فرد کو چھوڑا
نہ سفلیات میں کسی فرد کو۔ تمام ہی کا تو علم عطا کر دیا گیا چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (البقرہ: ۳۱)

ترجمہ :- اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام۔

عرض اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات ذاتیہ کی چمکار سے بلاشبہ اپنی بعض مخلوق کو بھی عطا فرمائے اور یقیناً اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس میں کسی کو خواہ کتنی ہی اعلیٰ مرتبہ پر صنعت عطا کی ہو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں اس کی صفات اتنی بھی تو حیثیت نہیں رکھتیں جتنا لاکھوں سمندوں کے مقابلے میں ایک قطرہ حیثیت رکھتا ہے، اس لئے کہ اس کی صفت ذاتی، ازلی ابدی، اس کی صفت عطا، حادثہ - اس کی صفت غیر محدود، اس کی صفت خواہ کتنی بھی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی محدود - اس کی صفت پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا، اس کی صفت اس قادر مطلق کے دست قدرت میں مجبور - عرض کسی کی اس صفت کا جو اس کو حاصل ہے محض اس خیال فاسد کی بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، انکار کرنا خالص عناد ہے۔ جو صفت مخلوق کی ہے وہ ہرگز ہرگز خالق کی نہیں، مخلوق کی صفت تو مخلوق اور حادثہ ہے، محدود ہے، عطا ہے، مولیٰ تعالیٰ کے قابو میں ہے، وہ جب چاہے اسے چھین لے، کیا ایسی صفت سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کر دے گا؟ اگر ایسا کر دے گا تو کافر ہو جاؤ گے، ہرگز گلہ طیبہ پڑھنا فائدہ نہ دے گا کہ تم نے اس کو ایک صفت ناقصہ کے ساتھ متصف کر دیا جو کفر ہے حالانکہ وہ جس طرح اوصافِ رذیلہ سے منزہ ہے، اسی طرح اس کا کسی صفت ناقصہ کے ساتھ متصف ہونا بھی ناممکن اور محال ہے، یہ تو ہو سکتا ہے کہ اگر کسی میں ایسی صفت ناقصہ بھی نہ ہو اور کوئی اس کو اس صفت کے ساتھ متصف کر دے تو اس کو جھوٹا تو کہہ سکتے ہو لیکن اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی صفت کے ساتھ اس نے اس کو متصف نہیں کیا، مثلاً کوئی کسی پتھر کو کہدے کہ یہ بھٹائے الہی تمام جہان کے ذرے ذرے سے واقف ہے تو اس کے کہنے والے کو آپ جھوٹا کذاب ضرور کہیں گے، لیکن اسے مشرک نہیں کہہ سکتے، اس لئے کہ اس کے بھٹائے الہی کہنے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس صفت کو عطا، حادثہ، عالم کے اندر محدود، مولیٰ کے تحت قدرت میں کہہ رہا ہے جو اللہ کی صفت نہیں ہے اور مشرک جب ہی ہوتا ہے جب اللہ کی صفت کسی کو ثابت کرے۔

مجھے چاہیے تو یہ تھا کہ میں اپنے بیان میں حضور کے اوصافِ جلیلیہ کا ذکر

کرتا لیکن اس خیال سے میں نے اس لئے گریز کیا کہ بعض عوام کے خیال میں یہ جیم چکا ہے کہ حضور ہمارے مثل ایک انسان تھے اور ہمارے بھائی، پس جب حضور کو کسی صفت عظیمہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تو چونکہ پڑتے ہیں اور پھر اس پر دلائل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، فوراً شرک کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں، اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور حضور کے اوصاف جمیلہ کا ذکر کرتا اور بتلاتا کہ ان کے مولیٰ نے ان صفات میں دو مشرک سے ان کو کیسا ممتاز فرمایا ہے، لیکن یہاں تو مجھے صرف شرک کے معنی کی قدر سے وضاحت کرنی تھی امیچہ کہ یہ معنی ذہن نشین ہو گئے ہوں گے، اب آپ اس معنی کے پیش نظر جب ان باتوں کو ملاحظہ فرمائیں گے جن کو بعض لوگ شرک کہتے ہیں تو آپ ان کو ہرگز شرک نہ کہہ سکیں گے۔

اصل یہ ہے کہ ان جیسے اقوال و اہتہ مسلک کے بابتیہ کے میں جنہوں نے نہ صرف بعض گناہ صغیرہ پر بلکہ بعض جائز باتوں پر بھی شرک کا حکم لگا دیا ہے اور وہ بابتیہ وہ ہیں جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مسلک پر ہیں چنانچہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے فتاویٰ امدا دیدہ کی پانچویں جلد کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتے ہیں کہ :-
وہابی وہ شخص ہے جو مسلک میں ابن عبدالوہاب کا تابع ہو یا موافق ہو۔

ابن عبدالوہاب کا مسلک اگر معلوم کرنا ہو تو اس کی کتاب التوحید سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن وہ ہندوستان میں نایاب ہے، البتہ علماء و فرما تے ہیں کہ تقویۃ الایمان، کتاب التوحید ہی کا ترجمہ ہے، پس اگر کسی کو اس کے مسلک کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ تقویۃ الایمان

۱۔ کتاب التوحید ایک مختصر رسالہ ہے، تقویۃ الایمان نسبتاً ضخیم ہے اور اس کا ترجمہ نہیں، البتہ مولوی امین الدہلوی کی تالیف رد الاشرک (عربی)، کتاب التوحید کے تاثر کا نتیجہ معلوم ہوتی ہے، تقویۃ الایمان، رد الاشرک کے پہلے حصے کا تشریحی اردو ترجمہ ہے، اس کے ایڈیشن کا احاطہ متعذر ہے، اس کا انگریزی ترجمہ شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا۔
رد الاشرک کے دوسرے حصے کا اردو ترجمہ مولوی محمد سلطان نے کیا تھا، جو تذکیر الاخوان کے نام سے شائع ہوا تھا، یہ دونوں حصے (تقویۃ الایمان اور تذکیر الاخوان) کراچی سے یکجا شائع ہو گئے ہیں (بقیہ آگے)

کو دیکھے جو ہر جگہ میسر آتی ہے کہ وہاں بیٹے لاکھوں کی تعداد میں اس کو طبع کر کے ہندوستان میں شائع کیا ہوا ہے لیکن عوام کے لئے ضروری ہے کہ جب تک تقویۃ الایمان کو دیکھیں تو ان بیسیوں رسالوں میں سے کسی ایک کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو علمائے اہل سنت نے تقویۃ الایمان کے رد میں تحریر فرمائے ہیں مثلاً اطمینان فی مہد تقویۃ الایمان، ورنہ گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔

(ب)

یہ بیان تو کلمہ طیبہ کے پہلے جزو لا الہ الا اللہ کے متعلق تھا اب میں اس کے دوسرے جزو محمد رسول اللہ کے متعلق کچھ عرض کروں۔ کلمہ طیبہ میں لا الہ الا اللہ کے بعد حضور کا اسم شریف لایا گیا ہے محمد جس کے معنی ہیں کہ تمام عالم اس ذات اقدس کی صفت و ثناء کرنے والا ہے بلکہ خود ان کا خالق بھی، جس سے اس جانب گویا اشارہ ہے کہ ہماری یکتائی کا اقرار کرنے کے بعد بھی ابھی تمہارا ایمان اٹھوا ہے، جب تک کہ مخلوق کے اندر اس ذات کی یکتائی کا اقرار اور اس کی تعظیم و توقیر نہ کرو گے، تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جس کو کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا :-

وَتَحْزُرُونَ وَتَوَقَّرُونَ

گویا ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ ہمارا انکار کرو یا اس کا، دونوں صورتوں میں تم کافر قرار پاؤ گے بلکہ انکار تو انکار میری یا اس کی جناب میں اگر ادنیٰ توہین بھی کی تو پھر بھی کافر کے کافر ہی رہو گے کہ توہین کے باوجود ہماری عظمت کا اقرار بھی کیا ہوا؟ - اس کے بعد حضور کا خطاب اعظم کاہرہ رسول لا کر اور اپنی طرف سے کی اضافت سے کہ اس کو واضح فرمایا کہ یہ ہمارے رسول ہمارے نائب ہیں، ان کا جو فرمان ہے، وہ ہمارا فرمان ہے، خواہ ہمارے کلام کی تکذیب کرو یا ان کے کلام کی، دونوں

(بقیہ حواشی ص ۱۰۵) یہ کتاب اتم نے مطالعہ کی ہے اس کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جاسکتا ہے کہ اگر ایمان عبارت ہے صرف کلمہ مبارکہ کہ جزو اول لا الہ الا اللہ سے تو یقیناً یہ کتاب تقویۃ الایمان کا باعث ہے اور اگر تکمیل ایمان کے لئے دوسرا جزو محمد رسول اللہ بھی لازمی ہے تو پھر تقویۃ کے بجائے ضعف پیدا ہوتا ہے، غالباً اسی وجہ سے مولانا مملوک العلی اس کو تقویۃ الایمان فرمایا کرتے تھے۔ (مرتب)

کو توں میں کافر ہی رہو گے۔ اب یہاں یہ سمجھ لینا لازمی ہے کہ کیسے کلام کی تکذیب کفر ہے؟ تو یاد رکھئے کہ جب کسی کی طرف سے کسی کے پاس نقل ہوتا ہوا آتا ہے تو اگر بیچ کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر لوگ ہوں جن کا اتفاق جھوٹ پر عقل میں آتا ہو اور وہ بات بھی ایسی ہو جس کے مطلب میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو، ایک ہی مطلب نکلتا ہو، ایسی بات کو دلیل قطعی کہتے اور دلیل قطعی سے جو شے اللہ و رسول کی طرف سے ثابت ہو اس کی تکذیب کفر ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان - اور جو بات اس طور سے ثابت نہ ہو، اسے دلیل ظنی کہتے ہیں، اس کا انکار کفر نہیں ہوتا۔ اب اللہ و رسول کے احکام کی پیروی کی حیثیات کی طرف غور فرمادیں کہ کس قسم کے حکم کی پیروی کی کیا حیثیت ہے؟ - تو اس کو یوں سمجھئے کہ آقا جب غلام کو حکم کرتا ہے تو کبھی تو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا ایسا حکم کرتا ہے کہ اس پر عمل کے سوا غلام کے لئے چارہ ہی نہیں ورنہ غلام منرا کا مستحق ہوتا ہے تو اگر ایسا حکم اللہ و رسول کی طرف سے بندوں کے لئے کسی کام کے کرنے کا دلیل قطعی سے ثابت ہو تو وہ کام فرض ہے اور نہ کرنے کا ثابت ہو تو وہ حرام ہے، اور ایسا حکم کسی کام کے کرنے کا دلیل ظنی سے ثابت ہو تو وہ واجب ہوتا ہے اور نہ کرنے کا دلیل ظنی سے ثابت ہو تو اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو نہایت پسند لیکن اگر غلام کبھی اس حکم کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے تو آقا اس کی چنداں پروا نہیں کرتا، ہاں اگر غلام ایسے حکم کی خلاف ورزی کی عادت ہی کر لے تو پھر اس پر آقا خفا ہوتا ہے اور تھوڑی بہت سزا دیتا ہے پس اگر ایسا حکم شارع سے کرنے کا ثابت ہو تو اسے سنت موکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کی عادت کو آسائت۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا اس پر عمل ہے تو پسند لیکن اس کی خلاف ورزی اگرچہ ناپسند ہے لیکن اس کی وجہ سے غلام کو قابل سزا نہیں جانتا، اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے سنت غیر موکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو مکروہ تنزیہی۔

اور کبھی آقا کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو پسند لیکن اس کی خلاف ورزی بھی کچھ زیادہ ناپسند نہیں پس اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے

مستحب کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو خلاف اولیٰ -
 اور جن باتوں کی آقا، غلام کو نہ ممانعت کرتا ہے نہ ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے
 ان میں غلام مختار ہوتا ہے، کرے یا نہ کرے کسی صورت میں اسکی پوچھ گچھ بھی نہیں کرتا،
 ایسی باتوں کو شریعت میں مباح کہتے ہیں۔
 (ج)

اب میں اپنے اس بیان کا خلاصہ عرض کروں اور احکام شرعیہ سے ہر ایک
 کو علیہ علیہ بتلاؤں تاکہ آپ کے بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔
 (۱) شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دوسرے کی ذات
 و صفات کو قدیم سمجھا جائے یا اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے، یا اس کو کسی شے کا
 پیدا کرنے والا، یا اس کی کسی صفت کو ذاتی سمجھا جائے، اس کے علاوہ کوئی بات
 شرک نہیں۔

(۲) کفر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کا انکار کیا جائے یا اس
 کے کسی ایسے کلام کا انکار کیا جائے جو ہمیں دلیل قطعی سے مانتے ہیں، شرک اور
 کفر کا حکم یہ ہے کہ وہ بلا توبہ ہرگز نہ بخشا جائیگا اور اس جتنے نیک عمل ہوتے ہیں
 سب نیست فنا ہو جاتے ہیں۔ شرک کا مقابل توحید ہے اور کفر کا مقابل ایمان۔

(۳) فرض یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہو گیا
 ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، جیسے نماز، روزہ، اس کا کرنا تو اپنے ایک
 مرتبہ بھی بلا عذر شرعی ترک کر دینا گناہ کبیرہ ہے، پس اس کا ترک کرنے والا ناقص اور
 عذاب ناکار کا مستحق ہوتا ہے اور انکار کرنے والا یا اس کا مذاق اڑانے والا کافر۔
 (۴) واجب شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہو اور
 جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا ہو، اس کا کرنا تو اپنے ایک مرتبہ بھی
 بھی گناہ صغیرہ ہے اور بار بار ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب مستحق عذاب
 لیکن اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں۔

(۵) سنت ہو کہ وہ فعل جس کو حضور نے ہمیشہ کیا ہو لیکن بیان جو انہ کے
 لئے کبھی ترک بھی فرمایا ہو، اور وہ فعل جس کی نہایت تاکید فرمائی ہو لیکن نہ فرض

و واجب جیسی، اس کا کرنا ثواب و اتفاقاً بلا عذر ترک کرنے والا مستحق عتاب ہے، اور ترک کی عادت کرنے والا مستحق سزا۔

(۶) سنت غیر موکدہ وہ فعل جس کو حضور نے کیا ہو یا اس کی طرف رغبت لائی ہو، اور اس کا ترک اگرچہ ناپسند کیا ہو مگر نہ ایسا جیسا سنت موکدہ کا ترک ناپسند ہے، پس اس کا کرنا ثواب لیکن اس کا تارک مستحق عتاب بھی نہیں۔

(۷) مستحب وہ فعل جس کو خود حضور نے، یا صحابہ نے، یا علمائے امت نے پسند کیا ہو، اس کے ترک پر کچھ نہیں اور کرنا ثواب۔

(۸) حرام وہ فعل جس کا نہ کرنا لزوماً ہمیں دلیل قطعی سے ثابت ہو، اس کو قصداً ایک بار بھی کرنا گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے اور نہ کرنا ثواب و انکار کفر، یہ فرض کا مقابل ہے۔

(۹) مکروہ تحریمی وہ فعل جس کا نہ کرنا ہمیں دلیل ظنی سے ثابت ہو، اس کا نہ کرنا ثواب اور کرنا گناہ صغیرہ، اور بار بار کرنا گناہ کبیرہ، لیکن انکار کفر نہیں، یہ ایک مقابل ہے۔

(۱۰) اسماوت وہ فعل جس کا نہ کرنا ثواب و اتفاقاً باعث عتاب اور بار بار کرنا موجب سزا ہے۔ یہ سنت موکدہ کا مقابل ہے۔

(۱۱) مکروہ تنزیہی وہ فعل جس سے بچنا بہتر ہے اور باعث ثواب اور اس کا کرنا اگرچہ شارع کو ناپسند ہے لیکن اس کے کرنے پر عتاب نہیں، یہ سنت غیر موکدہ کا مقابل ہے۔

(۱۲) خلاف اولیٰ وہ فعل جس میں بند مختار ہے، نیچے گا تو ثواب کا مستحق ہے اور کرے گا تو ثواب سے محروم رہے گا اور بس یہ مستحب کے مقابل ہے۔

(۱۳) مباح جو افعال اوپر ذکر کئے گئے یہ تو وہ تھے جو شریعت کو مطلوب ہیں اور جن کے ثابت کرنے کے لئے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے، ان کے علاوہ جس قدر افعال ہیں جن کے لئے شریعت مٹھ رہے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جو ان افعال عشرہ مذکورہ میں سے کسی فعل کو ثابت کرتی ہو، وہ تمام افعال مباح کہلاتے ہیں جس میں مسلمان مختار ہے چاہے اس کو کرے یا نہ کرے اس پر نہ اس کو کچھ ثواب ہے نہ عتاب،

(۱۴) بدعت مباح افعال میں بعض وہ طریقے بھی ہیں جن کا وجود حضور کے زمانے

میں نہ تھا، ایسے طریقے بدعت کہلاتے ہیں، لیکن ان میں جو طریقہ کسی فعل واجب کی تقویت کے لئے نکلا ہے اس کو بدعت اچبہ کہتے ہیں اور جو کسی سنت کی تقویت دینے والا ہے اسے بدعت مستحبہ کہتے ہیں اور جو حرام فعل کو تقویت دینے والا ہے اسے بدعت محرّمہ کہتے ہیں، اور جو کسی مکروہ فعل کی تقویت دینے والی ہو اسے بدعت مکروہہ کہتے ہیں اور جو ایسی ہو جس پر ان چاروں میں سے کسی کی تعریف بھی نہ صادق آتی ہو اسے بدعت مباحہ کہتے ہیں۔ پھر بدعت اچبہ اور مستحبہ کو بدعت حسنہ اور بدعت محرّمہ اور بدعت مکروہہ کو بدعت ضلالتہ۔ پس ان پانچ قسموں میں سے صرف دو قسمیں بدعت ضلالتہ ہیں اور دو بدعت حسنہ، اور ایک بدعت مباحہ۔ لہذا ہر بدعت کو بدعت ضلالتہ نہیں کہہ سکتے ہیں۔

یہ ہے احکام شرعیہ کا بیان جن کو میں نے مختصر طور پر بیان کیا اگر آپ ان کو ذہن نشین کر لیں گے تو پھر کسی فعل پر ان احکام کے خلاف کوئی حکم صادر نہ کر سکیں گے۔

وَاللّٰهُ الْوَلِيُّ وَهُوَ عَلٰی مَا نَقُولُ وَكِيْلٌ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی
خَيْرِ خَلْقِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ

نقطہ ادوار عالم لا الہ	انتہائے کار عالم لا الہ
چرخ از زور او گردندگی	مہر اپا بندگی رخشندگی
بھر گوہر آفرید از تاب او	موج در دریا نپید از تاب او
خاک از موج نسبش گل شود	مشت پر از سوز او بلبل شود
شعلہ درر گہائے تاک از سوا او	خاک مینا تابناک از سوز او
نغمہ بانس خفتہ در ساز وجود	جویدیت اسے زخوہر ساز وجود
صد نواداری چونوں در تن ال	خیزد مضرابے بتار اور ساں

زماں کہ در تکیہ راز بود تست

حفظ و نشر لا الہ مقصود تست

(اقبال: اسرار بخودی، ص-۱۹۱)

(۲) نشار تخلق

(۱)

كُنْتُ كَنْزًا مَخْفِيًّا فَاحْبَبْتُ أَنْ اعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ لِاعْرِفَ
میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا تو میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں (اور کوئی مجھے پہچانے)
تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔

حدیث حسن و مشاقی درون پردہ پہاں بود

برآمد شوق از خلوت نہاد این راز بر صحرا

اس حدیث قدسی سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی پیدائش کی مصلحت ”عرفان الہی“ ہے۔
یوں ہی قرآن کریم میں فرمایا :-

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذّٰر: ۵۶)

میں نے انسان اور جنات کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔
اور ظاہر ہے کہ مجبور جب تک پہچانا نہ جائے اس کی عبادت اور بندگی کیسے ہو سکتی ہے؟
اسی لئے بعض مفسرین نے لَعِبْدُونِ کی تفسیر لِيُؤْتُوا نَفْسًا مِّنْ حَيْثُ يَخْرُجُونَ سے کی ہے
یعنی مجھے پکارتا پہچانیں۔ اس کے دلائل اور بھی بکثرت ہیں مگر مجھے اختصار
مطلوب ہے،

مخلوق میں صرف انسان اور جنات کو اس کے لئے خاص کیا کہ ان کو آرزو شناخت
یعنی روح سے نوازنا تھا، اور دوسری مخلوق صرف ان کے لئے بنائی تھی کہ وہ اس
سے نفع اٹھا کر اور اس میں فکر سے معرفت الہی حاصل کریں، تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس
سے مادی نفع تو بچھلوں سے بھی بہت زیادہ اٹھایا جا رہا ہے لیکن اصل نفع یعنی معرفت
الہی بچھلوں کے مقابل بہت زیادہ صفر کے ہے، اس اصل نفع کو نظر انداز کر دیا ہے
اور اس کی تبعیت میں جو نفع دئے گئے تمام تر کوشش اس کے حاصل کرنے

ہیں لگی ہوئی ہے، اور معرفت کی راہ کو بہر قوفوں کی راہ سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ عقل کی راہ اور اپنے موٹی سے مواصلت کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ جس کے لئے ہماری پیدائش ہے، اس کی طرف توجہ کریں اور اس کا جاننا موقوف ہے علم باطن پر، حدیث شریف میں آیا :-

العلم علان فعلم فی القلب فذاک العلم النافع وعلّم اللسان فذاک حجت اللہ علی ابن آدم۔

علم دو قسم کا ہے، ایک علم دل میں ہے جو نفع دینے والا ہے اور دوسرا زبان کا علم جو آدمیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت ہے (یعنی اس کے خلاف گرفت ہوگی)۔

اس زبان کے علم کو علم دماغی کہتے ہیں جو قلب میں تاثیر کرتا ہے اور قلب کے علم کو علم وراثت کہتے ہیں جس کی طرف حدیث میں اشارہ ہے کہ :-

العلماء ورثة الانبیاء

اور یہ علم وراثت، انبیاء کا ترکہ ہے جو بے تعب و طلب حاصل ہوتا ہے اور بقدر استحقاق ہر وارث کو ملتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ثُمَّ وَرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ
بِإِذْنِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِيرُ (الفاطر: ۳۲)

(ترجمہ) پھر میں نے کتاب کو میراث کیا ان بندوں کے لئے جن کو ہم نے رحمت اسلام سے، برگزیدہ کیا، لیکن ان میں بعض تو وہ ہیں جنہوں نے (اس میراث کو حاصل کرنے میں غفلت کر کے اور شریعت کی نافرمانی کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا اور بعض میانہ رو ہیں (اگر لغزش ہوتی ہے تو فوراً توبہ کر کے وراثت حاصل کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں) اور بعض اللہ کے حکم و توفیق سے وراثت کی تحصیل میں لگے ہوئے ہیں اور نیکیوں میں دوڑنے والے ہیں۔ یہی وراثت بڑا فضل ہے (اللہ تعالیٰ کا)۔

اس کے آخر میں ان پر جو آخرت میں نعمتیں ہوں گی، ان کا ذکر ہے۔

مجھے اس مقام پر صرف تابتلانا ہے کہ علم لسان یعنی علم ظاہر کے علاوہ، علم قلبی یعنی علم باطن بھی ہے جس سے حقیقت کلام ظاہر ہوتا ہے اور جو عوام پر ظاہر نہیں ہوتا، اس کے حال صرف اولیاء اللہ ہوتے ہیں جو سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے واسطے سے اولیاء اللہ کو پہنچا ہے جن کی شان میں حضور کا ارشاد ہے :-

تم پر ابو بکر نے روزہ نماز کی کثرت سے فضیلت نہیں پائی اس سبب کہ وہ سے پائی ہے جو ان کے سینے میں مستقر ہے۔ اوکما قال — کہ آپ بسبب خلوص اور عرفان کے تمام صحابہ سے سبقت لے گئے ہیں۔

یاسید حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے واسطے سے اولیاء کو پہنچا ہے جن کی شان میں سرکار دو عالم کا ارشاد ہے :-

میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کے دروازے ہیں۔

اور اولیاء کرام کی شان میں ارشاد ہے :-

بیشک اللہ کے کچھ بندے ایسے ہیں جو باوجودیکہ انبیاء و شہداء نہیں ہیں لیکن ان کے تقرب پر انبیاء و شہداء غیبتہ کریں گے۔

اس کا اشارہ اولیاء اللہ کی جانب ہے، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ اولیاء اللہ کی تلاش میں یہیں

چاہیے خانہ دل کی کوئی منزل خالی

شاید آجائے کہیں کوئی بہانہ عزیز

اولیاء اللہ کی شناخت یہ ہے کہ اس کی ظاہری حالت سنت سے آراستہ ہو اور اعتقاد صحیح کے ساتھ اس کی صحبت سے اللہ تعالیٰ کی طرف غیبت ہو، جب ایسا شخص میرے آجائے تو اسکی بیعت ہو کر اسکی فرمان پر عمل کرے تاکہ اس درشت سے کامل حصہ حاصل کرنے والا ہو۔

(ب)

اسی علم باطن سے اہل اللہ نے مخلوق کی پیدائش کی اور علی الخصوص انسان کی ترقی کی صوت اس طرح بیان فرمائی ہے کہ ابتداء میں صرف ہولی تعالیٰ جل مجدہ تھا اور اس کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس عالم کو عالم احدیت یا عالم لاهوت کہتے ہیں — جب اس تعالیٰ کو منظور ہوا کہ میں پہچانا جاؤں تو اس نے مخلوق کو پیدا فرمایا چنانچہ

حدیث قدسی میں ہے (جس کی طرف ابتداء میں اشارہ کیا جا چکا ہے) :-
 کنت کنترا مخفياً فاحببت ان اعرف فخلقت المخلوق الاعرف
 پس عدم پر اپنا ایک پر تو ڈالا اور عالم امر کو پیدا فرمایا اور ————— سرور کائنات
 خضر موجودات، احمد بختیہ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت کو ظاہر فرمایا، اس
 عالم کو عالم وحدات کہتے ہیں۔ اور پھر اس کے جملہ انبیاء کے خلائق کا ظہور کیا جو
 عالم واحدیت ہے، جس میں اسماء و صفات کی آپس میں ————— اس عالم
 کو عالم جبروت کہتے ہیں۔

نعرۂ بے باکانہ زرد، افشا شدیم	مگر مکنون دل او ما بدیم
می تپد صد نغمہ در آغوش من	شور عشقش در نے خاموش من
خشک چوبے در فراق او گریست	سج گویم از قولش کہ بیت
طوراً بالند زگر در او	ہستی مسلم تجلی گاہ او

(اقبال، اسرار خودی ص ۲۲)

(۳)

میثاق النبیین

(۱)

الحمد لله الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق
ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون وادخل في امته
جميع المرسلين فصل الله تعالى عليه وعلى اله واصحابه
اجمعين برحمته وهو امر حمداً راحمين -

اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن
الرحيم واذا اخذ الله مني ميثاق النبيين لما اتيكم من كتاب
وحكمة ثم جاءكم رسول مصدق لمام بكم لئلا تؤمنوا به
ولتنصروا قالوا اقرروا قالوا نعم واخذتم على ذلك صري
قالوا اقرروا قالوا فاشهدوا وانا معكم من الشاهدين
فمن تولي بعد ذلك فاولئك هم الفاسقون

(آل عمران - ۸۱، ۸۲)

یعنی اسے محبوب ہے وقت بھی یاد کیجئے کہ جب اللہ نے انبیاء کرام سے اس کا
عہد لیا تھا کہ جب تمہارے پاس کتاب اور حکمت آئے، پھر تمہارا پس ایک رسول
آئے جو اس کی تصدیق کرتا ہو تو تم ضرور ضرور ان پر ایمان لانا اور تاکیداً
کہا جاتا ہے کہ تم اس کی مدد کرنا (پھر دریافت فرمایا کہ تم نے اس کا
اقرار کر لیا، اور اس پر بھاری نوبہ لے لیا؛ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اس کا اقرار کر لیا،
پھر فرمایا کہ اچھا اب تم ایک دوسرے کے گواہ ہو جاؤ اور میں بھی اس اقرار پر گواہ ہوں،
اب جو اس اقرار سے پھرے گا تو وہی فاسق ٹھہرے گا۔

میں نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے روایت کرتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جس قدر انبیاء بھیجے سب سے
سزا کا راقص صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ عہد لیا کہ تمہاری زندگی میں اگر محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو جائیں تو ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا، یونہی حضرت
ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی روایت آئی ہے۔ وَاللّٰہُ اعْلَمُ

اس آیت کریمہ میں اس عہد کو کس قدر مہتمم بالشان ٹھہرایا ہے کہ اس سے زائد اہتمام
متصوہی نہیں ہو سکتا۔ انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں، ان سے حکم الہی میں خلاف محتمل
ہی نہیں ہو سکتا، لیکن صرف اس پر اکتفاء کیا گیا کہ وہ تمہارے پاس آئے تو اس پر
ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا، بلکہ اس عہد کو "لام قسم" سے موکد کیا جاتا ہے کہ
لَتَوْمَنَنَّ بِہِ وَلَتَنْصُرَنَّہُ، پھر اس پر "خوف تاکید" لائے اور وہ بھی "ثقیلہ" کہ تاکید
میں بھی زیادتی پیدا کرے، پھر کمال اہتمام ملاحظہ کیجئے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام
ابھی جواب دینے پائے کہ خود ہی تقدیم فرما کر پوچھتے ہیں کہ "واقدرتم" — کہ تم نے
اقرار بھی کیا؟ — پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ "انخذتم علی ذالک
اصری" — کہ میرا بھاری ذمہ لو — پھر علیٰ ہذا "کافی تھا لیکن علیٰ ذالک
فرمایا کہ بعد اشارت دلیل عظمت ہے — عرض کیا تم نے اقرار کیا؟ — پھر اس
اقرار کو بھی قوت دی جاتی ہے کہ "فامشہدا" یعنی آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ
— اور اس پر بھی بس نہیں فرمایا جاتا ہے "وانا معکم من الشاہدین" یعنی
یہ بھی یاد رکھنا کہ میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں میں سے ہوں۔ ٹھکانا ہے تاکید
کا؟ — پھر اس قدر عظیم جلیں تاکیدوں کے بعد بھی ان معصومین حضرات کو سخت
تہدید اور فریادی گئی کہ "فمن تولی بعد ذالک فاولئک ہم الفاسقون"،
اب جو اقرار سے پھرے گا فاسق ٹھہرے گا۔

اس عہد ربانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی پاک و مبارک
مجالس میں حضور کے مناقب کا ذکر کرتے اور امت سے حضور پر ایمان لانے اور
ان کی مدد کرنے کا عہد لیتے رہے یہاں تک کہ پچھلے رسول رسید حضرت عیسیٰ علیہ
السلام مبشر ابن رسول یاقی من بعدی اسمہ احمد فرماتے تشریف
لائے جس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا، چنانچہ قدیم سے سب امتیں حضور کی تشریف

آوردی کی خوشیاں منانے اور حضور کے توسل سے اپنے اعداء پر فتح کی دعائیں کرتے رہے جس کی تصدیق قرآن کریم فرماتا ہے وکانوا من قبل لیستفتخون الایہ یعنی پہلے تو اہل کتاب فروں پر اس کے وسیلے سے فتح مانگتے رہے پھر جب جاننا پہچانا

ان کے پاس تشریف لے آیا تو منکر ہو گئے تو خدا کی پھٹکار منکروں پر اسی بیان الہی کا سبب

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ آج اگر دنیا میں موسیٰ (علیہ السلام) ہوتے تو میری پیڑھی کے سوا ان کو کچھ گنجائش نہ ہوتی

اور یہی وجہ ہے کہ آخر زمانے میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نزول فرمائیں گے تو باوجود

اسکی کہ بدستور منصبِ رسالت پر ہوں گے لیکن حضور کے امتی بن کر رہیں گے اور حضور

ہی کی شریعت پر عمل فرمائیں گے اور حضور کے نائب حضرت امام مہدی علیہ السلام

کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

امام علام ابن عبد الکافی سبکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جس آیت کی میں تفسیر

کر رہا ہوں اس کی تفسیر میں ایک نفس سالہ التعظیم والمنۃ فی لتؤمنن بہ و

لتنصرنہ لکھا، اس میں یہ ثابت کیا ہے کہ ہمارے آقا سب انبیاء کے نبی ہیں اور ان

کی امتیں سب حضور کی امتی ہیں، حضور کی نبوت رسالت زمانہ آدم علیہ السلام سے

روز قیامت تک جمیع خلق اللہ کو شامل ہے، حضور کے نبی الانبیاء ہونے کا ہی باعث

ہے کہ شب اسراہ تمام انبیاء مرسلین نے حضور کی اقتدا کی، اور اس کا پورا اظہار قیامت

کے روز ہوگا جب آپ کے جھنڈے کے نیچے یہ تمام انبیاء و رسل ہوں گے۔ اس

رسالے کو بہت اللہ نے پسند فرما کر اپنی تصانیف میں نقل کیا۔

الحاصل مسلمان بنگاہ ایمان اس آیت کریمہ کے مفادات عظیمہ پر غور کرے، صاف

و صریح اشارہ فرما رہی ہے کہ یہ ذات گرامی صفات، اصل الاصول اور رسولوں کے

رسول ہیں، جو نسبت امتیوں کو انبیاء علیہم السلام سے ہے نہ نسبت رسولوں کو اس

ذات عالی صفات سے ہے، اور اس آیت کریمہ کی تاکیدات پر نظر کیجئے تو اس

ادنیٰ درجہ کی تاکیدیں ہیں کہ اسکی اونچی تاکید متصور ہی نہیں ہو سکتی، جس طرح

توحید کے بارے میں تاکید کی گئی ہے کہ بلائکہ مقربین کو تہدید کی گئی کہ۔

ومن یقل من قلمانی الہ من ذونہ فذالک من جنیہ جہنم

كذالك تجزي الظالمين (الانبیاء: ۲۹)

یعنی جو ان میں سے کہے گا کہ اللہ کے سوا میں معبود ہوں اسے ہم جہنم کی سزا دیں گے، ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

وہی تہدید یہاں رسولوں کو ہے گویا ارشاد ہے کہ جس طرح ہمیں ایمان کے جزو اولیٰ لا الہ الا اللہ کا اہتمام ہے یونہی جزو دوم محمد رسول اللہ سے اعتنائے تام ہے۔ تمام جہاں کا خدا ہوں کہ ملائکہ مقربین بھی میری بندگی سے سر نہیں پھیر سکتے، میرا رسول بھی سارے عالم کا رسول ہے کہ انبیاء و مرسلین بھی اس کی بیعت و خدمت کے دائرہ محیط میں داخل ہیں والحمد للہ رب العالمین اور یہی شان آپ کی بعثت میں نظر آتی ہے کہ ارشاد ہوتا ہے :-

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷)

(اے محبوب!) ہم نے تمہیں نہیں بھیجا مگر سارے جہاں کے لئے رحمت۔

عالم ما سوا اللہ کو کہتے ہیں، جس میں انبیاء ملائکہ جنات و انسان، شجر و حجر، صحر اور دریا بیسیوں قسم کے عوالم ہیں۔ اور اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آپ سب پر رحمت ہیں، چنانچہ اولیاء کاملین فرماتے ہیں کہ جو کسی کو نعمت ملتی ہے وہ حضور کے توسط سے ملتی ہے، چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی اس بیت میں اشارہ فرمایا ہے، فرماتے ہیں :-

فاشهد ان اللہ را حم خلقه

وانک مفتاح الکثر المواہب

یعنی کہ میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر رحم فرمانے والا ہے اور اس کی (شہادت دیتا ہوں) کہ حضور نعمتوں اور بخششوں کے خزانے ہیں۔

تو گویا کہ حضور کی تشریف آوری کا ذکر شریف تمام ہی انعام الہیہ کا ذکر ہے، بر خلاف اس کے کہ اگر آپ نعمتوں کے افراد پر نظر کریں تو کہاں تک اس کی نعمتوں کا ذکر کر سکتے ہیں؟ جن کا شمار، شمار کرنے والے کی طاقت سے باہر ہے، جس کہ جناب باری خود ارشاد فرما رہا ہے :-

وَأَنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تَحْصُوهَا (النحل: ۱۸)

یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔

تو جن کا شمار میں آنا ہی ممکن نہیں ان کا ذکر کیسے کیا جاسکتا ہے؟۔ ہاں اگر آپ نے حضور کا ذکر کر لیا تو گویا آپ نے تمام ہی انعام الہیہ کا ذکر کر لیا۔

الغرض خواہ حضور کو مجموعہ انعام الہیہ تصور کیا جائے یا صرف ایک ایسی نعمت عظیمہ جس سے اونچے درجے کی کوئی نعمت نہیں بہر حال یہ ثابت ہے کہ حضور کا ذکر کرنا سب سے اونچے درجے کی نعمت ہے۔

یہ جو کچھ عرض کیا شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمہ کی اہل بیت سے متعلق تھا اس سے بھی زیادہ مصنف "ذلائل الخیرات شریف" نے اپنی اہل بیت میں جہاں اسم "رحمۃ اللہ" سے حضور کو خطاب کیا ہے وہاں آپ کے اسم "نعمۃ اللہ" سے بھی یاد کیا ہے، وہ فرماتے ہیں :-

يَا رَحْمَةَ اللَّهِ اني خائف وجل

يَا نِعْمَةَ اللَّهِ اني مفلس عاني

یعنی اے اللہ کی رحمت! بیشک میں ڈر رہا ہوں لرز رہا ہوں

اے خدا کی نعمت! بے شبہ میں محتاج و عاجز ہوں!

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

وَلَيْسَ فِي عَمَلِ لَقِي الْعَلِيمِ بِهِ

سِوَى مَحَبَّتِكَ الْعَظِيمِ وَ اِيْمَانِي

یعنی اور میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کے پھر وہ میرے خدا ہے

علیم کی جناب میں حاضر ہوں سو اے آپ کی محبت عظیمہ اور

اپنے ایمان کے۔

فَكُنْ اِمَانِي مِنْ شَرِّ اِيْمَانِي وَمِنْ

شَرِّ اِمْلِي وَمِنْ اِحْرَاقِ جَسْمَانِي

یعنی تو حضور میرے لئے امان اور پناہ ہو جائیں زندگی اور

موت کی برائی سے اور میرے بدن کے جلنے سے۔

وَكُنْ غَنِي الَّذِي مَا بَعْدَ فَلْسِ
وَكُنْ فَكَافِي مِنْ اِغْلَالِ عَصِيَانِي

یعنی اور حضور میرے حق میں ایسی غنا اور لاپرواہی ہو جائیں
جس کے بعد پھر محتاجی نہ ہو، اور حضور میرے گناہوں کے طوقوں
سے چھٹکارے کا باعث ہو جائیں۔

دیکھا آپ نے یہ ہے امت کے بزرگوں اور ولیوں کے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی جناب میں جذبات!

(ب)

اب میں اصل مضمون کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ جو آیت میں نے تلاوت
کی جو میرے بیان کی زیب عنوان ہے۔ میں نے اس کی تفسیر میں حضرت علی رضی
اللہ عنہ سے ایک حدیث کا ذکر کیا تھا تو اسی کو ذرا تفصیل کے ساتھ عرض کرتا ہوں،
حضرت علی فرماتے ہیں:-

لَمَّا بَعَثَ اللَّهُ نَبِيًّا مِنْ آدَمَ فَهَبْنِ دُونَهُ إِلَّا اخذَ عَلَيْهِ
العَهْدَ فِي مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ هُوَ حَيًّا
لِيَوْمِنَا بِهِ وَلِيَنْصُرَنَّهُ وَيَأْخُذَ الْعَهْدَ بِذَلِكَ عَلَى قَوْمِهِ
یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخر تک جتنے انبیاء بھیجے
سب کے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں عہد لیا کہ اگر یہ اس نبی
کی زندگی میں مبعوث ہوں تو وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی مدد کرے
اور اپنی امت سے اس مضمون کا عہد لے۔

چنانچہ اس عہد بانی کے مطابق ہمیشہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، سرور عالم صلی اللہ
علیہ وسلم کے مناقب جلیلہ و مناقب بے فیضہ کی نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اور اپنی پاک و مبارک
مجالس و محافل میں حضور کی یاد و مدح کرتے اور اپنی امتوں سے حضور پر نور پر ایمان
لانے اور مدد کرنے کا عہد لیتے رہے، یہاں تک کہ وہ پچھلا مژدہ دینے والا، کنواری
بتول کا ستھرا بیٹھا مسیح کلیم اللہ علیہ صلوات اللہ ہمیشہ ابو رسول بانی من بعدی
اسمہ احمد کہتا ہوا تشریف لایا۔ یہ آیت کریمہ کا ایک جز ہے، پوری آیت کریمہ

یوں ہے :-

وَإِذْ قَالَ عِيسَىٰ بْنُ مَرْيَمَ لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ
مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي
مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدٌ فَلَمَّا جَاءَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا
هَذَا سِحْرٌ مُّبِينٌ (الصَّف: ۶)

یعنی محبوب! ان اہل کتاب کو حضرت عیسیٰ ابن مریم کا قول تو یاد دلائیے،
جب انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ اے بنی اسرائیل! میں خدا
کی طرف سے بھیجا ہوا رسول آیا ہوں، یہ کتاب تواریخ جو مجھ سے پہلے نازل
ہو چکی ہے اور میرے آگے ہے اس کی تصدیق کرتا ہوں اور اس رسول
کی بشارت دیتا ہوں جو میرے بعد تشریف لائے والا ہے اور جس کا
نام نامی احمد ہے، پھر جب جانا پہچانا ان کے پاس معجزات باہر
اور کھلی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تشریف فرما ہوا تو ہوا یہ کہ کہنے لگے کہ
یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

حضرت عیسیٰ علی نبیا وعلیہ السلام کی یہ بشارت کوئی نئی نہ تھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ اس نبی کریم علیہ
التحیۃ والتسلیم کے بارے میں آدم اور ان کے بعد کے انبیاء علیہم التحیۃ التناء سے پیشین گوئی
فرماتا رہا اور اس عہد کو یاد دلاتا رہا۔ چنانچہ قدیم سے سب امتیں حضور کی تشریف
آوردی کی خوشیاں مناتی رہیں اور حضور کے توسل سے اپنے دشمنوں پر فتح طلب
کرتی رہیں (جس کا ذکر پیچھے آچکا ہے)۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب یہ دو مشرکوں سے
لڑتے تو دعا کرتے :-

اللَّهُمَّ انصُرْنَا عَلَيْهِمُ يَا نَبِيَّ الْمُبْعُوثِ فِي آخِرِ الزَّمَانِ الَّذِي
نَجَدَ صَفْتَهُ فِي التَّوْرَةِ .

الہی! ان پر ہمیں مدد عطا فرما۔ اے اس نبی کا جو آخر زمانے میں مبعوث
ہونے والا ہے، وہ جس کی تعریف ہم تواریخ میں پاتے ہیں۔

چنانچہ اس دعا کی برکت سے انہیں فتح دی جاتی تھی، یہ اسی پیمانہ الہی کی وجہ سے
جس کا ذکر آیتہ کریمہ وَاِذَا اخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ فِي آيَاتِهِمْ اور کیوں نہ ہو

حدیث میں آیا ہے :-

وَالَّذِي لَفْسِي بِيَدِهِ لَوَ ان مَوْسَى كَانَ حَيًّا الْيَوْمَ وَسَعَهُ

الَا ان يَتَّبِعَنِي .

یعنی قسم اس فرات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر آج موسیٰ دنیا میں

ہوتے تو میری کلیر وی کے سوا ان کو گنجائش نہ ہوتی .

یہی وجہ ہے کہ جب آخر زمانے میں تیدنا عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نزول فرمائیں گے

تو باوجودیکہ بدستور نبوت رسالت کے منصب فیح پر ہوں گے، حضور ہی کی شریعت

پر عمل فرمائیں گے، حضور کے ایک امتی یعنی امام مہدی علیہ السلام کے پیچھے نماز

پڑھیں گے چنانچہ حضور فرماتے ہیں :-

كَيْفَ اَنْتَ اِذَا ابْنِ مَرْيَمَ فَيَكْمُرُ اِمَامَكَ مِنْكُمْ .

تمہارا اس وقت کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم

ہی میں سے ہوگا .

حاکم نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے :-

اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى اَنْ اَمِنَ بِمُحَمَّدٍ وَاَمْرٍ مِنْ اَدَمَكَ مِنْ اَمْتِكَ

اَنْ يَوْمَ نُوَايِهَ قُلُوبًا مُحَمَّدًا مَا خَلَقْتَ اَدَمَ وَلَا الْجَنَّةَ وَلَا النَّارَ

یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وحی بھیجی کہ عیسیٰ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاء اور تیری امت میں سے جو لوگ اس زمانہ نہ پائیں

انہیں حکم فرما کہ اس پر ایمان لائیں، اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں

نہ آدم کو پیداکرتا نہ جنت و دوزخ کو .

ابو نعیم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ سید المرسلین علیہم السلام انی یوم

الدين فارتے ہیں :-

اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالَى اِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ اَنْذَهُ مِنْ لَمِيْقِنَ

بِاحْمَدٍ اَدْخَلْتَهُ النَّارَ اِلَى اٰخِرَةٍ .

یعنی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل کو خبر دے دو

کہ جو احمد کو نہ مانے گا اسے دوزخ میں داخل کروں گا — عرض کیا

احمد کون ہے؟ — فرمایا کہ میں نے کسی مخلوق کو اس زیادہ عزت والا
اپنی بارگاہ میں نہ بنایا، میں نے آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے اس کا
نام اپنے نام کے ساتھ عرش پر لکھا اور جب تکہ وہ اور اس کی امت
داخل نہ ہوئے، جنت کو اپنی تمام مخلوق پر حرام کیا — عرض کیا، اس
کی امت کون ہے؟ فرمایا وہ بڑی حمد کرنے والی ہے اور دوسری
صفات جلیلہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمائیں — عرض کیا کہ الہی مجھے اس امت
کانبی فرمادے! — فرمایا ان کانہی انہیں میں سے ہوگا —
عرض کیا، مجھے اس کی امت میں داخل فرما! فرمایا تو زمانے میں مقدم
ہے اور وہ بعد میں آئے الا ہے، مگر گھبراؤ نہیں، ہمیشگی کے گھریے
تجھے اور اسے جمع کروں گا۔

علامہ فاسی، مطالع المرآت (شرح دلائل الخیرات) میں تورات کی چند آیات نقل فرماتے
ہیں جن میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

یا موسیٰ احمدانی اذا مننت علیک مع کلامی ایاک با
لا ایمان باحمد و لو لم تقبل الایمان باحمد ماجاورتنی
فی داسی (الئی آخره)

اے موسیٰ! میری حمد بجا لا کہ میں نے تجھ پر احسان کیا کہ اپنی ہمکلامی
کے ساتھ تجھے احمد پر ایمان عطا فرمایا اور اگر تو احمد پر ایمان نہ لانا تو
میرے گھر میں مجھ سے قربت بھی نہ پاتا، نہ میری جنت میں چین کرتا۔
اے موسیٰ! تمام مرسلین میں سے جو کوئی احمد پر ایمان نہ لائے اور
اس کی تصدیق نہ کرے اور اس کا مشتاق نہ ہو، اس کی نیکیاں مردود
ہوں گی اور اسے حکمت کے حفظ کرنے سے روک دوں گا اور اس کے
دل میں ہدایت کا نور نہ ڈالوں گا۔ اور اس کا نام دفتر انبیاء سے مٹا دوں گا۔
اے موسیٰ! جو لوگ احمد پر ایمان لائے اور اس کی تصدیق کی وہی
ہیں مراد کو پہنچے ہوئے، اور میری تمام مخلوق میں جس نے احمد سے
انکار کیا اور اس کی تکذیب کی وہی زیاں کار، وہی پشیمان، وہی ہی

غافل، بے خبر (تورات کی آیات کا ترجمہ ختم ہوا)

جن لوگوں کے لوں میں حضور اکرم، نور مجتہم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظمت جلوہ گز نہیں ان کے قلوب پر تو ان آیات بنیات کا مضمون نہایت درجہ شاق گزرے گا لیکن میں یہ اپنی طرف سے عرض نہیں کر رہا، خود اس قادر مطلق کا کلام پیش کر رہا ہوں جس نے اس ذاتِ گرامی صفات کو یہ عزت اور جاہ و جلالت عطا فرمائی، اور اپنے کرم خاص سے نوازا، یہ کتاب اللہ تورات شریف کی آیات ہیں اور جن کو نقل کرنے والے علامہ فاسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسے بزرگ ہیں جو ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باز مہنا کیسا گناہ عظیم ہے! بلکہ قرآن کریم کی اس آیت شریف میں یہ مضمون موجود ہے۔

جو آیات کریمہ اور پر تلاوت کی گئیں ان میں حق جل مجدہ نے انبیاء کرام سے فرمایا کہ
لَتُؤْمِنَنَّ بِهِ ثُمَّ تَوَضَّرُ ضُرُورًا نَظَرًا لِمَا لَانَا ————— جب تکے ل میں محبت نہ ہو ایمان
کا حق ادا نہیں ہو سکتا اور محبت کا اظہار محبوب کی توقیر و تعظیم سے ہوتا ہے اسی لئے
قرآن کریم نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کے لئے اس طرح ہدایت کی ہے
اِنَّا اَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَ
رَسُوْلِهِ وَتَعَزَّوْا عَنْ مَرْكَبٍ وَتُوقِرُوْا (الفتمہ : ۹۵۸)

تفسیر و منثور میں ہے :-

شَاهِدًا اَعْلٰی اُمَّتِهٖ وَشَاهِدًا اَعْلٰی الْاَنْبِيَاءِ اِنَّهُمْ قَدْ بَلَّغُوا

(ترجمہ آیت) ہم نے آپ کو بھیجا شاید اور بشارت دینے والا (اللہ کی اطاعت

کرنے والوں کو) اور ڈرانے والا (اس کی نافرمانی کرنے والوں کو) ،

(لوگوں ان کو بشارت بناؤ) ان کی تعظیم اور ان کی تعظیم اور تشریف و تعظیم

کرو۔

سیاق آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے مبعوث کرنے سے جہاں یہ مقصود ہے کہ

لوگ ہدایت پر آئیں وہاں آپ کی تعظیم و توقیر بھی ایک مقصود اصلی ہے چنانچہ ایمان کے

ساتھ حضور کی تعظیم و توقیر کرنا لازم کے تحت بیان فرمایا یعنی تمہارے بھیجنے کی ایک

غرض یہ ہے کہ لوگ ایمان لائیں تو اس کے ساتھ ہی دوسری غرض یہ بھی ہے کہ آپ

کی تعظیم و توقیر کریں دوسری آیت میں بطور تصریح فرمایا کہ فلاح صرف انہیں لوگوں

کے لئے ہے جو ایمان کے ساتھ اس محبوب کی تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور جو نوران کے ساتھ بھیجا ہے اس کا اتباع کرتے ہیں، چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ

مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (الاعراف: ۱۵۷)

ترجمہ:- سو جو لوگ اس پر ایمان لائے اور اس کی رفاقت کی اور اس کی مدد کی اور

تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اتر رہا ہے، وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو۔

کیوں کہ اہل بلاغت جانتے ہیں کہ اولئک، ہُمُ الْمُفْلِحُونَ کی ترکیب حصر کے لئے ہے یعنی

رستگاری اور نجات خاص انہیں کے لئے ہے جو ایمان کے ساتھ حضور کی تعظیم و توقیر اور

پیر ہی بھی کرتے ہیں، یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام کے دلوں میں اتنی عظمت و ہیبت مستولی تھی

کہ کوئی آنکھ بھر کر حضور کے چہرہ انور پر نظر نہ ڈال سکتا تھا اور کسی میں جرأت نہ تھی کہ

بلا تکلف کوئی بات یا مسئلہ پوچھ سکتا، حالانکہ حضور کا خلق عظیم اس پایہ کا تھا کہ جس سے جانی

دشمن بھی خلقہ بگوش ہو گئے اور وحشی صفت بیگانے مانوس ہو گئے، جہاں دیدہ لوگ

جب صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کرنے کو اور اپنی اطاعت گزاری کو دیکھتے تو بلا تامل آپس

میں کہتے کہ اس قسم کی تعظیم تو نہ کسی بادشاہ کی ہوتی دیکھی نہ کسی اور کی چنانچہ

حالت کفر میں ایک صحابی کہتے ہیں کہ :-

”اے قوم! خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے بادشاہوں کے دربار دیکھے ہیں

قیصر و کسری اور نجاشی کی پیش گاہ میں گیا ہوں، مگر جس قدر کہ اصحاب محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی تعظیم کرتے ہیں کسی بادشاہ کی تعظیم ایسی ہوتے نہ

دیکھی، خدا کی قسم جب وہ چھینکتے ہیں تو سنک لوگوں کی ہتیلیوں میں گرتا ہے جس

کو وہ لوگ اپنے منہ اور جسم پر مل لیتے ہیں اور جب وضو کرتے ہیں تو غسال مبارک

لینے کے لئے اس قدر صحابہ کا ہجوم ہوتا ہے اور ایک کے اوپر ایک گرتا ہے ایسا

معلوم ہوتا ہے کہ شاید اب جدال اور قتال کی نوبت پہنچ جائیگی اور جب وہ

کسی کام کا حکم کرتے ہیں تو اس کے بجالانے کے لئے ہر شخص پیش قدمی

کرتا ہے اور جب وہ بات کرتے ہیں تو سب کی آواز لپست ہو جاتی ہے اور

بوجہ تعظیم کے ان کو نظر جاسکے کوئی دیکھ نہیں سکتا“

میں کہتا ہوں کہ یہ حضرات تو انسان تھے، حیوانات میں حضور کی وہ محبت و شوق اور وہ عزت و عظمت بھری ہوئی تھی جس کی وجہ سے وہ حضور کی برکت سے ان کی سرکشی جاتی رہتی تھی چنانچہ موابہب لدنیہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کسی انصاری کے ہاں اونٹ تھا جس سے زراعت کو پانی دیا کرتے تھے ایک بار وہ سرکش ہو گیا اور ایسا بگڑا کہ کوئی شخص بھی اس کے پاس نہ جاسکتا تھا، ان انصاری نے حضور کی خدمت میں اس کی حالت بیان کی اور عرض کیا کہ "زراعت اور نخلستان ہو کھے جا رہے ہیں" — حضور اس باغ میں صحابہ کرام کے تشریف لے گئے جہاں وہ اونٹ تھا، حضور اس کی طرف بڑھے، انصاری نے عرض کیا، "حضور یہ اونٹ دیوانہ ہو گیا ہے ہمیں خوف ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کرے" — فرمایا، "مجھے اس سے کچھ اندیشہ نہیں ہے" — جب اونٹ نے حضور کو دیکھا، خود آگے بڑھ کر سجدے میں گرا، حضور نے اس کی پیشانی کے بال پکڑ لئے تو وہ ایسا مسخرو مطیع ہو گیا کہ شاید ہی کبھی ہوا ہو۔

یہ ایک ہی واقعہ ایک جانور کے مطیع ہونے اور سجدہ کرنے کا نہیں، متعدد واقعات ہیں اور بڑے عجیب عجیب — اسی کو دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا تھا کہ حضور کو جانور سجدہ کرتے ہیں ہم تو سجدہ کے زیادہ مستحق ہیں" — جس کے جواب میں ارشاد فرمایا، "کسی انسان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ وہ انسان کو سجدہ کرے۔" صحابہ کرام حضور کا نہایت اونچا مرتبہ سمجھے ہوئے تھے اسی لئے تو سجدہ کی درخواست کی، حضور نے اس اندیشہ سے کہ کہیں مجھ کو خدا نہ کہنے لگیں، تو واضح و انکسارہ کی وجہ سے اپنے کو انسانوں میں شامل کر کے تنبیہ فرمادی کہ "میں بھی منجملہ بندوں کے ایک بندہ ہوں، لیکن ہمارے لئے جائز نہیں کہ ان کو اپنا سا انسان سمجھیں گو حضور نے ہم کو بھائی کہا ہے مگر ہمارا یہ نہ ہرہ نہیں کہ ہم ان کو بھائی کہنے لگیں۔" — حضور نے ہم کو بھائی کہا کہ ہمارا درجہ اس قدر اونچا کیا ہے کہ جو اپنی رفعت میں نہایت درجہ بلند ہے، اس قسم کی قدر افزائیوں کا لطف ہی لوگ جانتے ہیں جن کو بارگاہ نبوی سے خاص قسم کی نسبت ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ سرکار عالم صلی

اللہ علیہ وسلم سے عمرہ ادا کرنے کے لئے اجازت چاہی، حضور نے اجازت دے کر فرمایا :-

”اے بھائی اپنی دعا میں ہمیشہ بھولنا“

وہ کہتے ہیں کہ اس ارشاد نے مجھ میں اس قدر اثر کیا کہ اگر تمام روئے زمین میری ملک ہو جائے تو ان الفاظ کے مقابلے میں میرے نزدیک کوئی چیز نہیں۔

بظاہر حضور کا ارشاد کوئی ایسی بڑی بات نہ تھا، صرف دعا کے لئے فرمایا تھا لیکن اس کی وقعت کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل سے دریافت کرو کہ تمام روئے زمین کی سلطنت ایک طرف تھی اور اس کلمہ کی شانِ دل ربانی ایک طرف — یہاں سے صحابہ کرام کے قلب پر جو حضور کی عظمت تھی اس کا پتا چلتا کہ کس قدر تھی؟ — اس کے مقابل اس نے مانے کے مسلمانوں کا حال ملاحظہ کریں کہ اس مقام تک پہنچ گئے جو کفار کہتے تھے :-

مَا أَنْتُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِثْلُنَا ۖ (یس : ۱۵)

یعنی تم تو ہمارے ہی مانند بشر ہو۔

معاذ اللہ — اور مولیٰ تعالیٰ جل مجدہ کا یہ حال ہے کہ بمقتضائے بشریت یا سادگی صحابہ کرام سے کوئی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی جس میں شائبہ بے ادبی کا ہوتا تو ساتھ ہی قرآن کریم میں اس پر تنبیہ اور زبرد تو بیخ نازل ہو جاتی، چنانچہ کسی صحابی سے حضور کے دوہرہ کسی بات میں آواز زور سے نکل گئی، غیرتِ الہی نے جوش کیا اور عتاب نازل ہو گیا :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ

وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ

وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۚ (الحجرات : ۲)

یعنی ایمان والو! نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اپنی آوازیں بلند نہ کرو

جیسے آپس میں ایک دوسرے پر آواز بلند کرتے ہو، کہیں تمہارے اعمال

برباد نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ اب میں حضور

سے اس طرح بات کروں گا، جس طرح کوئی راز کی بات کہتا ہے — حضرت

عمر رضی اللہ عنہ اس قدر آہستہ بات کرنے لگے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی —
 — ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو نہایت درجہ صدمہ ہوا یہاں تک کہ راہ میں بیٹھ گئے اور
 روتے تھے اور کہتے تھے کہ ”ہائے سب اعمال اکارت ہو گئے“ — عاصم بن عدی
 کا اس طرف سے گزر ہوا، پوچھا کیوں روتے ہو؟ کہا کہ ”مجھے خوف لگتا ہے کہ یہ
 آیت میری شان میں وارد ہوئی ہے اس لئے کہ میری آواز بلند ہے“ — عاصم
 نے یہ واقعہ سرکار اقدس کی خدمت میں عرض کیا، حضور نے فرمایا، ”ان کو بلاؤ“ —
 جب آئے تو نہایت شفقت سے ان سے پوچھا کہ تمہارے رونے کا کیا سبب
 ہے؟ — عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ہی آواز بلند ہے، مجھے ڈر ہے
 کہ یہ آیت میرے ہی حق میں نازل ہوئی ہے“ — فرمایا کہ کیا تم اس سے
 راضی نہیں ہو کہ زندگی تمہاری پسندیدہ ہو اور تم شہید کئے جاؤ؟ — عرض
 کیا، ”میں راضی ہوں، میں اب کبھی حضور کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کروں گا“
 یہاں سے غور کیجئے مولیٰ تعالیٰ کو اتنی سی بے ادبی بھی گوارا نہیں اور اس
 کی سزا یہ مقرر فرمائی کہ ساری عمر کے اعمال صالحہ میٹ دئے جائیں گے اور پھر
 ایسے حضرات کے کہ جن کے ایک عمل کے برابر ہماری تمام عمر کے اعمال نہیں
 پہنچتے۔ ان لوگوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیے جو بکتے ہیں کہ حضور ہمارے
 بھائی ہیں“ — کیا دیکھا نہیں کہ جو عورتیں آپ کے جلالہ نکاح میں آگئی ہیں
 ان کو قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے :-

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ (الاحزاب: ۳۲)

یعنی اے نبی کی بیویوں! تم دوسری عورتوں کی مانند نہیں ہو۔

یہ ایک صہری اور سسرالی قرابت تھی جس پر یہ ارشاد ہو رہا ہے اگر کسی قرابت کا
 اطلاق حضور پر دانستہ ہوتا تو البتہ والد بزرگوار کہنے کے لئے تو ایک جہ تھی کیونکہ
 ازواجِ مطہرات کو حق تعالیٰ نے امہات المؤمنین فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا :-

وَأَمَّا ذَوَاتُ الْأَرْحَامِ فَانصُرْنَهُنَّ (الاحزاب: ۶)

ترجمہ :- اور آپ کی ازواج (مطہرات) ان کی مائیں ہیں

باوجود اس کے حق تعالیٰ نے اس قرابت سے بھی نفی فرمادی جیسا کہ فرمایا :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ ابًا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ الرَّسُولَ اللَّهُ وَ
خَاتَمَ النَّبِيِّينَ وَكَانَ اللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا (الاحزاب : ۴۰)
یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ
نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ ہر چیز کو
جانتا ہے ۔

یہاں ”لاکن“ حرف استدراک ہے جو کسی وہم کے دور کرنے کے لئے آتا ہے اور مردوں
کے باپ ہونے میں تو کوئی وہم نہ تھا جس کو دور کیا جاتا اور رسول اللہ سے اس وہم کو
دور کیا جا رہا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ وہم رسالت سے متعلق تھا تاکہ ابوت و رسالت
میں مناسبت ہو تو بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ ہر شخص کے نزدیک باپ کی وقعت اور مرتبہ
سب سے بلند ہوتا ہے اس وجہ سے و اسناد اجالہ امہاتہم پر نظر رکھتے ہوئے صحابہ کرام
حضور کو بجائے والد کے سمجھتے ہوں گے۔ جب حق تعالیٰ نے باپ ہونے کی نئی کردی تو
اب یہ شبہ پیدا ہوا کہ ”باپ سے زیادہ اور کیا مرتبہ ہوگا“۔ اس کے جواب میں ارشاد ہوتا
ہے کہ رسول اللہ اور خاتم النبیین کا مرتبہ نہایت بلند تر ہے جو تمہاری عقل میں نہیں
آسکتا، اس مرتبہ کی بلندی کو تو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرو کہ وہ ہر شے کو خوب جانتا ہے
تم صرف تنا ہی جان لو کہ باپ کے مرتبے کو خاتم النبیین کے مرتبے سے کوئی نسبت
ہی نہیں۔ امام بوصیریؒ فرماتے ہیں :-

فَاقِ النَّبِيِّينَ فِي خَلْقٍ وَفِي خَلْقٍ

وَلَمْ يَدْلُوْا فِي عِلْمٍ وَلَا كَرَمٍ

آپ سب نبیوں میں خلق اور خلق میں فائق اور نہایت بڑھ کر تھے، آپ
کا علم و کرم میں کوئی ہم پلہ نہ تھا۔

فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيهِ إِنَّهُ بَشَرٌ

وَإِنَّهُ خَيْرُ خَلْقٍ اللَّهِ كَلِمَةً

علمی نقطہ نگاہ سے آپ بشر تھے، حالانکہ آپ سب خلق خدا سے بہتر تھے

مَنْزَرَةٌ عَنِ شَرِيكَ فِي مَحَاسِنِهِ

فَجَوْهَرُ الْحَسَنِ فِيهِ غَيْرُ مَنْقَسِمٍ

(جنابے سالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم) اس عیب سے پاک ہیں کہ ان کی خوبیوں میں کوئی ان کا بالذات شریک ہو بلکہ تمام خوبیوں کے آپ مستقل مالک ہیں۔ (اور لو میں جو خوبیاں ہیں آپ ہی کی خوبیوں کا پر تو ہیں)۔

جہاں چہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اول کیا شے پیدا ہوئی تھی؟ — تو حضور نے فرمایا: —

اول حق تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا پھر اس سے نور پھیلا یا اور اس سے لوح و قلم، عرش و کرسی، ملک ملکوت، عالم و آدم پیدا کئے۔

علامہ بو صیریؒ کے مذکورہ شعر میں لفظ "بوسر" میں اس طرف لطیف اشارہ ہے کہ حقیقت حسن عدم انقسام میں مثل جوہر فرد کے ہے کہ تقسیم نہ ہو سکے تو مطلب یہ ہوا کہ آپ کے حسن کی تقسیم نہیں کی گئی، دوسراں پر صرف اس کا پر تو پڑا ہے — ایک شاعر کہتا ہے: —

آنچه اسباب جمال است سرخ خوب ترا
ہمہ برو جہ کمال است کمالا نخفی

علامہ موصوف آگے فرماتے ہیں: —

دع ما ادعتہ النصاری فی نبیہم
وا حکم ما شئت مدافیہ و احکم

(جب یہ ثابت ہو گیا کہ تمام محاسن کے آپ ہی منبع ہیں) تو اس دعویٰ کو جو نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیا ہے (کہ من جملہ تین خدا کے ایک خدا ہیں اس کو) تو چھوڑ دے، صرف ان کو افضل العباد سمجھ اور اس کے سوا، آپ کی مدح شریف میں جس صفت کمال کا تیرا دل چاہے حکم جازم لگا اور یہی دعویٰ کر اور اس پر مستحکم رہ۔

پھر فرماتے ہیں: —

وانسب فی ذاتہ ما شئت من شرف
وانسب علی قدر ما شئت من عظم

(جب تو نے جان لیا کہ باعث خلق عالم آپ ہی کی ذات ہے اور جو کمال ہے۔)

انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوئے ہیں آپ ہی کی ذات کے آفتاب فیوض کا
 پرتو ہیں اور آپ ہی کے دریا شے وجود کا ایک قطرہ ہیں اور تجھ کو اجمالاً حضور
 کے جمالِ ظاہری اور کمالِ باطنی پر آگاہی ہوگئی تو اب (آپ کی ذات
 ابرکات کی طرف جو خوبیاں (سوائے الوہیت کے ہوں) تو جو تو چاہے
 منسوب کر وہ سب قابلِ تسلیم ہوں گی اور آپ کی قدرِ عظیم کی طرف جو بڑائیاں
 تو چاہے منسوب کر وہ صحیح و درست ہوں گی۔

اس کے بعد فرماتے ہیں :-

فان فضل رسول اللہ لیس لہ

حد فی ضرب عندنا طوق بہم

(اور میرا یہ دعویٰ کہ حضور کی ذات شریفہ اور قدرِ منیف کی طرف جو خوبیاں
 اور بڑائیاں تو چاہے منسوب کر تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور کے
 فضل کی کچھ حد نہیں کہ کوئی کہنے والا ان کو بذریعہ زبان کے ظاہر اور
 بیان کر سکے۔

یہ قصیدہ تو بہت لمبا ہے مینے تو صرف چند ہی اشعار کو لیا ہے جسے شوق ہو اس کو دیکھنے
 کا آرزو نہ ہو اس کو دیکھو اور اپنے پاس رکھے بڑی برکت کی شے ہے۔ رَاخِرُ دَعْوَانَا
 اِنَّ الْمُدَّ لِيْهِ تَابِلٌ اِلْفَا مَيْنِ .

(تالیف ۱۹۶۲ء)

وہ دانائے سب، ختم الرسل، مولائے گل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
 نگاہِ عشقِ دستی میں وہی اول وہی آخر
 وہی قرآن، وہی فرقاں، وہی سین، وہی طاب

واقبال، بال جبریل، ص ۱۳۰

ناموس مصطفیٰ ﷺ

(۱)

اِنَّا اَمْرًا سَلْنَاكَ شَاهِدًا اَوْ مُبَشِّرًا اَوْ نَذِيرًا لِّتُؤْمِنُوا
 بِاللّٰهِ وَمَا سُوْلًا وَّ تَحْزِيْنًا وَّ تَوْقِيْرًا - (الفم: ۹۶۸)
 (ترجمہ) ہم نے آپ کے گواہی دینے والا، اور بشارت دینے والا، اور
 ڈرانے والا کر کے بھیجا تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر
 ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی تعظیم کرو۔

اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ حضور اصل انا اصول ہیں تو سوائے ذات باری تعالیٰ
 کے کوئی ایسا مستحق نہیں جو حضور سے زائد تعظیم کا استحقاق رکھتا ہو، خصوصاً ایسی
 صورت میں کہ ان کی بعثت کی غرض ہی یہ ہو کہ ان کی تعظیم و توقیر کی جائے کہ لام کے
 تحت میں جہاں یہ بتلایا ہے کہ اس ذات کو اس لئے مبعوث کیا ہے کہ اللہ اور
 رسول پر ایمان لایا جائے وہاں یہ بھی بتلایا ہے کہ یہ بھی غرض ہے کہ ان کی تعظیم
 و توقیر کی جائے۔ سلمان صحابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے
 سرکار کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ کا رب فرماتا ہے کہ اگر میں نے ابراہیم
 علیہ السلام کو خلیل بنایا تو آپ کو اپنا حبیب بنایا :-

وَمَا خَلَقْتُ خَلْقًا اَكْرَمَ عَلَيَّ وَّلَقَدْ خَلَقْتُ الدُّنْيَا وَاَهْلِهَا
 لَاعْرِفَهُمْ كَرَامَتِكَ وَمَنْزِلَتِكَ عِنْدِي وَّلَوْلَا كَمَا خَلَقْتُ
 الدُّنْيَا -

یعنی میں نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جو میرے نزدیک آپ سے بہتر ہو اور
 یقین جانیئے کہ میں نے دنیا اور اس کے لوگوں کو اس ہی واسطے پیدا کیا
 کہ ان کو آپ کی بزرگی اور مرتبہ معلوم کراؤں جو آپ کا میرے نزدیک بہتر ہے۔

اگر آپ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔ (مواہب لدنیہ)

اور اسی ضمن میں صاحب روح البیان نے آپ کے علم پر کچھ روشنی ڈالی تھی کہ چونکہ آپ سب سے پہلے پیدا ہوئے اور آپ کے بعد تمام مخلوق پیدا کی گئی تو مخلوق میں سے ایسی کوئی شے باقی نہ رہی جو آپ کے علم میں آئی ہو، یہ معنی ہمارے سمجھ میں آنا بہت دشوار ہیں اس کو تو وہی اہل باطن خوب سمجھ سکتے ہیں جن کی چشم بصیرت روشن ہے، چنانچہ ابراہیم شریف میں صاحب کتاب اپنے شیخ سے نقل فرماتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے:-

روحی امتیاز میں سب سے زیادہ قوی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ اس روح پاک سے عالم کی کوئی شے پر وہ میں نہیں، یہ روح پاک عرش اور عالم کی بلندی و پستی پر اور دنیا و آخرت اور جنت و دوزخ سب پر مطلع ہے، لان ذالک خلق الاجلہ اس لئے کہ یہ سب ہی ذات جمع الکلمات کے لئے ہی تو پیدا کی گئی ہے، آپ کی تمیز ان جملہ عالموں کی خارق ہے، آپ کو اجرام سموات کی تمیز ہے کہ کہاں سے پیدا کئے گئے، کیوں پیدا کئے گئے اور آخر کیا ہو جائیں گے، آپ کو ہر آسمان کے فرشتوں کی تمیز ہے اور اس کی جہی کہ وہ کہاں سے اور کیسے پیدا کئے گئے ہیں اور کہاں جائیں گے اور ان کے اختلاف مراتب اور منتہائے درجات کی بھی تمیز ہے اور ستر پردوں اور ہر پردے کے فرشتوں کی بھی تمیز ہے، عالم علوی، اجرام نیرہ، ستاروں سورج، چاند، لوح و قلم، برزخ اور اس کی ارواح کا بھی ہر طرح امتیاز ہے، اسی طرح ساتوں زمینوں اور ہر زمین کی مخلوقات خشکی اور تری جملہ موجودات کا بھی ہر ہر حال معلوم ہے، اسی طرح تمام جنتیں اور ان کے درخت اور ان کے رہنے والوں کی گنتی اور مقامات سب ہی تو معلوم

ہیں، اسی طرح تمام جہانوں کا علم ہے:-

یہ بعض شہادت کا ازالہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:-

ولیس فی ہذا من اہمۃ للعالمات لیمال انہ فی الذی لانہایۃ

لمعلومہ و ذالک لانہ ما فی العلم التقدیم لایخصر فی ہذا

الدوالہذات امش الی بویۃ و اوتاف الی لویۃ التی

لانہایۃ لہا لیست من ہذا العالم فی شیء -

یعنی (یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضور کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے برابر کر دیا
 اس لئے کہ اس علم کو ذات باری تعالیٰ کے علم قدیم ازلی سے
 جس کے معلومات بے انتہا ہیں کوئی مزاحمت نہیں کہ علم قدیم کے معلومات
 صرف اس ہی عالم میں منحصر نہیں اس لئے کہ اسرار ربوبیت اور اوصاف
 الوہیت جن کی کوئی انتہا ہی نہیں وہ اس عالم سے ہیں ہی نہیں۔

یہ ہیں قطب لواء صلیب غوث الاعارفين حضرت عبدالعزیز دباغ قدس سرہ کے کلمات
 طیبات جن کی ولایت کا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء میں سے ہر
 عالم کو اعتراف ہے اور اولیاء کرام کی گردنیں ان کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ یہ بزرگ
 اسی حدیث کا توبین فرما رہے ہیں جس میں ارشاد فرمایا کہ
 علمت ماکان وما سیکون

یعنی جو ہو چکا، جو ہونے والا ہے، سب ہی کا مجھے علم دیا گیا ہے۔

(ب)

میرا مقصود حضور کے علم کے متعلق کچھ زیادہ بیان کرنا نہیں، صاحب شرح البیان
 نے آیت کریمہ انا اسئلناک الخ کی تفسیر کے ضمن میں کچھ اس پر روشنی ڈالی تھی،
 اسی سلسلے میں دو ایک شواہد میں نے بھی (بیان کر دئے)۔ اصل مقصود تو یہ ہے
 کہ میں یہ بتلاؤں کہ جب سرکار عالم کی تشریف آوری اس لئے ہوئی تھی کہ موجودات
 عالم ان کی عزت و توقیر کرے تو پھر ان کی عزت و توقیر کیا کی گئی؟ لیکن یاد رکھیے کہ
 جب تک کسی کی عظمت کا علم نہ ہو اس کی تعظیم و توقیر نہیں کی جاسکتی اور انسان اور جنات
 کو تو قوت ہمارے دے کر اس کا امتحان مقصود ہے کہ اس وقت سے ان کی عظمت کا
 علم حاصل کر کے ان کی عظمت و توقیر کی جائے تو ان میں سے جن کو اس کا علم حاصل
 ہو گیا انہوں نے تو قدر و منزلت آپ کی اور باوجود اس کے اگر ان سے کچھ حضور
 کی عظمت میں لغزش واقع ہوئی تو ان کے مولیٰ کی طرف سے اس پر تنبیہ فرمادی
 باقی کہ دیکھو جس غرض سے ہم نے تم کو اپنا حبیب عطا کیا ہے، اس کی پوری رعایت
 رکھو اور اس پر زبرد تو بیخ بھی نازل کی جاتی جس سے سب متنبہ اور ہوشیار ہوجاتے

جہاں چہ کسی صحابی نے حضرت کے روبرو کچھ بلند آواز سے بات کہی تو غیرت الہی نے جوش کیا اور یہ عتاب نازل ہوا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ
وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ (المجادلہ: ۲)

یعنی اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو اور بات کرو تو اس طرح آواز سے بات نہ کرو جس طرح آپس میں بات کرتے ہو کہ میں تمہارے اعمال ملیا میٹ نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر نے تو قسم کھالی کہ اب میں حضرت سے ایسی آہستہ بات کروں گا جیسے کوئی چپکے سے راز کی بات کرتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو اس قدر آہستہ بات کرنے لگے کہ دوبارہ پوچھنے کی ضرورت ہوتی تھی کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ ثابت بن قیس کی یہ حالت ہوئی کہ راستہ ہی میں بیٹھ گئے اور زرارہ زرارہ روئے گا کہ ہائے میرے سبک عمال اکارت گئے، اس حالت میں کہیں عاصم بن عدی کا اوصاف سے گذر ہوا، پوچھا، کیوں روتے ہو؟ کہا مجھے یہ خوف گذر رہا ہے کہ یہ آیت میرے ہی باب نازل ہوئی ہے کیوں کہ میری ہی آواز بلند ہے، عاصم نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ اقعہ عرض کیا۔ ارشاد فرمایا ان کو میرے پاس لاؤ جبکہ حاضر ہوئے تو شفقت کے انداز میں فرمایا، کیوں ثابت تمہیں کس چیز نے رُلا یا؟ عرض کیا حضور میری آواز بلند ہے میں ڈر رہا ہوں کہ یہ آیت میرے ہی باب میں نازل ہوئی ہے۔ ارشاد فرمایا، نہیں، کیا تم اس بات سے راضی نہیں کہ عیش و زندگی تمہاری پسندیدہ ہو اور جب قتل کئے جاؤ تو اچھی حالت کے ساتھ جنت میں داخل ہو؟ عرض کیا، حضور میں اس سے راضی ہوں۔ اب کبھی میں حضور کی آواز پر، آواز بلند نہ کروں گا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ صرف اتنی بات پر کہ حضور کے سامنے آواز بلند ہو جائے اس کی یہ سزا ٹھہرائی گئی کہ صحابہ کی تمام عمر کی جانفشانیاں ضبط اور اکارت ہو جائیں اور وہ بھی ایسے اعمال میٹ دئے جائیں جن میں کے ایک عمل کے برابر ہماری

ساری عمر کے اعمال نہیں ہو سکتے، تو قیاس کیسے کہ اس سے اونچی بے ادبیوں کی کیا سزا ہوگی، ظاہر ہے کہ حضور کی خود توبہ در خواست تھی نہیں، پھر کیا بات تھی کہ اتنی سی بات پر ایسی سخت وعید؟ - معلوم ہوا کہ غیرت الہی اس کی مقتضی تھی کہ میرے حبیب کی کسر شان کسی قسم سے ہونے نہ پائے اور صحابہ بھی ہمیشہ خائف ترساں اور لرزاں رہے کہ کہیں ایسی حرکت صادر نہ ہو جائے جس سے غیرت الہی جوش میں آجائے، پھر جب حضور ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو گئے تو کیا ان کی محبوبیت میں کچھ فرق آگیا؟ اور غیرت کبریائی میں معاذ اللہ کچھ تغیر واقع ہو گیا؟ - وہ کون مسلمان ہے جو صفات الہیہ میں کسی قسم کے تغیر کی گنجائش روا رکھتا ہو؟ - ہماری نظر سے وہ روپوش ہیں، ان کی نظر سے تو ہم روپوش نہیں؟ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ آیت مذکورہ ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشرحون کو پیش نظر رکھا اور حضور کے ساتھ ظاہر و باطن میں ویسا ہی مؤدب ہے جیسے صحابہ کا حال رہا، یہ نہ خیال کرے کہ حضرت کے رو برو ادب کی ضرورت تھی، اب نہیں۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور کا ادب اب بھی فرض ہے اور آپ کی بے ادبی کفر۔ کہ غیرت الہی اس بات کو ہرگز گوارا نہیں کرتی کہ ان کو ان کا نام لے کر بھی پکارا جائے چنانچہ

لَا تَجْلِسُوا دَعَاءَ الرَّسُولِ كَدَعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا

یعنی مسلمانوں رسول کا پکارنا اپنے درمیان ایسا نہ ٹھہرا لو جیسے آپس میں تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

یعنی کہ دعاء احدکم اذ دعاہ باسمہ وکن وقرح کا وعظیوہ و قولوالہ یا س رسول اللہ یا نبی اللہ۔

فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ کا یہ مطلب ہے کہ حضور کا پکارنا ایسا نہ ٹھہراؤ جیسے تم میں سے کوئی اپنے بھائی کو اس کا نام لے کر پکارتا ہے ولکن ان کی توفیر و تعظیم کرو اور یوں پکارو یا س رسول اللہ! یا نبی اللہ!

طرفہ یہ کہ خود حق تعالیٰ نے بھی تمام قرآن شریف میں حضرت کو نام کے ساتھ کہیں خطاب نہ فرمایا بلکہ جب خطاب کیا تو یا ایہا النبی! یا ایہا الرسول! یعنی یا ایہا المنزل

یا ایتھا المدثر! کے ساتھ کہ جو یا توصفات کمالہ کو متضمن ہیں یا انداز محبوبانہ۔ برخلاف دوسرے انبیاء کے کہ باوجود ان کی جلالتِ شان کے نام ہی کے ساتھ خطاب ہوا کیا، جیسا کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے پر ظاہر ہے۔

یا آدم است با پدر انبیا خطاب

یا ایتھا النبی خطاب محراب است

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف میں گویا ایک قسم کا التزامِ نعت نبوی کا کیا گیا ہے، اس کو میں کچھ وضاحت کے ساتھ بیان کرتا لیکن چون کہ یہ ایک علمی بحث ہے عوام کو فائدہ نہ دے گی اس لئے اس کے لئے معذور ہوں لیکن اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ بجائے حکم یعنی بجائے نام کے، خاص اوصاف ہی کے ذکر کرنے سے معاموم ہوتا ہے کہ جہاں نداء مقصود ہے وہاں نعت بھی ایک مقصود اصلی ہے۔

باوصافش رسید کے تو انداز انبیا اورا

کہ تا نعتش نمی گوید نمی خواند خدا اورا

یہاں مجھے صرف یہ بتلانا تھا کہ انسان کو چون کہ قوتِ مدد کہ عطا فرمادی گئی ہے اس لئے ان کا امتحان لیا گیا ہے کہ دیکھیں انسان اس قوت سے کام لے کر کیوں کر میرے محبوب کی عظمت کو قلب میں جگہ دیتے ہیں۔

(ج)

اب ہے مخلوق میں سے وہ افراد جن کو قوتِ مدد کہ عطا نہیں کی گئی تو ان کے قلوب میں تو بلا واسطہ حضور کی پہچان اور عظمت و اطاعت بیوست کر دی گئی ہے، ایسے افراد عالمِ علوی کے ہوں، خواہ عالمِ سفلی کے، سب میں یہ مادہ موجود ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور کو ادب نے سجدہ کیا تو صحابہ نے عرض کیا حضور جانور بھی آپ کو جانتے ہیں؟ - ارشاد فرمایا کہ "سو اے کافر انسان و جنات کے سب مجھے جانتے اور پہچانتے ہیں"۔ عالمِ علوی کے بڑے افراد چاند و سورج شمار کئے جاتے ہیں جن کا یہ حال ہے حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضور کے چچا ایک مرتبہ حضور سے عرض کرتے ہیں کہ میرے اسلام لانے کا باعث آپ کی نبوت کی ایک علامت ہوئی اور وہ یہ کہ میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ جھولے میں چاند کی طرف جدھر اشارہ کرتے

ہیں اسی طرف جھک جاتا تھا، اپنے فرمایا کہ میں اس سے باتیں کیا کرتا تھا اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اس طرح وہ مجھے رونے سے باز رکھتا تھا اور جب عرش کے نیچے سجدہ کرتا تھا تو میں اس کے گرنے کی آواز سنتا تھا۔

یہ تو تھا آپ کے بچپن کا حال، اور جوانی کے زمانے کا حال تو خود قرآن کریم بیان فرماتا ہے کہ

اقترب الساعة والنشق القمر (القمر: ۱)

یعنی نزدیک ہوئی قیامت اور بھٹ گیا قمر۔

جس کا واقعہ حدیثوں میں اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ قبل ہجرت کے مکہ معظمہ میں ابو جہل ولید بن مغیرہ اور عاص بن دائل وغیرہ کفار قریش نے جمع ہو کر حضور سے عرض کیا کہ اگر تم سچے ہو چاند کے دو ٹکڑے کر دو۔ فرمایا اگر میں ایسا کر دوں تو تم ایمان لاؤ گے؟ انہوں نے کہا کہ تم ایمان لے آئیں گے۔ اپنے چاند کی طرف اشارہ فرمایا چاند دو ٹکڑے ہو گیا اور دونوں ٹکڑے اتنے فرق سے ہو گئے کہ بتوں مرا ان دونوں کے درمیان نظر آنے لگا۔ حضور نے پکار کر فرمایا کہ او فلا نے فلا نے دیکھ لو اور گواہ رہو۔ لیکن جس کی قسمت میں جہنم ہی لکھی ہو وہ کیا ایمان لاسکتا تھا، کہنے لگے کہ یہ تو سحر ہے۔ ابو جہل نے کہا اگر یہ سحر ہے تو تم ہی پر تو ہو گا سارے زمین والوں پر تو نہیں ہو سکتا۔ دوسرے شہر والوں سے پوچھا تو انہوں نے بھی بیان کیا کہ ہم نے بھی چاند کا شوق ہونا دیکھا۔

نوٹ :- چاند کے متعلق جدید انکشافات سے شاید بعض حضرات معجزہ شوق القمر کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہوں مگر نہیں عین ممکن ہے کہ یہ انکشافات اس معجزے کے لئے بعض شواہد مہیا کر دیں، یہ مہتمم بالشان معجزہ ہے جس کا قرآن کریم نے بطور خاص ذکر فرمایا ہے۔ عہد نبوی کی چند ہستان کی دینی کتب میں بھی اس معجزے کا ذکر ملتا ہے جس کو حضرت مولینا رکن الدین شاہ الوری نے شرح و بسط کے ساتھ اپنی تالیف توحیح العقائد (مطبوعہ دہلی) میں بیان فرمایا ہے۔

درتیب

اب آفتاب کی حکم براری ملاحظہ فرمائیں، موضع صہبہ میں حضور، حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے زانو مبارک پر سر رکھ کر سو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر پڑھی پڑھی تھی جس کی وجہ سے سخت بیچین تھے، لیکن یہ بھی ناگوار تھا کہ حضور کے آرام میں خلل آئے، یہاں تک کہ آفتاب غروب ہو گیا، جب مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے چہرے پر پشانی کے آثار ملاحظہ فرمائے تو دریافت فرمایا کہ تم نے نماز عصر پڑھ لی؟ - عرض کیا نہیں۔ حضور نے آفتاب کی طرف اشارہ کیا، آسمان بیان کرتی ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آفتاب لوٹ آیا، یہاں تک کہ دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پڑی، مولینا احمد رضا خاں صاحب نے اسی واقعہ کی طرف اپنے بعض اشعار میں اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں ۵

مولیٰ علی نے واری تری نیند پر نماز
صدیق بلکہ غار میں جان اس پر دے چکے
ہاں تیرے ان کو جان، انہیں پھیری نماز
ثابت ہوا کہ جملہ فرائض شروع ہیں
اور وہ بھی غم سب سے جو اعلیٰ سطر کی ہے
اور حفظ جان تو جان فروض غم کی ہے
پر وہ تو کر چکے تھے جو کرنی بشر کی ہے
اصل الاصول بندگی اس تا جو رکھی ہے

ان اشعار میں ایک ججزہ کی طرف اشارہ کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ صدیق اکبر جب حضور کو لے کر غار ثور میں گئے تو دیکھا کہ جا بجا اس میں سوراخ ہیں اس خیال سے کہ کوئی بانور حضور کو تکلیف دے اپنے کپڑے بھاڑ کر سوراخوں کو بند کر دیا، ایک سوراخ باقی رہا تو اس میں اپنے پاؤں کا انگوٹھا رکھ دیا اور حضور کو اندر بلا لیا، حضور نے ان کے زانو پر سر اقدس رکھ کر آرام فرمایا، اس غار میں ایک سانپ مشتاق زیارت رہتا تھا اس نے اپنا سر صدیق اکبر کے انگوٹھے پر ملا مگر یہ جان نثار کبلا س کی سنتے تھے، اس خیال سے کہ جان جائے لیکن محبوب کے آرام میں خلل نہ آئے، پیر نہ اٹھایا، مجبوراً اس نے پاؤں میں کاٹ لیا، حضور جب بیدار ہوئے تو یہ واقعہ معلوم کر کے صدیق اکبر کے پاؤں پر لعاب بن لگا دیا، فوراً سکون آ گیا لیکن ہر سال وہ نہر عود کرتا آخر اس سے شہادت پائی۔

عمر بن العاص کی والدہ بیان کرتی ہیں کہ میں بوقت ولادت حضور، حاضر تھی تو جب آپ پیدا ہوئے تو میں نے دیکھا کہ سارا گھر نور سے بھر گیا اور ستارے اس قدر قریب

ہو گئے تھے اور لٹک آئے تھے کہ میں نے گمان کیا کہ اب یہ زمین پر گر پڑیں گے۔
اب ذرا آسمان سے نیچے کا سماں ملاحظہ کیجئے، ایک مرتبہ آپ جمعہ کا خطبہ فرما رہے
تھے کہ ایک خرابی کھڑا ہوا اور عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ! مال ہلاک ہوا جا رہا ہے اور
ہماری عیال بھوکوں مر رہی ہے، مدینہ طلب فرمائیں۔“ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھائے
اس وقت ابر کے کسی ٹکڑے کا بھی نشان نہ تھا، راوی کہتے ہیں کہ ابھی آپ ہاتھ نہ کھنے
نہ پائے تھے کہ بادل ہر طرف سے پہاڑوں کی مانند گھر آئے اور آپ ابھی مہر سے
اترنے نہ پائے تھے کہ ریش مبارک سے بارش کے قطرات گرنے لگے، سو اس جمعہ
سے دوسرے جمعہ تک برابر بارش ہوتی رہی، دوسرے جمعہ کو پھر کسی نے کھڑے ہو کر
عرض کیا کہ ”حضور مکان گر رہے ہیں، مال ڈوبا جا رہا ہے۔“ آپ نے پھر دونوں دست
مبارک اٹھائے اور فرمایا کہ ”ہمارے گرد برسے نہ ہم پڑے۔“ اب بعد میں آپ نے اشارہ
فرمایا اور صریح سے ابر کھل گیا یہاں تک کہ مدینہ پر تو پانی بالکل موقوف ہو گیا اور اطراف
میں برسات رہا، اطراف سے جو لوگ آتے تھے مدینہ کی کثرت بیان کرتے تھے، اس
معجزے میں پانی اور موادوں کی اطاعت ظاہر ہے۔

اب اور نیچے آئیے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے کہ میں حضور کے ساتھ تھا
حضور اطراف مکہ کی طرف نکلے، سو میں نے دیکھا کہ جو درخت یا پہاڑ سامنے آتا تھا وہ
کہتا تھا ”السلام علیک یا رسول اللہ“۔

ایک مرتبہ حضور جبیل احد پر تشریف فرما ہوئے اور آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر و عثمان
رضی اللہ عنہم بھی تھے تو حضور کے جاہ و جلال کی برداشت نہ لاکر پہاڑ تھر تھرانے لگا، آپ
نے پائے مبارک مارا اور فرمایا کہ او احد شہر تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق ہے
اور دو شہید ہیں۔ اس معجزے میں جہاں پہاڑ کی اطاعت پر روشنی پڑتی ہے وہاں
غیب کی خبر پر بھی کہ عثمان و عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ بھی بتلا دیا کہ یہ دونوں شہید
ہونے والے ہیں۔

اب اور نیچے آئیے، جب مکہ معظمہ سے حضور نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ
مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی تو سراقہ بن مالک نے آپ کا پیچھا کیا اور سراغ لگاتا
ہوا آپ کے قریب پہنچ گیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ہمیں ایک شخص نے

آلیا فرمایا :-

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

ترجمہ :- تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

پھر اپنے زمین کو حکم دیا کہ :-

يَا اَرْضُ خُذِي

اَوْزَمِيْنَ اِسْ كُو بَحْرِيْ

اس کا گھوڑا پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا۔ چلایا کہ ”مجھے نجات دیجئے، میں تمہارے طلب کرنے والوں کو بھی پھیر دوں گا۔“ اور اس پر اس نے قسم کھائی، حضور نے دعا کی اور اس نے نجات پائی، اس معجزے کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے مقابل آپ نے دیکھیں گے تو دیکھیں گے کہ اس معجزے میں رحمت کا پورا منظر نظر آئے گا کہ حضرت موسیٰ سے قارون کمال زاری و عاجزی کرتا رہا لیکن انہوں نے کچھ رحم نہ کیا ابھی جہت سے نازل ہوئی کہ موسیٰ تم سے قارون نے کس قدر زاری اور عاجزی کی مگر تم اس سے رہانے پر ہی جسے رہے، میری جناب میں اگر ایک مرتبہ بھی عرض کرتا تو میں اس کو نجات سے دیتا۔“ اب حضور کے اس معجزے پر نظر ڈالیں کہ سراقہ نے ادھر عاجزی کی اور ادھر رحمت جوش میں آئی اور اس کو اس عذاب سے نجات دیدی بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ تین مرتبہ ایسا ہی واقعہ ہوا کہ جب اس نے زاری کی، نجات دے دی اور جب اس نے کچھ شرارت کرنی چاہی، دھنسا دیا، کیا آپ کو کوئی ایسا کریم نظر آتا ہے کہ بار بار خطائیں کرنے پر چھوڑتا ہے۔

اب آئیے دیکھئے پانی پر کسی حکومت تھی۔ حضور نے تو بکثرت وریا ہائے ہیں کھاری کنوؤں کو میٹھا ہی کیا ہے، یہاں یہ بتلا دوں کہ حضور نے اس حکومت کا کچھ حصہ اپنے غلاموں کو بھی عطا فرمایا ہے یا نہیں؟۔ مصر جب فتح ہوا تو لوگوں نے وہاں کے حاکم حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے کہا تو وہیں کی یہ عادت ہے کہ جبک ہر مہینہ ہم ایک کنواری (لڑکی) کا بھینٹ نہیں چڑھاتے، یہ جاری نہیں ہوتا۔ آپ نے فرمایا کہ اب اسلام میں یہ بات نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جب ایسا نہ کیا گیا تو وہ تین ماہ تک جاری نہ ہوا، لوگ بے تک ہوسے اور شہر چھوڑنے پر آمادہ ہوئے

تو عمر بن عاص نے خلیفہ المسلمین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ کی اطلاع دی، حضرت نے ان کو ایک قلعہ لکھ کر بھیجا کہ اسے رود نیل میں ڈال دو۔ اس میں تحریر فرمایا تھا:۔
 عمر کی طرف سے۔ اور رود نیل! اگر تو اپنے آپ جاری ہوتا ہے تو جاری نہ ہو اور واحد قہار کے حکم سے جاری ہوتا ہے تو ہماری اس ہی سے شکایت ہے کہ وہ تجھے جاری کر دے۔

چنانچہ جس رات عمر بن عاص نے وہ قلعہ ڈالا، اسی رات وہ جاری ہو گیا۔
 اب نظر کیجئے شجر اور پتھروں کی جانب، ایک جہاد کے سفر میں آپ کو رسول اللہ علیہ وسلم، قضائے حاجت کی ضرورت پیش آئی تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ”دیکھو کہیں درخت یا پتھر ہیں۔“ انہوں نے عرض کیا، ”ہاں۔“ فرمایا جا کر ان سے کہو کہ رسول اللہ تمہیں حکم کرتے ہیں کہ اکٹھے ہو جاؤ۔ سو وہ کہتے ہیں کہ جب میں نے جا کر کہا تو خدا کی قسم ایک دم درخت قریب ہو کر ایک جگہ ٹل گئے اور پتھر بھی مل کر مثل دیوار ہو گئے۔ حضور نے اس کے پیچھے بیٹھ کر قضائے حاجت کی جب فارغ ہوئے تو فرمایا ”ان سے کہو کہ اب یہ حکم ہے کہ علیحدہ ہو جاؤ۔“ وہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرا یہ کہنا تھا کہ وہ علیحدہ ہو کر اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔

اب آگ کی طرف توجہ کیجئے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے مکان پر ایک مرتبہ مہمان آئے، خادمہ جب دسترخوان لائی تو وہ نہایت میلان تھا، حضرت انس نے خادمہ سے فرمایا کہ اس کو تنور میں ڈال دو چنانچہ اس نے تنور میں ڈال دیا۔ مہمانوں کو بڑی حیرت ہوئی اور اس انتظار میں رہے کہ اب اس کو فواشقی ہے اور دھوا نکلے گا مگر وہاں نہ فواشقی اور نہ دھواں نکلا۔ کچھ دیر کے بعد تنور پر دسترخوان تو نہایت سپید میل کچیل سے پاک نکلا، مہمان حیران رہ گئے۔ دریافت کیا کہ لے آئے! یہ کیا معاملہ ہے، آگ نے اس کو جلایا نہیں؟ فرمایا کہ ”یہ کیسے جل سکتا تھا اس دسترخوان سے تو میرے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک لاد دھن شریف پونچھے تھے تو آگ کی کیا مجال کہ اس پر اثر کر سکے؟ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ اس معجزے کو شنوی شریف میں لکھ کر فرماتے ہیں:-
 اسے دل ترسندہ از نار و عذاب باچان دست لبے کن اقتراب

پوں جمادی را چنیں تشریف اد جان عاشق را چہا خواہد کشاد

دل بہ محبوب مجازی بستہ ایم
رشتہ مابک تو لائیں بس است
مستی او تا بخون مسادوید
عشق او سرمایہ جمعیت است

نہیں جہت مابک دگر پیوستہ ایم
چشم ماز اکیف صہبائیں بس است
کہنہ را آتش زدو نو آفرید
ہم چو خون اندر عروق ملت است

(اقبال : اسرار بخودی، ص-۱۹۰)

(نوٹ) یہ تقریر آخر میں کچھ نامکمل معلوم ہوتی ہے، مسودے میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا نقل کر دیا گیا، ممکن ہے کہ کسی دوسرے مسودے میں اس تقریر کو مکمل فرمایا ہو۔
(مرتب)

درود و دعاء

(۱)

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ لِيَكُونَ لِلْعَالَمِينَ
نَذِيرًا مِّنْ سُلْطَانٍ مَّجِيدٍ رَّحِيمًا لِّلْعَالَمِينَ بَشِيرًا مِّنْ آيَاتِ
بَيِّنَاتٍ فَعَلِيهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَأَشْرَفُ التَّسْلِيمَاتِ وَعَلَى
أَهْلِ الْكُرْمَاءِ الْبِرَّةِ وَحِكْمِهِ الرَّحْمَاءِ الْخَيْرَةِ - إِمَّا بَعْدُ
فَقَدْ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ
آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (الاحزاب: ۳۳)

باری تعالیٰ اپنے کلام سچے نظام میں ارشاد فرماتا ہے کہ بیشک و شبہ اللہ
تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پر درود بھیجتا ہے اور ملائکہ بھی حضور سرور کائنات
پر درود شریف کے تحفے بھیجتے ہیں تو اسے ایمان والوں تم بھی میرے
حبیب پاک پر درودوں کے تحائف اور سلام پیش کرو، ایسا سلام کہ
سلام کا حق ادا ہو جائے۔

تو اس آیت کریمہ میں مولا نے کریم اپنے محبوب کے محبتوں کے لئے ایک نہایت سہل
نور اثر اور غایت درجہ قوت ایمانی اور ترقی درجات کی تحصیل کے لئے اور امراض
روحانی سے شفا پانے کے لئے ایک مجرب نسخہ عطا فرمایا ہے اور انہما درجہ کا
مشوق دلانے کے لئے سب سے اول یوں ارشاد فرماتا ہے :-

إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ

کہ یہ خود ہمارا فعل ہے جو ہم تم کو اپنے کرم سے عطا فرماتے ہیں اگر تم نے اب بھی
اس میں کوتاہی کی تو آخر کار سوائے حسرت و افسوس کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اور اگر اپنے دل میں شیطانی وسوسوں کو جگہ دی اور اس کے برخلاف چلے تو ایمان بھی ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

عربی میں "صلوٰۃ" کے چند معنی آتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی تو "دعاء" کے ہیں لیکن یہ معنی چوں کہ باری تعالیٰ کے حق میں صحیح نہیں ہوتے اس لئے بعض مفسرین نے اس تعالیٰ کے حق میں "رحمت" کے معنی لئے ہیں اور ملائکہ کے حق میں "استغفار" کے معنی لئے ہیں اور مسلمانوں کے حق میں "دعاء" کے لئے ہیں تو اس صورت میں آیتہ کریمہ کے یوں معنی ہوں گے :-

صلوٰۃ کے معنی

رحمت و استغفار وغیرہ

"اللہ تعالیٰ حضور پر رحمت نازل فرماتا ہے اور ملائکہ آپ کے لئے استغفار کرتے ہیں تو مسلمانو! تم ان کے لئے دعا کیا کرو۔"

لیکن وجدانِ سلیم گواہی دیتا ہے کہ یہ معنی اگر لئے جائیں تو کلام کا اول و آخر یا ہم مرتب نہیں ہوتا اور ایک مقام کے معنی کا دوسرے مقام کے معنی سے کچھ تعلق ہی معلوم نہیں ہوتا اس لئے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے درود سے مراد ملائکہ کے سامنے حضور کی صفت و ثناء بیان کرنا ہے، صاحب روح البیان نے بھی اسی معنی کو پسند کیا ہے اور اس معنی کی صحت کے لئے انہوں نے چھ وجہیں قائم کی ہیں اور کہا ہے کہ یہاں رحمت کے معنی صحیح نہیں ہو سکتے، جن میں سے ایک نے جبر یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

صفت و ثناء بیان کرنا

أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ (البقرہ : ۱۵۷)

یعنی ان لوگوں پر حق تعالیٰ کی صلوات ہیں اور رحمتیں۔

تو یہاں رحمت کا عطف صلوات پر ہے اور عطف مغائرت کا مقتضی ہوتا ہے پس معلوم ہوا کہ رحمت، صلوات کا غیر ہے۔ اور جب رحمت صلوات کا غیر ہے تو اس کا عین کیسے ہو سکتا ہے؟ - تو اس لئے ان علماء کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے جو اس کے معنی صفت و ثناء کے لیتے ہیں تو یوں اس معنی کے لحاظ سے تینوں مقام کا مضمون ایک ہو جاتا ہے تو آیتہ کریمہ کے معنی یوں ہوں گے :-

اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام ملائکہ حضور کی صفت و ثناء بیان کرتے ہیں تو مسلمانو! تم بھی ان کی تعریف اور صفت و ثناء بیان کیا کرو۔

لیکن چون کہ تم سے ان کی تعریف کا حق اور ہونا دشوار ہے اس لئے تم اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ الہی ہماری طرف سے بھی تو ان کی صفت و ثناب بیان فرمائیں اس طرح دعا کا یہ اثر ہوگا کہ تمہاری قوت ایمانی اعلیٰ درجہ کی ہو جائیگی اور تم خود اللہ کی صفت و ثناب کے قابل ہو جاؤ گے یعنی اللہ تعالیٰ خود تمہاری صفت و ثناب ملاحظہ کے سامنے بیان فرمائے گا۔

میں اپنے ابتداء کلام میں کہا تھا کہ درود شریف امراض روحانیہ سے شفا یاب نبی نے کا مجرب نسخہ ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ صوفیئے کرام یعنی سالکین راہ طریقت پہلے اسی کی تلقین کرتے ہیں، وہ کس لئے؟۔ اسی لئے کہ امراض روحانیہ اس سے دور ہو جائیں جنہوں نے اس کو بوجھل کر رکھا ہے اور اس راہ میں ایک قدم چلنا اس کے لئے دشوار ہے اس کے بعد ہی تو ذکر الہی کی ان کو مخرج یا قوتی دی جاتی ہے تاکہ وہ اس راہ میں شہ سواروں کی طرح گام زن ہوں، جسمی امراض کے لئے مسہلات کی آپ نے خاصیت دیکھی ہوگی کہ وہ مادہ فاسدہ کو تو ضرور نکالتے ہیں لیکن ساتھ ہی جسم کو غایت درجہ کمزور کر دیتے ہیں لیکن درود شریف وہ ہے کہ جہاں مادہ معصیان کا اخراج کرتا ہے وہاں روح کو بھی اس قدر قوت بخشتا ہے کہ بعض سالکین اسی قوت کی وجہ سے اصل باللہ ہو گئے۔

ہاں تو ذرا غور فرمائیے کہ حضور سر کائنات کے صدقے و طفیل میں کن کن نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا گیا ہے کہ ہم ناچیزوں سے باری تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے صَلُّوا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوا تَسْلِیْمًا کہ تم بھی ان کی صفت و ثناب بیان کرو، تو بھلا چہ نسبت خاک کے ابا عالم پاک؟۔ ہم ناچیزوں سے اور وہ خطاب فرماتا ہے؟۔

اللہ اکبر! تو یہ نعمت اور رحمت کس کے طفیل میں ملی؟۔ یہ رحمت میرے آقائے نامدار حضور سر کائنات کے طفیل میں ملی ہے جس کی عظمت و شان میں باری تعالیٰ خود ارشاد فرماتا ہے :-

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ (الانبیاء: ۱۰۷)

(اے پیارے حبیب) ہم نے آپ کو تمام عالم کے لئے رحمت کاملہ بنا کر بھیجا ہے۔
تو جب آپ مجسمہ رحمت ہیں تو ظاہر ہے کہ رحمت کے طفیل تو رحمت اور نعمت ہی سے نوازا جائے گا۔

بعض علماء کرام اس آیت کریمہ کی شان نزول میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ

چوں کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے انعامات و اکرامات ہم پر کچھ کم نہیں، مختصراً یوں سمجھنا چاہیے کہ جب حضور سرور کائنات کا نور عالم فلکی میں ظہور میں آیا تو اس نور نے لاکھوں برس اپنے مولیٰ کی عبادت کی توجہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ اے حبیب کچھ طلب فرمائیے؟ — تو میرے آقائے نامد از سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ عبادت جو لاکھوں برس کی تھی وہ شانِ امتِ پُرزری سے امت کو مرحمت فرمادی اور اس عبادت کے صلے میں امتِ عاصی کی مغفرت طلب فرمائی حالانکہ اس وقت تک امت کا ظہور بھی نہ ہوا تھا اور پھر جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی میں تشریف لائے تو جب بھی آن حضرت نے اس امتِ عاصی کی مغفرت چاہی اور جب تک اس عالم دنیا میں حیاتِ ظاہری کے ساتھ قیام فرما رہے ہیں ہمہ تن مغفرتِ امتِ عاصی میں مصروف رہے اور ایک شب کیلئے بلکہ ایک لمحہ بھی اس امت کی فکرِ نجات سے بے فکر نہ رہے۔

امتِ پُرزری

کوئین کاظم، یاد خدا، دردِ شفاعت

دولت ہے یہی دولت سلطانِ مدینہ

اور یہاں تک کہ شبِ معراج میں اور اس قربِ خاص میں بھی اس امتِ عاصی کو فراموش نہ فرمایا۔ اس پر بھی بس نہیں بلکہ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ قبر شریف میں بھی آپ نے اپنی اس امتِ عاصی کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، حضور کے لبِ مبارک کو جنبش ہو رہی تھی جب سنا تو امتِ عاصی کے لئے مغفرت طلب فرمائی جا رہی تھی سبحان اللہ، سبحان اللہ! کیا کیا احسانات و اکرام ہیں اور کیسی محبت کہ ایسی محبت تو والدین کو اپنی اولاد سے بھی نہیں ہو سکتی، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے یہ

اپنی جانب سے ہر ایک سانس پہ غفلت پائی

ان کی جانب سے محبت ہی محبت دیکھی

اس کے بعد بھی آن حضرت بس فرمائیں گے بلکہ جب یومِ قیامت آپ قبر شریف سے باہر تشریف لائیں گے تو سب سے پہلے حضرت جبریل علیہ السلام سے اس امتِ عاصی کے لئے دریافت فرمائیں گے اور میدانِ حشر میں جب کہ کہیں گے اور نبی اذہبوا الیٰ غیرہی مرے جیسے لب پہ انا لہا ہوگا

اور شفاعت فرمائیں گے اور جب کثرتِ عصیان سے کسی استی کا سرنگوں ہو گا تو آپ جوشِ
 محبت میں آکر اس کو اپنے دامنِ پاک میں ڈھانپ لیں گے۔
 بڑھ کے آنکھوں میں کرم نے مجھے اپنا ہی لیا
 حشر میں جب مرے چہرے پہ ندامت لکھی

تو ابلانِ احسانات و اکرام کا شکر یہ کیسے ادا ہو؟ - تو ہم ناچیزوں سے تو کبھی اس
 کا شکر یہ ادا ہو ہی نہیں ہو سکتا تھا لیکن یہ بھی اس کا کرم دیکھئے کہ اگرچہ ہم کتنے ہی
 نا اہل ہوں لیکن جوشِ محبت کا یہ تقاضہ نہیں ہے کہ ہم کو اس نعمتِ عظمیٰ سے
 فراموش کر دیا جائے۔ ذرا غور تو کیجئے آپ کو ایسی محبت کسی اور جگہ اور کسی
 اور میں مل سکتی ہے؟ مگر یہ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو صاحبِ نظر ہیں اور
 جو صاحبِ نظر نہیں ان کے لئے نعمتوں سے نوازا جانا اور نہ نوازا جانا دونوں
 برابر ہیں۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے
 دیدہ گور کو کیا آئے نظر، کیا دیکھے؟

(ب)

بہر حال جب یہ دیکھا کہ ان سے کسی صورت سے بھی احسانات کا شکر یہ ادا ہی
 نہیں ہو سکتا تو جوشِ محبت میں آکر ارشاد فرمایا :-

صَلُّوا عَلَيَّ، وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا

کہ مسلمانوں تم بھی ان کی تعریف اور صفت و ثنا بیان کیا کرو کہ یہی تمہارے لئے
 سلاحِ دنیوی اور نجاتِ اخروی کا باعث ہے، اور یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ
 نے درود شریف کی وجہ سے دعاء کو مقبولیت عطا فرمائی، کہ جو شخص اپنی دعاء
 کے اول و آخر درود شریف پڑھے گا اس کی دعاء ضرور مقبول ہوگی لیکن
 ساتھ ہی ساتھ اس کا خلوص و صدق بھی ضروری ہے اگر خلوص نہ ہو تو اس کا
 ظہور بھی نہیں ہوگا جیسا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے :-

تَوْبَتُهُ سِوَا تَوْبَتِي لَمْ يَكُنْ مَعَهُ حَقٌّ يَكْفُرُ بِهِ

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی دعائیں ایسی ہیں کہ جو صدق دل سے
کی جاتی ہیں مگر پھر بھی ان کا ظہور نہیں ہوتا اور وہ مقبول نہیں ہوتیں، یہ ٹھیک ہے کہ ان
کا ظہور نہیں ہوتا لیکن یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مقبولیت حاصل نہیں کرتیں چونکہ ایسا
اکثر ہوتا ہے کہ ایک باری آرزو یا کوئی مقصد جس کو ہم اپنے فہم میں یہ سمجھ رہے
ہیں کہ یہ ٹھیک ہے لیکن وہاں اس کے برعکس ہو رہا ہے کہ بجائے فائدے کے
نقصان پہنچتا ہے، چنانچہ باری تعالیٰ قرآن کریم میں خود فرما رہا ہے :-

دعا کا ظہور نہ
ہونے کا وجہ

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ
تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ - (البقرہ : ۲۱۶)

ترجمہ :- اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جس کو تم بُرا سمجھتے ہو وہ تمہارے لئے
اچھا ثابت ہوتا ہے اور جس کو تم اچھا سمجھتے ہو وہ تمہارے لئے بُرا
ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ کیوں ہے؟ محض ہمساری نادانی اور کم علمی کی وجہ سے۔ خیر حقیقی کا علم تو
باری تعالیٰ کو ہے وہ کیسے گوارا فرمائے کہ میرے محبوب کی امت کو نقصان و
تکلیف پہنچے، وہ ہم سے والدین سے بھی زیادہ انسیت و محبت رکھتا ہے، نقصان نہ
پہنچنے دینا، ان کی عین محبت و شفقت ہی تو ہے، مثال کے طور پر اس کو یوں
سمجھئے کہ ایک بچہ بیمار ہے اور وہ اپنے ماں باپ کے وہ چیز طلب کر رہا ہے کہ جو
اس کو نقصان دیتی ہے تو وہ اس کو محبت و شفقت کی بنا پر نہیں دیتے نہ یہ کہ اس
بچے سے کچھ دشمنی ہے تو اسی طرح باری تعالیٰ کا اس دعاء کو ظہور میں لانا ہی
عین شفقت و رحمت ہے، مولانا روم فرماتے ہیں :-

بس دعا کاں زیان است و ہلاک
وز کرم می نشود نیردان پاک

بہت سی دعاؤں میں نقصان و ہلاکت مضر ہوتی ہے اس لئے حق جل مجد
ایسی دعاؤں کو بقا ضائے کرم سنتا ہی نہیں۔

مگر یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ دعاء جس کا دنیا میں ظہور نہیں ہوا، رد کر دی جاتی ہے
جیسا کہ اس دور میں بعض حضرات کا خیال ہے، ہرگز ایسا نہیں ہے، قبولیت

دعاء کا دنیا میں ظاہر نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ حقیقی میں بھی اس کے
ثمرات سے محروم رکھا جائے گا، ہاں دعا کرنے والے پر یہ لازم ہے کہ وہ دعا کے
آداب کو ملحوظ خاطر رکھے، اگر یہ آداب ملحوظ خاطر نہ رکھے گئے تو عین ممکن ہے کہ
دعاء رد ہی کر دی جائے اور آسمان تک پہنچ پائے۔

(۱۱) دعاء کے آداب میں ایک ادب یہ ہے کہ حرام روزی سے بچا جائے، یہ
زہر پلاہلی ہے جو کسی وقت دعاء یا عبادت کو قبول ہونے نہیں دیتی جہاں چہ
قال وہب بن منبہ بلغنی ان موسیٰ علیہ السلام مر
برجل قائم یدعو اویتضرع طویلاً وھوینظر الیہ قال
موسیٰ یا رب اما تستجیب لعبدک فاوحی اللہ تعالیٰ
الیہ یا موسیٰ لو انه بکی حتی تلفت نفسه ورافع یدہ
حق تبلیغ عنان السماء ما استجبت له فقال یا رب
لمذالك قال لان فی بطنہ الحرام وعلی جسدہ الحرام
وفی بیتہ الحرام۔

حضرت وہب بن منبہ روایت کرتے ہیں کہ جناب موسیٰ (علیہ السلام) ایک
جگہ سے گزرے، دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا دعا مانگتا ہے اور نہایت
آہ وزاری اور انکساری و عاجزی کرتا ہے مگر کسی طرح اس کی دعاء
قبول نہیں ہوتی، حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو ترس آیا، آپ نے جناب
باری میں عرض کیا کہ "یا الہی تو اس کی دعا کیوں قبول نہیں فرماتا؟"
ارشاد ہوا، "موسیٰ اگر یہ روتے روتے مر بھی جائے اور اپنے ہاتھ
آسمان تک بھی کر لے تو بھی اس کی دعا قبول نہیں ہوگی، عرض کیا
"یا اللہ کیا قصور ہے؟" - ارشاد ہوا کہ "حرام کا لقمہ اس کے پیٹ میں
ہے، حرام کا لباس اس کے بدن پر ہے اور حرام اس کے گھر میں
موجود ہے۔" (پس جب تک یہ بندہ ان محرمات سے ہمہ گیر نہ کرے گا
کبھی اس کی دعا قبول نہ ہوگی)

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :-

جب حاجی ناجائز مال لے کر حج کو چلتا ہے اور لبیک پکارتا ہے تو ایک ندا آسمان سے آتی ہے کہ تیری لبیک مقبول نہیں ہے نہ تجھے کچھ اجر ملے گا کیوں کہ سفر خرچ تیرا حرام کا ہے، کھانا تیرا حرام کا ہے، تیرا حج تو عبادت میں داخل نہیں ہے بلکہ گناہ میں شامل ہے۔

(۲) دعاء کا دوسرا ادب یہ ہے کہ دعا کرنے والا حضوری قلب کے ساتھ دعا کرے، غافل دل سے دعا کرنا بیکار محض اور رائیگاں ہے جہاں چہ نذر تیرا مجالس میں ہے :-

سأی موسیٰ ما جلا یدعو ویتضرع فقال یا رب لو کانت حاجتہ بیک لقصیتها فادعی اللہ لئلا یموسیٰ انا امر حمیہ منک ولكنہ یدعونی وقلبه عند غمہ وانا لا استجیب لمن یدعونی وقلبه عند غیری۔

حضرت موسیٰ نے ایک دفعہ ایک شخص کو بہت روتے دعا کرتے دیکھا تو جناب الہی میں عرض کیا، اہلی اگر اس کی حاجت میرے قبضے میں ہوتی تو میں اس کو پوری کر دیتا، ارشاد باری ہوا کہ موسیٰ ہم تم سے زیادہ رحم والے ہیں لیکن تمہیں خبر نہیں کہ یہ شخص دعا کے ہاتھ تو ہمارے سامنے پھیلائے ہوئے مانگ رہا ہے مگر اس کا دل ہماری جناب سے غافل ہے، بکریوں کے ریوڑ میں پڑا ہوا ہے اور ہم ایسے شخص کی دعا نہیں قبول کرتے جو دعا تو ہم سے کرے اور دل دوسرے کے پاس رکھے (جب یہ دل حاضر کر کے دعا کرے گا اسی وقت ہم اس کی دعا قبول کریں گے)۔

بہر حال اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دعا کے لئے حضوری قلب نہایت ضروری ہے، ورنہ وہی حال ہوگا جو بنی اسرائیل کا ہوا تھا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بنی اسرائیل نے بغیر حضوری قلب غافل دل سے بارش کے لئے دعا کی، بارش ہو گئی، کھیت اور باغات سرسبز و شاداب ہو گئے مگر جب غلہ کاٹنے کا وقت آیا تو سوائے بھس کے کچھ بھی برآمد نہ ہوا، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کیا کہ اہلی

بنی اسرائیل
سدا واقعہ

یہ کیا ہوا؟ ارشاد ہوا کہ نبی اسرائیل سے کہہ دو کہ جیسی تمہاری دعا تھی ویسی ہی اس کی قبولیت ہوئی، دعا زبانی تھی، دل سے نہ تھی اسی طرح اس کا اثر ظاہر میں تو ہوا مگر باطن میں نہ ہوا، باطن دعا کا بھی خالی تھا، باطن کھیتوں کا بھی خالی رہا، ہمیشہ تہہ دل سے دعا کرو، ظاہر باطن سے جناب باری کی طرف متوجہ ہو کر مانگو پھر دیکھو کس طرح دعا قبول نہیں ہوتی۔

(۳) آداب دعا میں تیسرا ادب یہ ہے کہ ناجائز امور اور محرمات کی طلب نہ کرے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ہمیشہ بندے کی دعا قبول ہو جاتی ہے مگر جب بندہ حرام چیز طلب کرتا ہے یا قطع رحمی کی دعا مانگتا ہے (تو اس وقت اس کی دعا قبول نہیں ہوتی) جیسے اکثر لوگ حرام شے یا حرام مال خدا سے طلب کرتے ہیں یا حرام پیشہ کرتے ہیں اور پھر اپنے پیشے یا کاروبار کی ترقی کی خدا سے دعا مانگتے ہیں، ایسے لوگوں کی دعا قبول نہیں ہوتی اگر ہوتی بھی ہے تو ایسی جیسے کفار کی قبول ہوتی ہے یا فرعون میری یہ کی دعا۔ قرآن کریم کا یہ ارشاد اسی طرف غمازی کرتا ہے :-

مَنْ كَانَ يُرِيدَ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَقٍ .

جو شخص ہم سے دنیا کے پھل پھول (حاجتیں) طلب کرتا ہے (اور آخرت کا کچھ خیال نہیں کرتا) ہم اسے دنیا سے دیتے ہیں لیکن آخرت میں اس کا کوئی حصہ باقی نہیں رہتا اور ایسا شخص بڑا بد نصیب ہے۔

(۴) آداب دعا کا چوتھا ادب یہ ہے کہ منعم حقیقی سے مانگتا ہی ہے تھک کر یا مایوس ہو کر دعا ترک نہ کرے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :-

بندے کی دعا قبول ہوتی ہے مگر بندہ جب تک جلدی نہ کرے، عرض کیا، یا رسول اللہ جلدی کرنے کے کیا معنی؟ فرمایا، جب بہت سی دفعہ دعا کر چکے اور قبولیت کا اثر نہ دیکھے تو کہے خدا میری دعا قبول نہیں فرماتا۔

ناجائز امور کی طلب نہ ہو

لگاتار دعا کرے

(پھر میں کیوں دعا مانگوں؟ - یہ خیال کر کے دعا کرنی چھوڑ دیتا ہے، پس ایسے شخص کی دعا قبول نہیں ہوتی)۔

یہاں یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ آپ مسلمان ہیں اور قرآن مجید پر آپکا ایمان ہے تو یہ جان لیں کہ خدا کی ذات عالی نہایت بے پڑاہ ہے، اس نے شیطان لعین کی دعا قبول فرمائی۔ جب شیطان حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کی بنا پر اذہ درگاہ ہوا اور اسے آسمان سے نکل جانے کا حکم ہوا تو اس نے دعا کی کہ اہلی مجھے قیامت تک کی عمر عطا کر دے:-

قال انظرنی الی یوم یبعثونہ قال انک من المنظرین

(الاعراف: ۱۴ و ۱۵)

اے اللہ مجھے قیامت تک کی مہلت دیدے، ارشاد ہوا کہ اے شیطان

تجھے قیامت تک کی مہلت دی۔

جب شیطان کی دعا قبول ہو سکتی ہے تو مسلمان کی دعا کیسے قبول نہیں ہو سکتی کب مسلمان شیطان سے بھی کیا گزرا ہے۔ (معاذ اللہ)

عرض کیا گیا کہ وہ منعم حقیقی تو فرعون کی بھی دعا قبول فرماتا ہے چنانچہ ابتداء زمانہ میں جب فرعون تخت نشین ہوا تو ملک مصر میں قحط سالی ہوئی، بارش نہیں ہوئی مصر کے لوگ فرعون کے پاس آئے کہ اے فرعون کھیت خشک ہو گئے، جاناور پیاسے مرنے لگے، دریائے نیل خشک ہو گیا، تو کیسا خدا ہے مینہ نہیں برساتا؟ کہا اچھا ہم کل مینہ برساتیں گے۔ دو ستر دن تاج سر پر رکھا، خلعت شاہانہ پہن کر، گھوڑے پر سوار ہو کر ایک پہاڑ کے غار میں گیا، وہاں پہنچ کر سر سے تاج پھینکا، سر پر خاک ڈال کر عرض کیا کہ اے خدا میں جانتا ہوں کہ مالک ملک تو تو ہی ہے، میں ایک نالائق بندہ ہوں، مگر میں نے دنیا خرید لی ہے اور آخرت بیخ ڈالی ہے تو میری دنیا میں کمی نہ کر۔ بس یہ عرض کرتے ہی اہمہ آیا اور فرعون کے ساتھ ساتھ مینہ برساتا چلنے لگا۔ اہل مصر نے یہ معاملہ دیکھ کر فرعون کو سجدہ کیا اس کی خدائی کا پورا پورا اعتقاد جم گیا۔ معاذ اللہ فرعون اور شیطان تو خدا سے نا امید ہوئے، اپنی اپنی حاجتیں مانگیں اور انہیں خدا نے دیں تو ہمیں کیوں

شیطان کی دعا قبول

فرعون کی دعا قبول

نہ دے گا؟ اتنا جان لینا چاہیے کہ دنیا ہی میں تمام حاجات کا پورا ہو جانا بڑے خطرے کی بات ہے، دعا کے پورے ہونے نہ ہونے کی حکمت تو وہی تعالیٰ خوب جانتا ہے، ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں، بندہ دعا کرتا رہے اور وہ قبول ہوتی رہے تو شاید بندگانِ خدا میں ہزاروں میں کوئی ایک آدمی ٹھیک نظر آئے اور اکثر گمراہ ہو جائیں۔

طہارۃ القلوب میں حضرت ابی سعید خدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فرمایا :-

دعا کا اثر

”جب کوئی مسلمان بندہ دعا کرتا ہے تو وہ دعا ضرور قبول ہو جاتی ہے بشرطیکہ کسی گناہ یا ناجائز بات کے لئے یا کسی بیگانہ مسلمان کی تکلیف دہی کے لئے دعا نہ کی ہو، لیکن اس کا اثر یا تو یہاں ظاہر ہو جاتا ہے یا دعا کا اثر دوسری صورت میں نظر آتا ہے کہ کوئی آسمانی یا دنیاوی بلا اور مصیبت اس بندے پر نازل ہونے والی تھی وہ اس کی دعا سے دفع ہو گئی اور اس بندے کو اس بلا کی خبر تک نہ ہوئی یا اس کی دعا کا اثر قیامت میں ظاہر ہو گا جو نہایت ضرورت کا وقت ہے اور وہاں ہر ایک مسلمان یہ تمنا کرے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ میری ایک بھی دعا دنیا میں قبول نہ ہوتی ساری کی ساری دعائیں آج ہی قبول ہوتیں۔“

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن رب العالمین اپنے بندوں کو سامنے بلا کر فرمائے گا :-

”اے بندو! دنیا میں ہم نے تمہیں حکم دیا تھا کہ تم دعا کرو ہم قبول کریں گے، بیشک اے رب درست ہے۔“ ارشاد ہو گا کہ تم نے جو دعائیں دنیا میں مانگی تھیں وہ سب ہم نے قبول فرمائیں۔“

”اے بندو! دیکھو تمہاری فلاں دن فلاں وقت کی دعا کا اثر دنیا میں ظاہر کرو یا تھا۔“ عرض کریں گے، ”ہاں بیشک!“ ارشاد ہو گا، تمہاری فلاں فلاں دعا فلاں وقت ہم نے قبول فرمائی مگر اس کا آخر ہم نے بدل دیا، اس دعا کے بدلے تم پر جو مصیبت آنے والی تھی ہم نے فلاں دعا کے سبب مصیبت دفع کر دی اور تمہیں اس کے بدلے

سب دعائیں قبول

سے بچالیا۔۔۔ عرض کریں گے، بیشک یا رب! یہاں ہی ہوا تھا۔۔۔
 پھر ارشاد ہوگا کہ، اے بندہ! تم نے فلاں دن فلاں وقت فلاں فلاں
 دعائیں مانگی تھیں مگر ہم نے اس کا کوئی نتیجہ دنیا میں ظاہر نہیں کیا
 بلکہ آج کے لئے رکھ چھوڑا ہے، لویہ تمہاری امانت موجود ہے۔۔۔
 پھر جو کچھ ان کی دعاؤں کے ثمران کے سامنے آئیں گے تو سب کے
 سب یہی تمنا کریں گے کہ الہی کاش ہماری کسی دعا کا اثر دنیا میں
 ظاہر نہ ہوتا، ساری کی ساری دعائیں آج کے لئے جمع رہیں تو
 کیا اچھا ہوتا۔۔۔

اب خیال فرمائیے کہ رب تبارک و تعالیٰ کا دعا قبول نہ کرنا اور آخرت کے لئے
 اٹھارہ کھنا، کمال شفقت کی دلیل نہیں تو اور کیا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ دنیا عالم فانی
 ہے، اس کی ہر شے فنا ہونے والی ہے، اس لئے جو نعمت عالم فانی میں عطا
 کی جائے گی اس کو بھی یقیناً فنا ہے تو امت محمدیہ علیہ التحیۃ و التسلیم پر باری
 تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ امت تو وہ چیز طلب کر رہی ہے جس کو فنا حاصل ہے اور
 اس کے عوض باری تعالیٰ وہ نعمت عطا فرماتا ہے جو لازوال ہے۔ اور جس کو
 کبھی فنا نہیں، یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ صدقہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کہ
 ہم عاصیوں کو ان گنت نعمتوں سے نوازا گیا ہے۔

اس حقیقت کو اس مثال کے ذریعہ بھی سمجھا جاسکتا ہے، بندہ مومن بمنزلہ
 نابالغ بچے کے ہے اور رب العالمین بمنزلہ ولی اقریب کے، اور مسلمانوں کی دعاؤں
 کا اثر بمنزلہ ایک ریاست کے ہے، اگر دنیا میں کسی نابالغ چھوٹے بچے کے
 حصے میں ایک بڑی ریاست آگئی تو کیا اس بچے کے اولیاء وہ ریاست دولت
 اس نا سمجھ بچے کے حوالے کر دیں گے، ہرگز نہیں، بقدر ضرورت اس کو دیں گے
 باقی اس وقت تک محفوظ رکھیں گے جب تک ریاست کے سنبھالنے کا اہل ہو جائیگا
 اسی طرح دعاؤں کے ثمرات رب العالمین اسی قدر عطا فرمائے گا جس قدر اس
 دنیا میں ضرورت ہوگی، باقی اہلیت اور لیاقت کے بعد عطا کئے جائیں گے،
 اسی لئے حق جل مجدہ ارشاد فرماتا ہے :-

دیکھو اور ولی اقریب
 کی مثال

عَسَىٰ أَنْ تَجِبُوا شَيْءًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا نُمُّ لَا تَعْلَمُونَ ۝

(البقرہ: ۲۱۶)

یعنی اکثر ایسا ہوتا ہے کہ تم کسی شے کو پسند کرتے ہو (اور اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہو) مگر وہ شے تمہارے حق میں سخت مضر ہوتی ہے جس کا تمہیں کچھ علم بھی نہیں ہوتا، ہاں اللہ تعالیٰ کو اس بات کی خبر ہے پس وہ جانے (وہ اللہ اپنے علم اور مصلحت کے موافق کام کرتا ہے تم بے خبر بے علموں کی خواہش کے مطابق نہیں کرتا)۔

لو راعى الله
دعا کرے

(۵) آدابے عا میں پانچواں ادب یہ ہے کہ انسان اپنے اللہ سے پورے وثوق دعا کرے اور بھروسے کے ساتھ دعا کرے اور اپنی تدبیروں اور کوششوں میں معاذین مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہو، اللہ کے سوا دوسری چیزوں کو اپنی حاجت روائی کے لئے موثر نہ جانے، ایسی دو ولی کی حالت میں کبھی دعا قبول نہیں ہوتی، جب دعا کو ایک دل ہو کر ایک سو ہو کر، قبولیت کا پورا یقین دل میں لاکر، ہر شے سے بے نیاز ہو کر دعا کرے اور یہ کچھ کمال کی بات نہیں، کیا آپ نے شیر خوار بچہ کو نہیں دیکھا، وہ کائنات سے بے نیاز ہو کر آغوش مادر میں لیٹا ہوا ہے، اس کی امیدیں اور آرزوئیں اسی آغوش سے وابستہ ہیں وہ دنیا کی بڑی سے بڑی شے کو بھی خاطر میں نہیں لاتا، اس کی ماں اس کو مارتی ہے، مگر قربان جائیے اس کی وفا شکاری کے کہ ذرا بدل نہیں اسی پر نثار ہوتا ہے، اس جاں نثاری کا صلہ اس کو یہ ملتا ہے کہ اس کی ماں پھر اس پر مہربان ہو جاتی ہے اور آغوش شفقت میں لپٹا لیتی ہے، لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ وہ نوجوان ہو کر بھی اس بچے سے کہیں گیا گزرا ہے اور مسلمان ہو کر یا یوسی کا یہ عالم ہے کہ اپنے خدا سے اپنی آرزوئیں وابستہ نہیں رکھتا در ٹھوکر یں کھاتا پھرتا ہے مصیبت کے وقت خدا کو بھول جاتا ہے، اختیار کی طرف متوجہ ہو کر اپنے اللہ کو چھوڑ دیتا ہے اور اگر اس مصیبت میں کبھی یاد بھی کرتا ہے تو بے دلی سے یاد رکھو کہ ایسی دعا کبھی نہیں قبول ہوتی۔ وہ واحد و قہار بڑا غیور ہے :-

لَا تَسْئَلْ بَنِي آدَمَ حَاجَةً
وَاسْئَلِ الَّذِي الْوَابِعُ لَا تَجِبُ

اللہ یغضب ان ترکت سوالہ و ابن آدم حین یسئل یغضب
مانگو تو اسکی مانگو جس نے ہرقت کرم اور جو روح عطا کے دروازے
کھول رکھے ہیں، خدا اور بندوں میں یہ فرق ہے کہ اگر بندوں سے
مانگوں تو ناراض ہوں گے، خدا سے جس قدر مانگو تو راضی (اور جو نہ مانگو
تو ناراض ہوگا۔ دے کر خوش ہونے والا اور نہ دے کر ناراض ہونے
والا وہی ہے)۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر درمشور میں لکھا ہے کہ :-
جب حضرت یوسف علیہ السلام نے اس قیدی سے جو قید سے چھوٹ کر اپنے
سابقہ عہدہ پر فائز ہونے جا رہا تھا اتنا کہا تھا "اذکرفنی عندہ بیک
یعنی میرا ذکر بادشاہ سے کرنا۔" اتنا کہنا تھا کہ زمین میں زلزلہ آگیا، پہاڑ
لرزنے لگے، قید خانے کی دیوار شق ہو گئی، حضرت جبرئیل علیہ السلام
تشریف لائے، اور فرمایا کہ "یوسف۔ یہ آج تم نے کیا کیا جو خدا کو چھوڑ کر
بند سے سے مانگا، مولیٰ فرماتا ہے کہ یوسف یہ حسن آپ کو کس نے دیا؟
حضرت یوسف نے عرض کیا، "خدا نے"۔ پھر بچائیوں کے ہاتھ سے کس نے
بچایا؟۔ عرض کیا، "خدا نے"۔ "کنوئیں کی تہہ میں کس نے زندہ رکھا؟"
عرض کیا، "خدا نے"۔ زلیخا کے مکر سے کس نے بچایا؟۔

عرض کیا "خدا نے"۔ "قید خانے میں جنت کا آرام کس نے دیا؟۔"
عرض کیا "خدا نے"۔ ارشاد فرمایا کہ "اے یوسف آج
تک، تو ہم نے تمہارے کام بنائے پھر آج ہم میں کونسا قصور ہوا ہے،
جو تم نے ہمیں چھوڑ کر بند سے سے مدد مانگی، ہمیں قسم ہے اپنی
عزت و جلال کی کہ اس جرم میں تمہاری قید زیادہ کریں گے۔"
فلبثت فی السجن بضع سنین یعنی پھر قید رہے اس کے بعد اور
کتے سال تک۔ (انتہی ملخصاً)

از سر میں حضرت یوسف نے بہت کچھ معافی مانگی اور حق تعالیٰ سے نجات
طلب کی مولیٰ نے قید سے نکال کر مصر کا مالک بنایا جس کا حال پر شخص کو معلوم ہے۔

یوسف علیہ السلام کا
واقعہ

(جولائی ۱۹۳۲ء)

(۶)

تحدیثِ نعمت

(۱)

الْحَمْدُ لِمَنْ لَا يَحْصَى ثَنَاؤُهُ وَلَا إِلَهَ غَيْرُهُ وَهُوَ الْحَلِيمُ وَالْكَرِيمُ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى حَبِيبِهِ الَّذِي سَرَفَ ذِكْرَهُ
وَأَعْلَى شَانِهِ وَهُوَ بِالْمُؤْمِنِينَ مَرُوفٌ رَحِيمٌ وَعَلَى آلِهِ
وَاصْحَابِهِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَنَصَرُوهُ وَعَظَمُوهُ فَرَضُوا لَهُ
عَنْهُمْ سُرُوعًا عِنْدَهُ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ - أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ
بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ . بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَأَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (الفصلی: ۱)

جو آیت کریمہ اس عاجز نے اس وقت تلاوت کی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ بہ
اپنے رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہو۔

منعم حقیقی جل اسماء نے اس آیت کریمہ میں اپنے بندوں سے اس کا منظر الہیہ فرمایا ہے کہ
ہماری نعمتوں کا ذکر کیا کرو تا کہ سننے والوں کو ہم سے لگاؤ پیدا ہو اور ان کے قلوب میں
ہماری محبت جلوہ گر ہو اور وہ ہمیں پہچانیں کہ انسان کی پیدائش کا اصل منشاء یہی
ہے۔

اس مقام پر اگرچہ مخاطب صرف حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں لیکن حکم عام ہے
جس پر متعدد آیات شاہد ہیں، چنانچہ ایک مقام پر ارشاد ہے :-

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

(البقرہ: ۲۳۱)

یعنی اور حتیٰ تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کا ذکر کرو، خصوصاً کتاب اللہ کا

اور احادیث رسول اللہ (جس میں حکمت کی باتیں ہیں اور جن کے ذریعہ اور وسیلے سے) وہ تعالیٰ تمہیں نصیحت فرماتا ہے (اور ایمان و اسلام سے نوازتا ہے جو اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے اور ظاہر ہے کہ سب سے اونچے درجہ کی نعمت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہے کہ جب تک تم میرے اس بندہ خاص کا ذکر نہ کرو گے اور ان کے مناقب جلیلہ کا ذکر اور اشاعت نہ کرو گے میرے اس حکم کی فرماں برداری سے قاصر ہو گے اور ہرگز میری معرفت حاصل نہ کر سکو گے اس لئے کہ جب تک کسی کی ذات و صفات کی معرفت نہ ہو، اس کی معرفت متعذر ہے اور میری ذات و صفات کا منظر یہ برگزینہ بندہ ٹھیرا تو جب تک اس کی معرفت نہ کرائی جائے میری معرفت کسی کو کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ آگے ارشاد ہوتا ہے :-

وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ

اور جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ہمارے اس فرمان و اجبلاذعان کی اطاعت میں کون سرگرم ہے اور کون اس کے حقوق و اجبہ ادا کرنے میں لاپرواہ ہے یا معاذ اللہ کسی حق کے ادا کرنے کو گمراہی کہتا ہے ۔

اس فرمان میں اس عزیز و قہار نے نہایت درجہ کی تہدید و ترمیم کا اظہار فرمایا ہے جسے خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو معاذ اللہ گمراہی بتلاتے ہیں، ان لوگوں کے لئے تو اس آیتہ کریمہ میں انواع عذاب و عتاب کے ساتھ مواخذہ کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے ناپاک خیالات سے محفوظ رکھے ۔

اس آیتہ کریمہ کے معنی میں جو کچھ اس عاجز نے عرض کیا اپنی طرف سے ہرگز کچھ نہیں کہا، مفسرین نے جو کچھ فرمایا ہے انہیں کے کلام کو اردو زبان میں ادا کیا ہے، چنانچہ تفسیر سراج المنیر میں ہے :-

(وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ، اى التى من جملتها الاسلام)

وَالْإِيمَانِ وَبِعَثَّةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا
 أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ، أَيْ الْقُرْآنِ (وَالْحِكْمَةِ) أَيْ السُّنَّةِ

اور تفسیر روح البیان میں ہے :-

(وَالْتَقْوَالِ اللَّهِ) فِي شَأْنِ الْمَحَافِظَةِ عَلَيْهِ الْقِيَامَ بِحَقُوقِ لُؤْلُؤَاتِهِ
 (وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ) فَلَا يَخْفَى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِمَّا
 تَأْتُونَ وَمَا تَذَمُّونَ فَيُؤَاخِذُكُمْ بِأَتَايَةِ نَبِيِّ الْعَذَابِ -

ان عبارات کا وہی مفاد ہے جو میں اوپر عرض کر چکا، اس عاجز کی دلی خواہش تو یہی
 تھی کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مناقب عالیہ ہی میں کچھ عرض کرتا لیکن اپنے
 بیان کو ان آیات بنیات کے عنوان سے معنون کرنے کی ضرورت یوں ہوئی کہ
 کسی نے ایک گناہم خط بھیجا جس کا مضمون یہ ہے کہ :-

آپ ایک عالم اور مفتی اعظم ہوتے ہوئے ایک ایسے فعل کے متکب

ہو رہے ہیں جو بدعت ہے " لہ

اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے اس شبہ کو بھی رفع کر دینا چاہیے
 تاکہ یہ لوگ مسلمانوں پر بدگمانی کرنے اور اس ذکر خیر کو محصیت کہنے سے باز رہیں
 کہ یہ دونوں باتیں گناہ عظیم ہیں غرض اس وجہ سے مجھ کو اس راستہ کو طے کرنا
 پڑا ورنہ ہمیشہ ہم ایسے اعتراض کو نظر انداز کرتے رہے اس لئے کہ ایسے
 اعتراضات کے جوابات میں بسا اوقات ایسے کلمات بھی صادر ہو جاتے ہیں جو
 مخاطب کے لئے باعث اذیت ہوتے ہیں اور یہ بھی شرعاً ممنوع ہے لیکن اس

لہ حضرت علیہ الرحمہ ۱۲ ربیع الاول کی شب کے سالانہ محفل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم منعقد
 کرایا کرتے تھے جو اپنی نوعیت کی پاک بند میں واحد محفل تھی جہاں آداب شریعت کا پورا پورا
 لحاظ رکھا جاتا، یہ مجلس مبارکہ مسجد جامع فتحپوری (دہلی) میں بعد نماز عشاء شروع ہوتی اور
 نماز فجر تک جاری رہتی، نماز فجر کے بعد تقریباً دو من شیرینی تقسیم کی جاتی اس سے حاضرین
 کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، ۱۲ ربیع الاول کو صبح ۱۰ بجے سے لنگہ جاری ہوتا اور پھر
 تک تقریباً چالیس بجائیں من کھانا کھلایا جاتا، پھر بعد نماز ظہر دوسری مجلس ہوتی جو نماز عصر
 تک جاری رہتی - اس گناہم خط میں انہیں محافل کی طرف بعض معاندین کا اشارہ ہے -

وقت اس اصل پر نظر رکھتے ہوئے کہ اذا بتلی ببلیتین فاختمنا ہون منہما
ناچار اس طرف متوجہ ہونا پڑا لیکن پھر بھی اپنے بیان میں ہرگز ہرگز کسی خاص شخص
کو مخاطب نہ کروں گا۔

یہاں تک ان آیات بینات کا ترجمہ اور تفسیر تھی جو میرے بیان کی زیب
عنوان ہیں لیکن تاویل کا دروازہ ابھی کشاہ ہے اس لئے میں کہتا ہوں کہ وذا
نعمۃ اللہ علیکم میں "نعمۃ اللہ" سے حضور اقدس مراد ہوں تو بعید نہیں اس
لئے کہ حضور کے اسمائے گرامی میں سے ایک اسم "نعمۃ اللہ" بھی ہے چنانچہ دلائل
الخیرات شریف میں حضور کے اسمائے شریفہ میں اس اسم شریف کو بھی بیان فرمایا
ہے بلکہ مصنف نے دلائل الخیرات رحمۃ اللہ علیہ اپنی آیات میں جہاں حضور کے
اسمائے شریفہ میں سے اسم مبارک "رحمۃ اللہ" کے ساتھ آپ کو مخاطب کیا ہے
وہاں اسم مبارک "نعمۃ اللہ" سے بھی آپ کو مخاطب کیا ہے، چنانچہ چودہ فرماتے ہیں:

یا رحمۃ اللہ انی خائف وجل

یا نعمۃ اللہ انی مفلس عافی

یعنی اے اللہ تعالیٰ کی رحمت بیشک میں ڈر رہا ہوں اور لرز رہا ہوں

اے خدا کی نعمت بے شبہ میں محتاج اور عاجز ہوں۔

ولیس لی عمل القی العلیم بہ

سوا محبتک العظمی وایمانی

یعنی اور میرے پاس کوئی ایسا عمل نہیں جس کے بھروسے پر خدائے علیم

کی جناب میں حاضر ہوں سوائے آپ کی محبت عظمیٰ اور اپنے ایمان کے۔

فکن امانی من شر الخیو ومن

شر المما ومن اخراق جسمانی

یعنی تو حضور میرے لئے امان اور پناہ ہو جائیں زندگی اور موت کی

برائی سے اور میرے بدن کے جلنے سے۔

وکن غنای الذی ما بعد فلس

وکن فکانی من اغلال عصبانی

یعنی اور حضور میرے حق میں ایسی غنا اور لاپرواہی ہو جائیں جس کے بعد پھر
تحتاجی نہ ہو، اور حضور میرے گناہوں کے طوقوں سے چھٹکارے کا باعث
ہو جائیں۔

میری غرض ان ابیات کے ذکر کرنے سے صرف اسی قدر ہے کہ آیتہ کرمیہ اذکر و انعمتہ
اللہ میں اگر نعمت اللہ سے حضور کی ذاتِ قدس مراد لی جائے تو بیجا نہیں اس لئے کہ یہاں
نعمت اللہ سے عام انعام الہیہ مراد ہیں جس میں کسی کو بھی مقال دم زدن نہیں اور یہ بھی
اپنے مقام پر ثابت کہ حضور تمام انعام الہیہ کا سرچشمہ ہیں جس کو جو کچھ ملا اور ملتا
ہے اور ملے گا سب میں حضور ہی واسطہ ہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث
دہلوی رحمہم اللہ تعالیٰ نے اسی طرف اپنی اس بیت میں اشارہ فرمایا ہے :-

فأشهد ان اللہ ما احدث خلقه

وانك مفتاح لكل المواقف

یعنی میں اس کی شہادت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق پر رحم
فرمائے والا ہے اور اس کی (شہادت دیتا ہوں) کہ حضور نعمتوں اور
بخششوں کے خزانہ کی کنجی ہیں۔

تو حضور کا ذکر گویا تمام ہی انعام الہیہ کا ذکر ہے بر خلاف اس کے اگر آپ نعمتوں کے
افراد پر نظر کریں تو کہاں تک آپ اس کی نعمتوں کا ذکر کر سکتے ہیں، جن کا شمار شمار
کرنے والے کی طاقت سے باہر ہے جس کو جناب باری خود ارشاد فرماتا ہے :-

وَ اِنَّ تَعَدَّ وَا نْعَمَةَ اللّٰهِ لَا تَحْصُوْهَا. (الفصل: ۱۸)

یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو ان کا شمار نہیں کر سکتے۔
تو جس کا شمار میں آنا ہی ممکن نہیں ان کا ذکر کیسے کیا جاسکتا ہے، ہاں اگر آپ نے
حضور کا ذکر کر لیا تو گویا آپ نے تمام ہی انعام الہیہ کا ذکر کر لیا، غرض خواہ حضور کو
مجھو انعام الہیہ تصور کیا جائے یا صرف ایک ایسی نعمت عظمیٰ جس سے اونچے درجہ
کی کوئی نعمت نہیں یہ ثابت ہے کہ حضور کا ذکر شریف بنص قطعی ان کے مولیٰ جل
وجلّیٰ نے ہم پر کیا ہے تو جو شے ہم پر واجب کر دی گئی تو اس کو کس کے
جہرات ہے کہ بدعت کہے؟ اور جب ان کے ذکر کے بلند کرنے کا ذمہ خود ان

کے مولیٰ بنے لے لیا تو کس کا زہرہ ہے کہ ان کے ذکر کو بدعت کہہ کر میٹھنے کی ہمت کرے؟ اور وہ چاہے بھی تو یہ ذکر مٹ کیسے سکتا ہے جب کہ ان کے مولیٰ کا ارشاد ہے:-

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

محبوب ہم نے تمہارے ذکر کو بلند فرمایا۔

پھر یہ دولت حضور کو آج ہی حاصل نہیں ہوئی بلکہ ازل سے حاصل ہے جناب آدم علی نبینا وعلیہ السلام کے قالب میں روح پہنچانے کے بعد ان کی پہلی نظر اسی محبوب پاک کے اسم شریف پر ڈلوائی جاتی ہے کہ انہیں پہچان لو، ہمارے ساتھ اس ہمارے محبوب پر بھی تمہیں ایمان لانا ہوگا اور اپنی اولاد کو اس کی وصیت کرنی ہوگی کہ ان کا ذکر ہمیشہ جاری رکھیں، چنانچہ انہوں نے حضرت شیت علی نبینا وعلیہ السلام کو اس کی وصیت کی پھر ان کے بعد کے بعد دیگرے وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ صحیح کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام مَبَشَّرًا ابْرَسُولٍ یَأْتِی مِنْ بَعْدِ اِسْمِ اَحْمَدًا کہتے ہوئے تشریف فرما ہوئے یعنی اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف رسول ہو کر آیا ہوں اس کی بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد وہ رسول آنے والے ہیں جن کا اسم گرامی احمد ہے۔ غرضیکہ ورفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ کے جلوہ کا ظہور کچھ حضور کے مبعوث ہونے کے بعد ہی پر موقوف نہیں اس کے قبل بھی حضرات انبیاء علیہم التحیۃ والثناء حضور کے مناقب شریفہ کے ذکر سے رطب اللسان رہے اور اپنی مجالس و محافل کو حضور کی یاد و ذکر سے زینت دیتے رہے۔

عَلَامَةُ نَاسِي رَحْمَةِ اللَّهِ تَعَالَى مَطَالِعُ الْمَرَاتِ شَرْحُ دَلَائِلِ الْخَيْرَاتِ فِي حَمْدِ آيَاتِ
تَوَارَاتِ نَقْلُ فَرَائِضِهِ جِنِّ حَقِّ سَجَانِدِ تَعَالَى ارشاد فرماتا ہے:-

يَا مُوسَىٰ اِحْمَدَنِي اِذَا مَدَّنْتَ عَلَيَّكَ مَعَ كَلَامِي اِيَّاكَ
بِالْاِيْمَانِ بِاِحْمَدٍ وَلَوْ لَمْ تَقْبَلِ الْاِيْمَانَ بِاِحْمَدٍ مَا
جَاوَزْتَنِي فِي دَاوَرِي وَلَا تَنْعَمْتَ فِي جَنَّتِي يَا مُوسَىٰ مِنْ
لَمْ يَوْمِنْ بِاِحْمَدٍ مِنْ جَمِيعِ الْمُرْسَلِينَ وَلَمْ يَصِدَّقُوا وَلَمْ

يَشْتَقُ إِلَيْهَا كَانَتْ حَسَنَاتِهِ مَرْدُودَةً عَلَيْهِ وَمَنْعَتْهُ حِفْظَ الْحِكْمَةِ
وَلَا ادْخَلَ فِي قَلْبِهِ نَوْءَ الْهَدْيِ وَأَمَّا حَوَاسِمُهُ مِنَ النَّبِوَةِ يَا هُوَ
مِنْ أَمْنٍ بِأَحْمَدٍ وَصِدْقِهِ أَوْلِيكَ هُمْ الْفَائِزُونَ وَمَنْ كَفَرَ
بِأَحْمَدٍ وَكَذَبَهُ مِنْ جَمِيعِ خَلْقِي أَوْلِيكَ هُمْ الْخَاسِرُونَ ،
أَوْلِيكَ هُمْ النَّادِمُونَ أَوْلِيكَ هُمْ الْغَافِلُونَ ۝

یعنی اے موسیٰ میری حمد کر جب کہ میں نے تجھ پر احسان کیا کہ اپنی ہیکلامی
کے ساتھ تجھے احمد پر ایمان عطا فرمایا اور اگر تو احمد پر ایمان لانا قبول
نہ کرتا تو میرے گھر میں مجھ سے قربت حاصل نہ کرتا نہ میری جنت میں چین
کرتا، اے موسیٰ (کچھ تم ہی پر موقوف نہیں) تمام مرسلین میں سے جو کوئی
احمد پر ایمان نہ لائے اور اس کی تصدیق نہ کرے اور اس کا مشتاق
نہ ہو اس کی نیکیاں مردود ہوں گی اور اسے حکمت کے حفظ سے روک
دول گا اور اس کے دل میں ہدایت کا نور نہ ڈالوں گا اور اس کا نام
دفتر انبیاء سے مٹا دوں گا۔ اے موسیٰ! جو احمد پر ایمان لائے اور
اس کی تصدیق کی وہی ہیں مراد کو پہنچے ہوئے اور میری تمام مخلوق میں
جس نے احمد سے انکار کیا اور اس کی تکذیب کی وہی ہیں نقصان
اٹھانے والے وہی ہیں پشیمان، وہی ہیں غافل اور بے خبر۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی قسم کی چند آیات
کتب منزلہ سے نقل فرمائی ہیں بخوف طوالت ان کو میں نقل نہیں کر سکا کہ اہل فہم کیلئے
جو کچھ بیان کر چکا ہوں یہی بہت کچھ ہے جس سے ثابت ہے کہ حضور کی بعثت سے
قبل بھی حضور کے ذکر کا ہر زمانے میں چرچا رہا ہے، اس سے محروم رہے صرف وہی
لوگ جن کی قسمت ہی میں یہ دولت نہیں لکھی تھی اور بعثت کے بعد بھی وہی لوگ
محروم رہے جس کی شکایت ان کے ذکر کو بلند کرنے والا ان کا مولیٰ تعالیٰ اللہ
الفاظ میں فرما رہا ہے :-

وَكَانُوا مِنْ قَبْلِ يَسْتَفْتُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ
مَاعَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۝

(یعنی یہ یہود جو آج تمہارے مقابلے میں اڑے ہوئے ہیں انہی کا یہ حال تھا کہ) تمہاری بعثت سے پہلے مشرکین عرب اور کفار مکہ پر تمہارے وسیلے سے فتح طلب کرتے تھے (اور اس طرح ہم سے عرض کرتے تھے)

اللّٰهُمَّ انصُرْنَا يَا نَبِيَّ الْمُبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمٰنِ

الَّذِيْ نَجَدْنَا نَعْتَهُ فِي التَّوْرٰتِ -

الہی ہمیں فتح نصیب فرما اس نبی کے صدقے میں جو آخر زمانے میں تشریف فرمانے والے ہیں، جن کی صفت ہم تورات میں پاتے ہیں، لیکن جب وہ جانا پہچانا تشریف فرما ہوا تو اسے منکر ہو بیٹھے پس منکرین پر اللہ کی لعنت ہے اور وہ اللہ کی رحمت اور جنت سے محروم -

(ب)

الغرض اس بیان سے آپ حضرات کے اذہان میں یہ بات تو بخوبی مرتکز ہو گئی ہوگی کہ اس محبوب مرغوب کا ذکر اس کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے بھی ہرزمانے میں ہوتا رہا ہے اور اسکی تشریف لانیکی بشارتیں دی جاتی رہی ہیں اسکی بعد پھر خود ان کا مولیٰ و علی ان کے تشریف لانے کا ذکر متعدد آیات میں فرماتا ہے چنانچہ فرماتا ہے :-

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ

عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (یونس: ۱۲۸)

یعنی بلاشبہ تمہیں میں سے تمہارے پاس ایک ایسا معزز رسول آپہنچا

جس پر تمہارا تکلیف میں پڑنا شاق ہے، تمہاری ہدایت پر بڑا حریص ہے

مسلمانوں پر شفقت فرمانے والا مہربان -

اس آیت کریمہ میں حضور کی تشریف آوری کا بھی ذکر فرمایا گیا اور مناقب جلیلہ کا ذکر بھی

تو مولود شریف میں انہیں امور کا تو ذکر ہوتا ہے تو ایسا ذکر جس کو ان کے مالک

مولیٰ نے کیا ہو اس کو بدعت کیسے کہا جاسکتا ہے ؟ -

عزیزو! وہ تو اس شہنشاہ مطلق کے محبوب ہیں، احادیث میں تو عام صالحین

کے ذکر کو عبادت فرمایا ہے، خود سرکار اقدس سے ان کا مالک مولیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَ اذْکُرْ عَبْدًا نَادًا وَاذْکُرْ عَبْدًا نَایُوبَ — وَ اذْکُرْ

عَبْدًا نَا اِبْرَاهِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ - (ص: ۲۵۱، ۲۵۲)

یعنی ہمارے بندے داؤد کا ذکر کرو — ہمارے بندے ایوب کا ذکر کرو

— ہمارے بندوں ابراہیم و اسحاق اور یعقوب کا ذکر کرو۔

اس مضمون کی متعدد آیتیں ہیں، تو جب انبیاء صالحین کا ذکر اللہ کو مطلوب ہے تو سید
الانبیاء کے ذکر کو بدعت کون کہہ سکتا ہے، پھر حضور نے خود بھی اپنے فضائل اور
ولادت کے اشاعت علیٰ رؤس الاشہاد بیان فرمائے ہیں، جہاں چہ تریزی تشریف
میں حضرت عباس سے روایت ہے کہ وہ ایک مرتبہ حضور کی خدمت شریف میں
آئے (یعنی غصے میں بھرے ہوئے) ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انہوں نے حضور کے
باب میں کافروں کا کچھ طعن سنا ہے، پس حضور منبر پر تشریف فرما ہوئے پھر فرمایا کہ:-
بتلاؤ میں کون ہوں؟

میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں، اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا
فرمائی تو مجھے بہترین مخلوق میں رکھا (یعنی انسانوں میں) پھر اس کے
دو فرقے کئے (یعنی عرب و عجم)، تو مجھے بہتر فرقے میں (یعنی عرب میں) رکھا
پھر اس کے قبیلے قبیلے کر دئے تو مجھے بہترین قبیلے (یعنی قریش میں)
رکھا، پھر قریش کے گھرانے گھرانے کر دئے تو مجھے بہتر گھرانے
میں کیا (یعنی بنی ہاشم میں) پس میں آدمیوں میں سب سے بہتر ہوں
ذات کے اعتبار سے بھی اور گھرانے اور نسب کے اعتبار سے بھی
اور امام احمد نے عریاض بن ساریہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے فرمایا کہ:-

میں اللہ کے نزدیک ایسے وقت خاتم النبیین لکھا ہوا ہوں کہ آدم ابھی
آب و گل ہی میں تھے اور اب میں تمہیں میں اولیٰ امر یعنی اپنی پیدائش
کے ابتدائی واقعات کی خبر دوں وہ ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا
ہے (یعنی وہ دعا جو انہوں نے کی تھی کہ تَرٰ بِنَا وَا بَعَثَ فِیْہِم مَّرْسُوْلًا

مِنْهُمْ اَلَا يَهۡ) اور عیسیٰ کی بشارت ہے (یعنی وہ خبر جو انہوں نے دی تھی کہ وَمَبِشْرَا اِبْرٰسُوْلٍ يٰٓاْتِي مِنَ بَعْدِي اَسْمٰءُ اَحْمَدًا) اور میری والدہ کا خواب ہے (یعنی وہ خواب جس میں انہوں نے دیکھا تھا کہ کوئی کہتا ہے کہ تیرے حمل میں انبیاء کے سردار ہیں) اور یقیناً میری پیدائش کے وقت میری والدہ شریفیہ سے ایک ایسا نور نکلا کہ ان کے لئے اس نور سے شام کے محل نظر آنے لگے (یعنی حضرت آمنہ نے اپنے مقام سے ملک شام کے محل ملاحظہ فرمائے، بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت آمنہ نے فرمایا کہ اس وقت مشرق سے مغرب تک تمام زمین روشن ہو گئی تھی)۔

تکفیف
بدلت

مجھے یہاں وہ عجائبات بیان کرنا مقصود نہیں جو اس وقت ظہور میں آئے کہ ان کی فہرست تو بہت بڑی ہے جن کا ذکر احادیث میں آیا ہے، صرف یہ بتلانا ہے کہ حضور نے خود اور صحابہ اور دوسرے حضرات نے بارہا حضور کے فضائل اور حضور کی پیدائش کے وقت کے واقعات ذکر کئے ہیں، پس مسلمانوں کے لئے اس کا ذکر کرنا یقیناً حتماً جزماً مستحب ہے اس کو ہرگز ہرگز بدعت نہیں کہا جاسکتا، ہاں بعض کو یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ حضور کا یا صحابہ کا اس ذکر کے لئے مجالس منعقد کرنا ثابت نہیں اور جو شے حضور سے یا صحابہ سے ثابت نہیں اس کا اختیار کرنا اور اس کا رواج دینا بدعت ہے۔ تو میرے عزیزو! یہ صحیح نہیں کہ حضور کے بعد جو شے بھی نکلی بدعت ہے، اگر یہ قول صحیح ہو تو ہزار ہا وہ چیزیں جو آج نہ صرف جائز اور مباح قرار دی جاتی ہیں بلکہ ان کو دین کا اور ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے (بدعات میں شمار ہوں گی) میں ان چیزوں کو کہاں تک گنوا سکوں گا، نمونہ دو چار ہی عرض کروں گا۔

صحابہ کے زمانے میں قرآن کے حروف پر نہ سکنا تھے نہ حرکات، بعد میں زبر زیر پیش لگائے گئے اور اس کے تیس پارے مقرر کئے گئے اور اس کو ضروری قرار دیا گیا، پھر ہر پارہ کے ربع اور نصف اور تین ربع مقرر کئے گئے، دس دس آیتوں کا حساب لگا کر عشر مقرر کیا گیا، جس کا رواج عرب میں ہے قرآن کریم میں رکوع بنائے، یہ تمام امور صحابہ کے بعد کی پیدائش ہیں لیکن اس

کو کوئی بدعت نہیں کہتا۔

پھر یہ امور تو وہ تھے جس میں صحابہ کی طرف سے سکوت پایا جاتا ہے بعض ایسے امور جن کی ممانعت ثابت ہے باقتضائے زمانہ فقہانے ان کو جائز رکھا، چنانچہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

مَا أَمَرْتُ بِتَشْيِيبِ الْمَسَاجِدِ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتَنْخَرِفْتَهَا
كَمَا نَخَرَفَتِ الْيَهُودُ -

یعنی مجھے حکم نہیں دیا گیا مساجد کے بلند بنانے کا اور اس کی تزیین کرنے کا، حضرت ابن عباس نے فرمایا (اس کا مطلب یہ ہے) کہ ایسا نہ ہو جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی عبادت گاہوں کو نقوشیں (اور دیگر تکلفات) سے سجایا تم بھی اسی طرح مساجد کو سجاؤ۔
اب ملاحظہ فرمائیں کہ اس حدیث سے تزیین مساجد کی ممانعت مترشح ہے لیکن پھر بھی فقہانے اس کا لحاظ کرتے ہوئے کہ لوگ اپنے مکانات کو بلند بلند اور نہایت مزین کر رہے ہیں اگر اس وقت مساجد کی زینت نہ کی جائے گی تو اللہ کے گھر کی تحقیر لازم آئے گی، پس آیت کریمہ :-

وَمَنْ يُعْظَمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج: ۳۲)

اور جو کوئی دین خداوندی کی ان یادگاروں کا ادب رکھے گا سو وہ دل کی پرہیزگاری کی بات ہے۔

پر نظر رکھتے ہوئے اس کی اجازت دی اور فرمایا کہ مسجد کو چونے اور ساج کی لکڑی اور سونے کے پانی کے ساتھ منقش کرنے میں کچھ حرج نہیں (کذا فی الہدایہ)۔ بلکہ شامی میں لکھا ہے کہ بعض کا قول ہے کہ مسجد کو زینت دینا مستحب ہے کہ اس میں مسجد کی تعظیم ہے۔ اسی طرح بے شمار وہ کام ہیں جو آج ثواب کا کام سمجھے جاتے ہیں لیکن ان کا صحابہ کے زمانے میں وجود نہ تھا، جن کی تفصیل نہایت درجہ متعذر ہے۔

اب آپ حیران ہوں گے کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ جس بات کا حضور انور

کے زمانے میں وجود نہ تھا وہ یقیناً بدعت ہے اور بدعت کے متعلق ارشاد ہے :-

كُلُّ بَدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّاسِ

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شے بھی حضور کے بعد نکلی وہ بدعت اور گمراہی ہے لہذا جن امور کا تو نے ذکر کیا ہے وہ یقیناً بدعت گمراہی ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ فقہا ان کو مستحب بلکہ بعض کو ضروری اور واجب بتلا رہے ہیں؟ تو عرض یہ ہے کہ تحیر آپ کو اس وجہ سے پیدا ہوا کہ آپ نے بدعت کے معنی لغوی کے لئے، حالاں کہ یہ شرعی اصطلاح ہے تو شارح علیہ السلام سے اس کے معنی دریافت کرنے چاہئیں، پس جب اس طرف متوجہ ہوتے ہیں تو حضور کا یہ ارشاد ملتا ہے :-

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ -

یعنی جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی شے نکالے جو دین سے تعلق نہیں رکھتی وہ مردود ہے۔

اس حدیث کے پہلے حصے سے معلوم ہوا کہ امور دینیہ میں جو شے نکالی جائے شرعاً وہ بدعت ہوتی ہے اور پچھلے حصے سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی بدعات میں بھی وہ بدعت مردود ہوتی ہے جس کی اصل دین میں نہ پائی جاتی ہو اور وہ دین کے مخالف ہو اور اسی کو بدعت سنیہ کہتے ہیں، پھر ایسی بدعت کی نشانی حضور سے دریافت کی جاتی ہے تو حضور کا یہ ارشاد پاتے ہیں کہ :-

مَا أَحْدَثَ قَوْمٌ بَدْعًا إِلَّا رَفَعْنَا مِنْهَا مِنَ السَّنَةِ -

یعنی کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی لیکن اس کے مثل سنت بن جاتی ہے پھر اس بدعت یعنی بدعت سنیہ کے مقابل جو بدعات ہیں، جن کو بدعات حسنہ کہتے ہیں، ان کا حکم دریافت کیا جاتا ہے تو اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ :-

مَنْ سَنَّ فِي الْإِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهُ أَجْرُهَا وَ
أَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَنْقُصَ مِنْ
أَجْرِهَا شَيْئًا .

یعنی جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور ان کو بھی جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ ان کے ثواب سے کچھ کمی ہو۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو بدعت دین کے مخالف اور اس میں ضعف پیدا

کرنے والی ہو وہ بدعتِ ستیہ ہے اور جو دین کے موافق اور مامورات و منہیات شرعیہ میں کسی شے کو قوت دینے والی اور اس کی تائید کرنے والی ہو وہ بدعتِ حسنہ ہے، پھر ظاہر ہے کہ ضعفِ قوت میں بھی کسی اور زیادتی کا فرق ہوتا ہے اس لئے بدعتِ ستیہ اگر کسی ایسی شے کی مخالفت کر رہی ہے جو ہم پر فرض یا واجب ہے تو ایسی بدعت، بدعتِ محرمہ ہوگی اور اگر ایسی شے کی مخالفت کرتی ہوگی جو سنت یا مستحب ہے تو وہ بدعتِ مکروہہ ہوگی۔ اسی طرح بدعتِ حسنہ اگر ایسی شے کو تقویت دینے والی اور اس کو پورا کرنے والی ہے جو ہم پر فرض یا واجب ہے تو ایسی بدعتِ بدعتِ واجبہ ہوگی، اور سنت یا مستحب کے موافق اور اس کو پورا کرنے والی ہوگی تو وہ بدعتِ مستحبہ ہے اور اگر کوئی بدعت ایسی ہے کہ وہ مامورات و منہیات میں سے نہ کسی کی مخالفت کرتی ہے نہ موافقت تو وہ بدعتِ مباحہ ہے۔ بدعت کی انہیں پانچ اقسام کو فقہاء اپنی تحریرات میں بیان فرماتے ہیں۔ چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام، کتاب القواعد میں فرماتے ہیں :-

البدعة اما واجبة لتدوين اصول لفقه والكلام في
الجرم والتعديل واما محرمة لمذهب الجبرية والقدية
واما مندوبة كاحداث المدارس وكل احسان
لم يكن في العهد الاول واما مكروهة كخرقة المشا
يعني عند الشافعي واما عند الحنفي فباح واما
مباحة كالتوسع في لذيذ المأكول والمشارب -
یعنی بدعت یا تو واجب ہوتی ہے جیسے قواعد فقہ کی تالیف اور ان کی
کتابوں کی تالیف جن میں راویوں کے حالات پر بحث کی جاتی ہے کہ
وہ عادل ہیں یا غیر عادل، یا تحریر ہوتی ہے جیسے جبر یہ اور قدر یہ
مذہب، یا مندوبہ اور مستحبہ ہوتی ہے جیسے درسوں کا قائم کرنا اور ہر
اس نیک بات کا قائم کرنا جو حضور کے زمانے میں نہ تھی۔ یا مکروہہ
ہوتی ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک مساجد کو زینت دینا لیکن حنفیہ
کے نزدیک یہ بدعت مباحہ ہے، یا مباحہ ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے

پینے کی چیزوں میں توسع ۔

شامی اور اشعۃ اللغات وغیرہ میں بھی بدعات کی اسی طرح تقسیم کی ہے، طوالت کی وجہ سے میں ان کتابوں کی عبارتیں نقل نہ کر سکا، نیز اس لئے کہ حق شناس حضرات کے لئے تو ایک ہی عبارت کافی ہے ۔

(ج)

اب جب آپ حضرات کے یہ ذہن نشیں ہو چکا کہ بدعات پانچ قسم کی ہیں :-
بدعت اچبہ، بدعت مستحبہ، بدعت محرّمہ، بدعت مکروہہ، بدعت مباحہ

تو اب آپ اس مجلس کے متعلق غور فرمائیں کہ ان بدعات میں سے یہ کس بدعت کے افراد میں داخل ہے؟ تو ظاہر ہے کہ اوامر و نواہی سے یہ کسی کا مقابلہ نہیں کر رہی تو کم از کم یہ مجلس بدعت مباحہ تو یقینی ہے، جس کے حکم کلہاڑ نیت پر ہے، اگر کچھ نیت نہ ہو تو نہ باعث ثواب ہے نہ موجب عقاب اور اچھی نیت سے کیا جائے تو باعث ثواب، اور بری نیت سے کیا جائے تو باعث گرفت لیکن نہیں مجھے کہنے دیجئے کہ یہ بدعت مستحبہ ہے جس کا فاعل مستحق ثواب ہوتا ہے اس لئے کہ ثابت کیا جا چکا کہ یہ ذکر سنت ہے خود حضور کی، دو سکر انبیاء کی، صحابہ کی۔ اور دوسرے صلحاء کی۔ اور یہ مجلس اسی سنت کی تکمیل کر رہی ہے اور جو شے فعل سنت کی تکمیل کا باعث ہو وہ سنت مستحبہ ہوتی ہے تو ضرور یہ مجلس بدعت مستحبہ ہوتی، اب جب یہ ثابت ہو گیا کہ بدعت کے اقسام پنجگانہ میں سے یہ مجلس بدعت مستحبہ ہے تو اس کے خلاف کا اعتقاد رکھنے والا اور اس کو بدعت مستحبہ یا مکروہہ کا اعتقاد رکھنے والا بدعتی قرار پائے گا اس لئے کہ بدعتی اسی کو کہتے ہیں جو کسی شے پر احکام شرعیہ سے جو حکم ثابت ہو اس کے خلاف کا اعتقاد رکھتا ہو چنانچہ در مختار میں ہے:-
وهی اعتقاد خلاف المعروف عن المرسل لا یعاندا
بل بنوع شبہة ۔

یعنی بدعت اس حکم کے خلاف کا اعتقاد کرنا ہے جو کسی شے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جب کہ کسی شبہ کی بنا پر ہو عناد کی بنا پر نہ

ہو کہ عقائد کی بنا پر تو ایسا اعتقاد کفر ہے۔

پس اس سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اس فعل مستحب کو بدعت کہتے ہیں حقیقت میں وہی بدعتی ہیں، ایسے لوگوں کو اس بڑے اعتقاد سے توبہ کرنا چاہیے قطع نظر اس کے ایسا خیال بدعت ہے لاکھوں کمر و ژون مسلمانوں کی اذیت کا بھی باعث ہے خصوصاً ان بڑے بڑے محدثین اور جلیل القدر علمائے عظام کی ارواح طیّبہ کی اذیت کا موجب ہے جن کے مقابل اس زمانے کا بڑے سے بڑا عالم بھی طفل مکتب کی حیثیت رکھتا ہے۔

بتلانا یہ ہے کہ عرس اور مولود شریف کا ایسا مسئلہ نہیں جو اس زمانے کی پیداوار ہو بلکہ تقریباً آٹھ سو سال سے متقدمین مولود شریف کے جواز اور استحباب پر متفق ہیں تو اس کو بدعت و حرام کہنا ان ہزار جلیل القدر حضرات پر ظعن کرنا ہے جو گناہ عظیم ہے، اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گناہ سے محفوظ رکھے!

یہاں یہ خدشہ کہ جب حضور اور صحابہ کے زمانے میں ایسی مجالس نہیں ہوتی تھیں تو پھر ایسی مجالس کی ترویج کیوں کی گئی؟ - تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے افعال کے لئے ضرورتیں مجبور کرتی ہیں، جس طرح قرآن کی عبارات پر اعراب تھے جب یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ عجمی لوگ سے کیسے پڑھ سکیں گے، تو اعراب لگائے گئے، احادیث نہ لکھی جاتی تھیں بلکہ لکھنے کی ممانعت تھی لیکن جب یہ دیکھا کہ اب لوگوں کے حافظے ضعیف ہو گئے ہیں تو احادیث لکھی گئیں، اسی طرح بکثرت ایسی چیزیں پائیں گے جن کا وجود قرن اول میں تھا بعد میں بضرورت نکالی گئیں، یہی اس کا حال سمجھئے کہ پچھلے زمانے میں شوق تھا اور وہ علماء کی مجالس میں جا کر حضور کے فضائل و مناقب اور آپ کی ولادت کے واقعات سن کر اپنے ایمان کو تازہ کرتے اور آپ کے ساتھ محبت کو ترقی دیتے تھے جو مولیٰ تعالیٰ کو مطلوب تھا لیکن جب دیکھا کہ مسلمانوں کے اس شوق میں کمی آگئی، حالانکہ اس کی سخت ضرورت ہے تو اس کو دیکھتے ہوئے سب سے پہلے اس کا ر خیر کی ابتداء شہر موصل میں حضرت عمر بن محمد رضی اللہ عنہ نے جو اکابرین صلحاء

سے تھے، کی جیسا کہ علامہ ابو شامہ نے لکھا ہے اس کے بعد بادشاہوں میں سے
 اول بادشاہ ابو سعید ^{منظف} نے مولود شریف ^{منظف} شخصیتوں تعین کے ساتھ اس شان کیساتھ
 کیا کہ اکابرین علماء و صوفیہ کرام اس محفل میں بلا نیکر شریک ہوتے تھے تو گویا تمام
 اکابرین کا جواز و استحباب پر اتفاق ہو گیا تھا، یہ بادشاہ ہر سال ربیع الاول شریف
 میں تین لاکھ اشرفیہ لگا کر یہ محفل کیا کرتا تھا، اس کے زمانے میں ایک عالم
 حافظ ابو الخطاب بن وجیہ تھے جس کے علم کی علامہ ذرقانی وغیرہ نے اپنی تصانیف
 میں بڑی تعریف کی ہے، انہوں نے سلطان ابو سعید کے لئے بیان مولود شریف میں
 ایک کتاب مسمیٰ بہ "کتاب التنویر فی مولد سراج الملتیہ" تصنیف کی جس کو خود
 ہی سلطان کے سامنے پڑھا، سلطان بہت خوش ہوا اور آپ کو ایک ہزار اشرفی
 انعام میں دی، اس کے بعد تو دنیا کے تمام اطراف بلاد میں ماہ ربیع الاول میں مولود
 شریف کی محفلیں ہونے لگیں جس کی برکت سے مولائے کریم کا فضل عمیم ظاہر
 ہونے لگا، چنانچہ ملا علی قاری اور علامہ حلبی اور قسطلانی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نقل
 فرماتے ہیں :-

لَمَّا لَانَا اهل الاسلام في سائر الاقطار والمدن

الكل كما يتخفلون في شهر مولدنا ويعنون بقراءة مولانا

الكریم ليظروا عليهم من برکاته كل فضل عمیم -

اس عبارت کا وہی مطلب ہے جو میں نے عرض کیا۔ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی
 رحمہ اللہ تعالیٰ ما ثبت من السنہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ابوہریرہ نے اپنی لوتھی ثوبیہ کو اس صلے میں آزاد کر دیا تھا کہ اسٹی اس کو

سرور عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیدائش کی خبر دی تھی تو ابوہریرہ کے

مرنے کے بعد کسی نے اس کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ ہو کیا حال ہے؟ بولا

"آگ میں ہوں"۔ البتہ اتنا کریم ہے کہ ہر پیر کی رات مجھ پر تخفیف کر دی

جاتی ہے اور اشارہ سے بتلایا کہ اپنی دو انگلیوں سے پانی چوس لیتا ہوں

اور یہ مجھ پر یوں عنایت ہے کہ مجھے ثوبیہ نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم کی پیدائش کی خبر دی تھی تو اس بشارت کی خوشی میں میں نے ان

دو انگلیوں کے اشارے سے اسے آزاد کر دیا تھا اور اس نے پھر حضور

کو دو دم پلایا تھا۔

پھر شاہ صاحب آگے فرماتے ہیں کہ :-

اس پر علامہ ابن الجزری فرماتے ہیں کہ جب بلوہنب جیسے کافر کا جس کی مذمت میں قرآن کریم نازل ہوا، یہ حال ہے کہ اس کو حضور کی پیدائش کی رات خوش ہونے پر دوزخ میں بھی بد لہ دیا جا رہا ہے، تو حضور کی امت میں سے ان لوگوں کے حال کا کیا پوچھنا جو حضور کی پیدائش کے بیان سے خوش ہوتے ہیں اور جس قدر بھی مقصد ہوتا ہے ان کی محبت میں خرچ کرتے ہیں۔ مجھے اپنی جوانی کی قسم کہ ان کی ہزار خدائے کریم کی طرف سے یہی ہوگی کہ ان کو اپنے فضل عمیم سے جنات نعیم میں داخل فرمائے گا۔

پھر فرماتے ہیں :-

وَمَا جَرَّبَ مِنْ خَوَاصِيهِ اِنَّهُ اَمَانٌ فِي ذَالِكَ الْعَامِ
وَلِبَشَرِي عَاجِلٌ بِثِيْلٍ لِبَغِيَةِ وَالْمَلَأَ مِنْ فَرَحِ مَا مَرَّ اَتَّخَذَ
لِيَا لِي شَهْرٌ مَوْلِدًا الْمُبَارَكِ اَعْيَادُ الْيَكُوْنُ اَشْدُّ عِلَّةً
عَلَى مَنْ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ وَعِنَادٌ -

یعنی مولود شریف کی خاصیتوں میں ایک تجرب خاصیت یہ ہے کہ وہ اس سال امان کا باعث ہوتا ہے اور حاجت و مقصود پر آری کے لئے بشارت عاجلہ ہے تو اللہ تعالیٰ اس شخص پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرمائے جو مولود مبارک کے مہینے کی راتوں کو عید میں منائے تاکہ جس کے قلب میں مرض و عناد ہے اس کے لئے سخت علت ہو۔

شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے وقت میں بھی اس محفل شریف کو کوئی بدعت کہنے والا ہوگا جس کے لئے ایسے سخت کلمات کا استعمال فرمایا۔ ہاں بعض محققین نے بھی اس کا رد کیا ہے مگر یہ نفس مولود شریف کا بلکہ ان لغویات کا جو خواہشا نفس کے بندوں نے اس پاک محفل میں شامل کر کے اس کی صورت ہی مسخ کر دی تھی اور

آلات لہو کو شامل کر کے اس کو کھیل تماشا بنایا تھا سو اس کا رد کرنا تو محققین پر لازم تھا اسے کون جائز رکھ سکتا ہے؟ جن حضرات نے ایسی چیزوں کا رد کیا ہے وہ ضرور قابل تحسین اور مستحق داد ہیں جیسے ابن حاج و غیرہ۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اسی بات پر من السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں :-

وَلَقَدْ أَطْنَبَ ابْنُ الْحَاجِّ فِي الْمَدْخَلِ فِي الْأَنْكَارِ عَلَى مَا
أَحْدَثَهُ النَّاسُ مِنَ الْبِدْعِ وَالْأَهْوَاءِ وَالْغَثِ الْبَالِغَاتِ بِالْحَرَمَةِ
عِنْدَ عَمَلِ الْمَوْلِدِ لِشَرِيفٍ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَثِيبُهُ عَلَى قَصْدِ
الْجَمِيلِ وَيَسْلُكُ بِمَا سَبِيلَ السَّنَةِ فَإِنَّهُ حَسْبُنَا وَنَعْمَ الْكَوِيلُ
یعنی اور بیشک ابن حاج نے مدخل میں ان باتوں پر سخت انکار کیا ہے جو لوگوں
نے مولود شریف میں بدعات اور ہوا و ہوس کی چیزیں اور آلات مجرمہ
کے ساتھ گانا بجانا شامل کر رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اس
نیک مقصد میں ثواب عطا فرمائے اور ہم کو سنت پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے
کہ وہ ہمارے لئے کافی اور اچھا دکیل ہے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعد میں لوگوں نے اس مجلس کو

۱۷ حضرت علیہ الرحمہ کے جد امجد حضرت مولانا محمد مسعود شاہ رحمۃ اللہ علیہ (م۔ ۱۳۰۹ھ) نے اسی قسم کی محافل میلاد کے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ جہلاء میں مروجہ محفل میلاد کے بارے میں فتاویٰ رشیدیہ میں ایک فتویٰ ہے جس پر حضرت مولانا نے ممدوح تصدیقی دستخط ثبت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں :-

جواب صحیح ہے اور یہ مولود مروجہ بدعت ہے، چنانچہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات میں ارقام فرماتے ہیں عبارت کذا :-
اگر فرضاً حضرت ایٹال دریں آواں دردنیازندہ بودے و این مجلس و اجتماع کہ منعقد می شد آیا این امر راضی می شنید و این اجتماع را می پسندیدند یا نہ؟ یقیناً فقیر آن است کہ ہرگز این معنی را تجویز نمی فرمودند بلکہ انکار می نمودند، مقصود فقیر اعلام بود قبول کنید یا نہ کنید فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

تاشے باجے، ڈھول سازگی کے ساتھ شروع کر دیا تھا تو ایسی مجلس کا رد کرنا تو ضروری تھا اور یقیناً ایسی مجلس بدعت تھی لیکن ایسی مجلس سے ہماری مجلس کو کیا واسطہ؟ پس اس کو کیسے بدعت کہا جاسکتا ہے؟ جس کو آٹھ سو سال سے تمام بزرگان دین کرتے چلے آئے ہیں جن کا شمار میں آنا معتذر ہے، میں پچھلے حضرات میں بعض اکابرین کے نام ضرور گنواتا لیکن عوام چوں کہ ان کی جلالت شان سے واقف نہیں تو ان کا ذکر کچھ فائدہ نہیں دے سکتا، اس لئے میں دہلی والوں کے لئے صرف دہلی کے انہیں علماء کا ذکر کروں گا جو اس صدی میں گزرے ہیں اور دہلی والے ان کو جانتے ہیں۔

(۱) حضرت شاہ ابو انیسر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا تو تمام خاندان ہی مجلس میلاد کا حامی رہا ہے۔ بلکہ ان کے جد امجد حضرت شاہ احمد سعید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو اپنے وقت کے قطب تھے مانعین کا رد تحریر فرمایا ہے، اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو مانعین کے استاد اور استاذ الاساتذہ تھے۔

(۲) حضرت شاہ کریم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے صاحبزادے مفتی محمد یعقوب صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ۔

(۳) حضرت مولانا عبدالحکیم صاحب دران کے صاحبزادے مولانا عبدالرشید صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ۔

(۴) حضرت مولانا کرامت اللہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۵) حضرت شاہ محمد عمر صاحب المعروف بہ اخوند صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

(۶) صاحب تفسیر حقانی حضرت مولانا عبدالحق صاحب حقانی رحمۃ اللہ علیہ۔

ان حضرات کو تو گزرے ہوئے قریب ہی زمانہ گزرا ہے جن کو اہل دہلی خوب جانتے ہیں اور ان سے پہلے بزرگوں میں سے (۱) حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۲) حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ (۳) حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (۴) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ کو بھی نہ صرف دہلی والے بلکہ ذمے اسلام خوب جانتی ہے، ان کے علاوہ حضرت شاہ امداد اللہ اور حضرت شاہ رحمۃ اللہ مہاجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی لوگ خوب واقف ہیں اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تو مانعین کے پیر اور پیران پیری

ہیں، یہ سب حضرات (رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین) مولود شریف کے قائل اور اس پر عمل
تھے تو کیا یہ سب ہی معاذ اللہ بدعتی و جہنمی قرار دئے جائیں گے؟ اور کیا اس میں
اپنے استادوں اور پیروں کا لحاظ بھی نہ فرمائیں گے؟ - انسان کو منہ سے کوئی
بات نکالنی چاہیے تو سوچ سمجھ کر نکالنی چاہیے۔ مولود شریف کو بدعت کہہ کر
خیال تو فرمائیں اپنے کیسے کیسے اکابر کو بدعتی جہنمی کہہ ڈالا۔

خیر یہاں تک تو آپ کا یہ قول فسق ہی تھا۔ مجھے تو آپ کا یہ قول اس سے بھی
زیادہ موجب قباحت نظر آتا ہے اس لئے کہ یہ مجلس سرکار عالم صلی اللہ علیہ وسلم
سے نسبت رکھتی ہے اور جو شے حضور سے نسبت رکھتی ہے اس کی توہین اس
بہت سے کرنا کہ وہ حضور سے نسبت رکھتی ہے کفر ہے اس لئے میری باادب
مسلمانوں کی خدمت میں عرض ہے کہ خدا کے لئے اس مجلس کو بدعت کہنے سے
باز رہیں کہ اس میں آخرت کے نقصان کا خوف ہے، لاکھوں کروڑوں صالحین
کو بدعتی کہہ کر ایک فعل حرام کے مرتکب ہوتے ہیں کہ یہ شے ان حضرات کی ارواح
طیبہ کی ایذا کا باعث ہے جو بنص قطعی حرام ہے، دوسروں کی اگر پڑاہ نہیں تو کم از کم
اپنے اساتذہ کرام اور پیران عظام کا تو خیال فرمایا کریں، جب آپ مولود شریف کے
فاعلیں کو بدعتی بلکہ مشرک جہنمی کہتے ہوں گے تو حضرت حاجی امداد اللہ و حضرت شاہ
عبدالغنی رحمہما اللہ جیسے حضرات کی ارواح طیبہ پر کیا گزرتی ہوگی جو اس مجلس مولود
شریف کو باعث حسنات اور موجب برکات اعتقاد رکھنے کے ساتھ ساتھ فرماتے کہ
”مجھے اس کا عین یقین ہے کہ اس مجلس مبارک میں فیوض و انوار و

برکات و رحمت الہی کا نزول ہوتا ہے۔“

اگر آپ خود ایسی مجلس کا انعقاد نہ کریں، شوق سے نہ کریں، کہ یہ ایک مستحب فعل ہے
کوئی کرے یا نہ کرے مختار ہے، کسی کو اس پر طعن و تشنیع کی مجال نہیں، زیادہ سے
زیادہ یہی ہوگا کہ اس کے برکات سے محروم رہے گا۔ لیکن اگر کوئی اس کو بدعت
کہے گا تو یاد رہے کہ حقیقت میں بدعتی وہی ہوگا کہ بدعت خلاف شریعت اعتقاد
کو کہتے ہیں خواہ ناجائز کو جائز اعتقاد کرے یا جائز کو ناجائز۔

(۵)

ہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس مجلس کے آخر قیام کیا جاتا ہے اور قیام عبادت ہے پس غیر اللہ کے لئے قیام کرنا شرک ہے۔ تو عزیزو! یہ خیال بھی غلط ہے کہ قیام مطلقاً عبادت ہے اگرچہ نماز کے علاوہ ہو چنانچہ غذیہ المتہلی میں ہے :-
وَالْقِيَامُ لِمَشْرِعِ عِبَادَةِ وَحْدَةٍ -

جو شے بھی مستحق تعظیم ہو اس کے لئے کھڑے ہونے میں مضائقہ نہیں، چنانچہ کبیری ہیں
وَلَا يَكْرَهُ قِيَامَ الْقَاهِرِ لِلْقَادِمِ تَعْظِيمًا إِذَا كَانَ مُسْتَحَقًّا
لِلتَّعْظِيمِ -

یعنی آنے والے کسی معظّم شخص کے لئے قرآن کریم تلاوت کرنے والے کو کھڑا ہونا مکروہ نہیں۔

تو جب قرآن کریم پڑھنے والے کے لئے کسی کے واسطے کھڑا ہونا بھی مکروہ نہیں، تو قرآن کریم تلاوت کر رہا ہو اس کا کسی کے لئے قیام کرنا کیوں شرک ہوگا؟ اب رہا یہ کہ یہ قیام کیوں کیا جاتا ہے؟ تو علماء نے اپنے اپنے ذوق کے اعتبار سے اس کے مختلف جواب دے تھے ہیں، اس لئے یہ عاجز بھی اپنے ذوق کے موافق اس کے دو جواب عرض کرتا ہے۔

ایک تو یہ کہ قرآن کریم کا ارشاد ہے :-

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمن : ۱۵)

یعنی اس راستے کی پیروی کرو جو میری طرف رجوع کرتا ہے۔

اور میری نزدیک محنت حاجی امداد اللہ شاہ رحمۃ اللہ علیہ جیسے حضرات یقیناً منیبین الہی سے تھے نیز حدیث میں سرکار عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے،
اتبعوا السواد الاعظم (بڑی جماعت کی پیروی کرو)۔۔ نیز فرمایا :-

إِذَا سَأَلْتُمْ فَاخْتَلَفْنَا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْأَعْظَمِ

جس وقت تم اختلاف دیکھو تو لازم پکڑو بڑی جماعت کی پیروی کو۔

اور یہ اور پرستلایا جا چکا ہے کہ بڑی جماعت تو درکنار ابستدائیں اس کے استخسان پر تمام ہی علماء متفق تھے، کوئی بھی اس کا مخالف نہ تھا ہاں اس کے پچاس سال بعد

ایک عالم ناگہانی مغربی نے اس سے اختلاف کیا اس کے بعد اس کی پیروی بعض علمائے نے کی لیکن ہمیشہ مخالفین کی جماعت قلیل رہی چنانچہ اس زمانے میں بھی مخالفین قلیل ہیں۔ سوائے ہندوستان کے دوسرے ممالک اسلام میں اس کا مخالف نظر نہیں آتا چنانچہ حضرت نورالمشاخ کاہلی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب ادبے حضرت علامہ مولانا فضل عثمان شاہ صاحب دہلی میں تشریف فرما ہوئے تھے، ان سے اس کا ذکر آیا تو فرمایا کہ ہمارے ہاں (افغانستان میں) ایک فرد بھی ایسا نہیں جو اس کا مخالف ہو، گھر گھر میں مولد شریف مع قیام ہوتے ہیں اور دُنبے ذبح کئے جاتے ہیں، لذیذ کھانے کھلا کر اس کا ثواب سرکار اقدس کی جناب میں نذر کیا جاتا ہے۔ یوں ہی حضرت زید صاحب سلمہ فرماتے تھے کہ تمہیں اس

۱۴ حضرت نورالمشاخ المعروف بہ ملا شور بازار رحمۃ اللہ علیہ افغانستان کے مشہور و معروف صوفیہ میں سے تھے، حضرت مصنف علیہ الرحمہ سے بڑی محبت فرماتے تھے۔ کابل میں آپ کی خانقاہ شریف مرجع خاص عام ہے۔ آپ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے تھے، شاہ ظاہر شاہ آپ کے عقیدت مندوں اور مریدوں میں تھا، آپ نے کابل ہی میں دعوت فرمایا۔ صد المشاخ حضرت مولانا فضل عثمان صاحب مجددی فاروقی آپ ہی کے بڑے صاحب تلامذہ ہیں اور عالم اور صوفی ہیں، ایک عرصہ سے لاہور میں مقیم ہیں، حضرت مصنف علیہ الرحمہ سے بڑی محبت عقیدت رکھتے ہیں۔ راقم پر بھی مہربان ہیں۔ آپ کے اور آپ کے والد ماجد علیہ الرحمہ کے تفصیلی حالات کے لئے راقم کی تالیف تذکرہ منظر مسعود، جلد دوم، مطبوعہ کراچی مطالعہ کی جائے۔ (مرتب)

اولاد مجدد

۱۵ حضرت زید ابوالحسن، دہلی کے مشہور و معروف بزرگ حضرت شاہ ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند ہیں، ۲۵ رمضان ۱۳۲۱ھ میں دہلی میں ولادت ہوئی، جامعہ ازہر (مصر) سے فارغ التحصیل ہیں، آپ بھی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد امجاد سے ہیں حضرت مصنف علیہ الرحمہ سے آپ کو بے پناہ انسیت و محبت تھی اور راقم پر بھی بہت ہی مہربان ہیں، آپ نے ہی میں خانقاہ حضرت شاہ ابوالخیر میں رونق بخش سنوارنا وہی آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں اور بعض تصانیف ابھی قلمی صورت میں ہیں۔ (بقیہ آگے)

اولاد مجدد

کا عام رواج ہے، غرض ایک جواب تو یہ ہے کہ جس میں اصلاً کسی کو کلام کی گنجائش نہیں
 دوسرا جواب یہ ہے کہ جلسے کے اختتام پر سرکار اقدس کی توجہ تام زیادہ
 مظنون ہے اس لئے ان کے غلام ان کی جناب میں اس وقت خصوصیت کے ساتھ خشوع
 و خضوع کے ساتھ بارگاہ سلام پیش کرنا مناسب خیال کرتے ہیں، اس لئے کہ جب
 حضور کے فضائل جلیلا اور مناقب رفیعا مسلمان سنتے ہیں تو ان کی محبت حضور کے ساتھ
 ترقی کر کے شوق کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے خصوصاً جب کہ حضور کے جلوہ افروز ہونیکے
 حالات سنتے ہیں تو اس وقت کے حالات کا سماں ان کی خیال کی نظروں کے
 سامنے آجاتا ہے اور اس کے ساتھ حضور کی توجہ خاص کی ضیا پاشیاں اپنے
 قلب میں محسوس کرنے لگتے ہیں اور یاد آجاتا ہے کہ یہی وہ نعمت غیر مترقبہ ہے جس
 کا حق تعالیٰ نے ہم پر احسان رکھا ہے کہ ارشاد فرماتا ہے :-

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا

(ال عمران : ۱۶۴)

یعنی بلاشبہ یقیناً حق تعالیٰ نے احسان کیا کہ ان میں اپنا ایک معظم رسول بھیجا۔
 غرض اس احسان کی یاد اور حضور کی محبت میں ذوق و شوق کا ابھرنا اور اس وقت
 خاص کا تصور اور اس وقت میں حضور کی توجہ خاص کے مبذول ہونے کا خیال
 ان سب کا مجموعہ کچھ ایسا ہو جاتا ہے جو اس کا مقتضی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر یہ

(بتیہ خواشی ص ۱۷۸) چند تصانیف یہ ہیں :-

- (۱) الخیر المزید فی عمر ابی لایة و کلمة التوحید (قلمی)، (۲) القول السنی فی الذب
 عن الشیخ عبد الغنی (قلمی)، (۳) الحجۃ فی مسئلة التعمیر و القبضہ (قلمی)، (۴)
 الاسانید لعالیة و الشهادة السامیة (قلمی)، (۵) سوانح حضرت مشاہ
 ابو الخیر (قلمی)، (۶) خیر البیان فی مولد سید الانس و الجن (مطبوعہ)، (۷)
 خیر المولد فی احتفال المولد (مطبوعہ)، (۸) خیر المقال فی تریة الهلال
 (مطبوعہ)، (۹) ماذا قال لامة فی ابن تیمیہ (مطبوعہ)، (۱۰) بزم خیر از زید در جواب ہشید (مطبوعہ)
 (۱۱) مسئلہ ضبط ولادت (مطبوعہ)، (۱۲) لالی منظوم (مطبوعہ)، (۱۳) تقویہ خیری وغیرہ وغیرہ (مطبوعہ)

ادا کرنے کے لئے کھڑے ہو جائیں اور حضور کو اپنے پیش نظر رکھتے ہوئے ان پر سلام پڑھیں۔

اس مقام پر آپ کو یہ خلیجان پیش آتا ہو گا کہ یہ کیا کہا کہ حضور کی توجہ خاص کا مبذول ہونا اس وقت مظلون ہے۔۔۔۔۔ سو یہ میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ سرکارِ اقدس کا خود ارشاد ہے کہ میں اہل محبت کا سلام خود بنفس نفیس سنتا ہوں جس کا صریح مطلب ہے کہ اہل محبت کی جانب میری توجہ مبذول ہو جاتی ہے کہ میں ان کا سلام خود سنتا ہوں اور دوسروں کا بواسطہ ملائکہ میری خدمت میں پیش ہوتا ہے، چنانچہ وہی سبب چہ دلائل الخیرات شریف میں ہے:-

قِيلَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا مَا آتَى صَلَاةَ الْمُصَلِّينَ عَلَيْكَ مِمَّنْ غَابَ عَنْكَ وَمَنْ يَأْتِي بِعَدَاكَ مَا خَالَهُمَا عِنْدَكَ فَقَالَ اسْمَعِ صَلَاةَ أَهْلِ مَحَبَّتِي وَاعْرِفْهُمْ وَتَعَرَّضْ عَلَى صَلَاةِ غَيْرِهِ عَرْضًا.

یعنی کسی نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور ان لوگوں کے حال سے تو ہمیں مطلع فرمائیں جو حضور سے غائب ہیں اور حضور کے بعد آنے والے ہیں ان کے درود کی آپ کے نزدیک کیا کیفیت ہے؟۔ فرمایا کہ محبت والوں کا درود تو میں خود سنتا ہوں اور سنوں گا، البتہ دوسروں کا درود بذریعہ ملائکہ مجھ پر پیش ہو گا۔

میں کہتا ہوں کہ جب کچھ کہنے والا کسی سے بات کرے تو کیا سننے والے کی اس کی طرف توجہ نہیں ہوتی؟ تو اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت حضور کی توجہ خاص مظلون ہے؟ اب یہ بابہ کہ حضور کیسے سن لیتے ہیں تو اول تو حضور کے فرمان کے ہوتے ہوئے اس میں کلام کی گنجائش ہی نہیں دوسرا اب تو آیات میں ایسے آلات مشاہدہ کر رہے ہیں جن سے بلا کسی ذریعہ کے ہزار ہا کو س پر بیٹھا ہو اسن لیتا ہے، آپ کہیں گے کہ اس میں تو برقی قوت ہوتی ہے، یہ حیرت انگیز فعل اس کا ہے تو میں کہتا ہوں کہ جی اور روحی کا یہ کرشمہ ہے، آپ کے تخیل کی طرف یہ وجہ ہے کہ آپ اس کی قوت سے واقف نہیں، اس کی قوت کے سامنے برقی قوت ہیچ نظر آتی ہے، یہ قوت خدا کی

مصرف کراتی ہے بلکہ برقی قوت سے جو کام لیا جا رہا ہے یہ بھی اسی قوت کا ایک ذریعہ
 کرشمہ ہے، میں اس کی قوت پر بھی کچھ روشنی ڈالتا لیکن وقت نہیں، انسان اسی لئے
 پیدا کیا گیا تھا کہ اس قوت کو ترقی دے لیکن افسوس بہت لوگ ایسے ہیں جنہوں نے
 اس کی طرف توجہ کی اور وہ کام کر دکھائے کہ برقی کی تو حقیقت ہی کیا ہے ماسوائے
 میں کسی کے بس کے بھی وہ کام نہیں۔

غرض میرے نزدیک پچھلے حضرات کی اس وقت سلام کے لئے قیام کے تجویز
 کرنے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے (والعلم عند اللہ) اور ظاہر ہے کہ ایسے خیالات
 کے ساتھ قیام میں ہرگز کوئی قباحت نہیں، اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ شارع
 علیہ السلام سے اگر کسی فعل پر کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ فعل مامورات میں داخل
 ہوتا ہے اور جس شے سے ممانعت ہوتی ہے تو وہ فعل منہیات میں داخل ہے اور جس شے
 کے لئے نہ امر ہو اور نہ ممانعت وہ شے مباح ہوتی ہے، جس میں مسلمان مختار ہے
 کرے یا نہ کرے لیکن یاد رکھئے کہ اگر فعل مباح کو کوئی اچھی نیت سے کرے تو پھر وہ
 فعل مستحسن اور مستحب کہلاتا ہے لہذا جس نیت سے میں نے یہ قیام بتلایا ہے وہ یقیناً
 اچھی ہے لہذا اس نیت سے یہ قیام بھی اچھا اور مستحسن ہوا۔

بعض لوگ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ اس قیام کے وقت یہ خیال کرتے ہیں کہ
 حضور اس وقت پیدا ہوئے تو میری نظر میں تو ایسا ہی وقت تو کوئی نظر نہیں آتا،

۱۵۔ جہلاء اور متوسط طبقے میں جو مولد شریف مروج ہے اس میں قیام کے وقت جو اشعار پڑھے
 جاتے ہیں ان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت عالم بالا سے عالم
 اسفل میں تشریف لائے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ محافل نہ اس ماہ میں ہوتی ہیں، نہ اس
 تاریخ میں نہ اس وقت میں جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے کہ اگر ایسا ہو
 تو اس خیال کو حقیقت سے کچھ تو نسبت ہو، وقت بے وقت اس قسم کے اشعار رسماً نہیں
 معنی و مفہوم میں پڑھے جاتے ہیں۔ شاید حضرت علیہ الرحمہ کے علم میں ان مجالس کی کیفیت
 نہ تھی، حضرت مرحوم نے جن محافل میں شرکت فرمائی ان میں کوئی وجہ مخالفت نہ ہوتی تھی،
 چنانچہ انداز بیان سے بھی صاف صاف ہی مترشح ہو رہا ہے۔ (مرتب)

عوام کا خیال تو صرف یہ ہوتا ہے کہ جب ہمارا اسلام بارگاہ نبوی میں پیش ہو تو ہماری یہ ہیئت بھی پیش ہو کہ حضور آپ کے غلاموں نے اس ادب و تعظیم کے ساتھ سلام پیش کیا ہے اور یہ خیال بھی کچھ بُرا نہیں نہایت بہتر ہے یا بزرگانِ دین کی پیروی کا خیال ہوتا ہے جیسا کہ ان کے مولیٰ نے ان کو حکم دیا ہے جیسا کہ میں اس سے قبل عرض کر چکا ہوں۔

مجھے امید ہے کہ میں نے اس مجلس کے جواز و استحباب میں جو کچھ عرض کیا وہ آپ حضرات کے بخوبی ذہن نشین ہو گیا ہوگا، اس میں کسی پر رد و قدح ہرگز منظور نہ تھی، صرف اتنا ہی مقصد تھا کہ مسلمان اس کو بدعت کہہ کر گنہگار نہ ہوں، ہاں اتنا اور عرض کر دوں کہ جو لوگ اس کو بدعت کہتے ہیں ان کو کسی اچھے طریق پر تو سمجھانے میں مضائقہ نہیں اگر وہ نہ مانیں تو ان سے الجھنا اور ان پر لعن طعن کرنا بھی نہایت درجہ مذموم ہے، ان کے لئے صرف دعا کریں دعا اور بس۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

جلوہ ات تعبیر خواب زندگی	ای ظہور توشباب زندگی
آسماں از بوشہ بامت بلند	اسے زمیں از بارگاہت ارجمند
فقر تو سر پایہ این کائنات	از تو بالا پایہ این کائنات
بندگاہ را خواجگی آموختی	در جہاں شمع حیات افروختی

(اقبال : اسرار و تجویذی، ص-۱۹۳)

تصرفاتِ محمدیہ

(۱)

الحمد لله الذي نزل الفرقان على عبده ليكون
 للعالمين نذيرا وامرسلا رحمة للعالمين بشيرا، انزل
 اليه آيات بيّنات فعليه افضل الصلوة واشرف التسليمات
 وعلى آله الكرماء البررة و صحبه الرحماء الخيرا اما بعد
 فقد قال الله تعالى اعوذ بالله من الشيطان الرجيم، بسم
 الله الرحمن، اقربيت الساعة وانشق القمر وان
 يروا آية يعرضوا ويقولوا سحر مستمر (القمر: ۱)
 صدق الله تعالى العلي العظيم ونحن على ذلك من
 الشاهدين والشاكرين ما بنا تقبل منا انك انت
 السميع العليم۔

اس سے قبل کہ میں اس آیت کریمہ کے متعلق کچھ عرض کروں دل یہ چاہتا ہے کہ میں
 اپنی زبان اردو میں مولیٰ تعالیٰ مجدہ کی قدر سے حمد بجالاؤں کہ جس نے ایسا رسول
 عظیم عطا فرمایا جس کی اہمیت میں داخل ہونے کی آلو العزم رسول تمنا کرتے ہیں اور
 اس رؤف الرحیم کی کچھ صفت و ثنا کروں جس نے ہمیں قعر جنہم سے بچایا اور مدارج
 علیا کا مالک بنایا فیلہ الحمد۔

اے خالق ارض و سما تیری حمد و ثنا کسے ادا ہو، تو حمد و ثنا کا مالک ہے اور
 ارض و سما کا خالق ہے، تیرے سوا جس کے پاس جو کچھ ہے تیرا ہی دیا ہوا ہے،
 کل کائنات تیری محتاج ہے اور سب پر تیرا راج ہے، مشیت خاک انسان کے
 پاس کیا ہے جو تیری حمد و ثنا میں خرچ کرے، اگر زبان ہے تو تیری دی ہوئی ہے،

گویائی ہے تو تیری بخشی ہوئی، جسم کو توانائی، زبان کو گویائی، عقل و فہم کو صفائی، اور کما
دوہم کو رسائی، آنکھ کو قوت بینائی، کان کو طاقت شنوائی، غرض سب ہی کچھ تیری
ملکت عطیہ ہے، اور ان کا بھی یہ حال ہے، آنکھ دائرہ محسوسات تک، کان فضا کی
مہموعات تک، ناک دریافت مشہومات تک، ہاتھ احاطہ مہموعات تک، زبان
وہ نا چیز کہ میدان ملفوظات تک محدود ہے، اور ذات باری عزاسمہ ان سب سے
مہتر و منزہ ہے، اور لامتناہی، غیر محدود ہے۔ ادھر یہ بینوائی اور ادھر وہ
عظمت کبریائی کہ لیس کمثلہ شیء تیری شان ہے اور ولہ المثل الاعلیٰ تیرا
فرمان ذات ہے، تو ہر شائبہ تشبیہ سے مہتر، صفات میں تو ہر ذرا غتفیس سے
منزہ۔ سبحان اللہ کیسا قادر مطلق، محبوب برحق ہے! جس نے عالم کو اپنی صفات
جلال و جمال سے معمور فرمایا اور کسی کے فہم اور اک میں نہ آیا، تمام موجودات
میں جلوہ فرما ہے لیکن تعینات کی قید میں نہ سمایا، دنیا اسی کی تجلی گاہ کن فیکون،
عقبی اسی کی زمزمہ سنجی الینہ تر جحوت، جنت اسی کی رضا، دوزخ اس کا غضب،
گلشن عالم میں اسی نغمات قدس کی مہکت گلبن ہستی اسی کی صنع قدرت کی ایک
جھلک۔ گل کی رعنائی، ببل کی خوشنوائی، فلک کی تدویر، شمس و قمر کی تنویر، زمین
کا تھل، آسمان کا تھل، ستاروں کا نور، سیاروں کا دور و عبور، قمری کی آواز،
مرغ کی پرواز، حسن محبوبان مجاز، دل عاشق کا سوز و گداز۔ سب کچھ اس بیرنگ
کے رنگ اور اس کی قدرت کے نیرنگ ہیں جس کے سامنے عقول عالیہ بھی رنگ
ہیں جل جلالہ و اعظم شانہ، قطعہ

و از ہر چہ گفتہ ایم شنید ایم و خواندہ ایم
ما پہچناں در اول وصف تو ماندہ ایم

اسے برتر از قیاس و خیال و گمان و ہم
د فتر تمام گشت و بیایان رسیدہ عمر

کسی شاعر نے کیا خوب حمد بیان کی ہے :-

تیرا حق ادا ہو بشر سے کیا، تیری شان جل جلالہ

تیری حمد کس سے ہو اور ثنا تیری شان جل جلالہ

تجھے پائے عقل مجال کیا تیری شان جل جلالہ

تو کیم ہے تو کیم ہے، تو محی و حی و قدیم ہے

نہیں دخل و ہم گمان کا، تیری شان جل جلالہ

تیری کدہ ہے وہ رفیع تر کہ ملائکہ میں شکستہ پیر

اب اس خالق کائنات کی حمد کے بعد چاہتا ہوں کہ کچھ کلمات نصت و شکر کا ساتھ

اب اس خالق کائنات کی حمد کے بعد چاہتا ہوں کہ کچھ کلمات نصت و شکر کا ساتھ

(صلی اللہ علیہ وسلم) میں بھی عرض کروں لیکن اس میں بھی قدرت نہیں پاتا اور بجز اپنے
عجز کے اعتراف کے اظہار کے کیا عرض کر سکتا ہوں؟ بھلا غور تو فرمائیں کہ نعت
و منقبت ہر فقر کائنات، سر وجود موجودات، کہ محبوب ترین خلاق عالم اور افضل
ترین عبادت جی آدم، کس طور سے بیان میں آسکتی ہے؟ جس کی ذات عظمت
آیات کو خود خالق بحر و برانک لعلی خلق عظیم کے صف کریم سے سرا ہے، انسان
کج حج زبان کو کب یاہ کہ اس محبوب رب العالمین کی صفت و ثنا کرے اور شان جلیل،
ذات جلیل، فخر خلیل، صاحب کوثر و سلسبیل، روانے درد ہر علیل کی جناب میں اس کے
لائق تحفہ تحیت و ثنا پیش کرے اس لئے کہ حق عز اسمہ نے اس جناب کی ذات
قدرت آیات کو بے مثل بے عدیل بنایا ہے اس لئے کہ اپنی ذات بے ہمتا کا منظر
اتم بنانا مقصود تھا ہے

سید سرور محمد نور جاں بہتر و مہتر، شفیع مجسمان

چوں محمد پاک بود از نار و دود ہر کجا رو کرد و جہ اللہ بود

تبارک اللہ کیسار مول برحق، محبوب مطلق، سرور انبیا، سردار دوسرا، مالک کوثر، شافع
محشر، کتاب انش و بنیش کا ورق اولین، نسخہ وجود کا لوح رنگین، خاتم المرسلین، خاتم
نبوت کا روشن نگین، صفحات آفرینش کا بہتر مضمون، عالم و آدم کا متر سکون، آئینہ
جمال احدیت، عکس جمال صمدیت، غانہ کش و الفحی، طرہ کش و اللیل اذا سجا، روکش
تجلی، سرمہ کش مازاغ البصر و ما طغی، شمع شبستان لم یزل، حد ایوان رسل، صاحب
ظہ و لیسن، قاسم نعمائے دنیا و دین، رافع لوائے حمد و عظمت، ساجد مقام و سیلت
سیر فرمائے عرش معلیٰ، صاحب مقام دنی فتدی، مخاطب بخطاب الم نشرح لک
صدک، مخاطب بہ کریمہ رفعا لک ذکرک، حریم قدس کی شمع روشن، بزم کوہین
کا صد انجن، شاہ بورینہ نشین، سلطان فقر آئین، عالم علمت علم الاولین و الاخرین،
نطق فرمائے کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین، ملائکہ کا مسجود، ارواح
انبیاء کا مشہود، ہر طالب کا مطلوب، ہر عارف کا محبوب، ہر کامل کا مقصود، ہر
عابد کا محمود، جس کا نام پاک خالق ارض و سما نے اپنے نام پاک کے ساتھ عرش
پر لکھا اور ظاہر فرما دیا کہ میرے بعد جس کا رتبہ ہے وہ اس اسم کا مستحق ہے لہذا

و اصفان جمال نے اپنے نعت و ثنا سے اس طرح اظہار عجز کیا :-

یا صاحب الجمال و یا سید البشر من وجهت لمنیر لعدنوس القمر

لا ینکن الثناء کہا کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی، قصہ مختصر

اب طبیعت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ اپنے مقصد کے عرض کرنے سے پہلے

ذرا تفصیل سے اس مجلس کے آداب کا ذکر کروں، پھر اس ذکر خاص کے فضائل

عرض کروں لیکن چون کہ وقت بہت کم ملا ہے اس لئے ان دونوں بیانیوں

کے لئے صرف ایک حدیث اور علماء کا ایک ایک قول ہی ذکر کر دینا کافی سمجھتا

ہوں، اگرچہ عاشقان رسول کریم کو تو اس کی بھی حاجت نہیں کہ من احب

شیئاً اکثر ذکرہ جو کسی شے سے محبت کھتا ہے۔ اس کا ذکر اکثر کرتا ہے۔

حدیث میں آیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مجلس نبوی میں

اس طرح مؤدب اور خاموش سر جھبکا کر بیٹھتے تھے گویا ان کے سروں پر پرند

بیٹھے ہیں، ایسا ہی ادب اللہ تعالیٰ اور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے ذکر

کی مجلس میں ضروری ہے، چنانچہ شفا نے قاضی عیاض میں ہے کہ جب مومن

حضور کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر لازم ہے کہ ایسا خضوع و خشوع ہو اور ایسا

سکون اور وقار برتے اور حضور کی ایسی شان جلالت کا تصور رکھے کہ گویا حضور

کی خدمت میں حاضر ہے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ اس ذکر میں یہ ادب بھی ضروری

ہے کہ اس میں درود کی کثرت رکھے خصوصاً جب کہ حضور کا اسم مبارک لیا جائے

ورنہ وعید شدید کا مستحق ہوگا۔

اس ذکر کی فضیلت میں یہ حدیث کفایت کرتی ہے جس کو علامہ زرقانی

نے بحوالہ تنویر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ دینی

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، اپنے گھر میں اپنے اہل و عیال اور چند افراد قوم

کو جمع کر کے ان کے سامنے وقائع ولادت کے بیان فرما رہے تھے اور حمد

الہی اور درود رسالت پناہی میں مصروف تھے کہ اچانک سرور دو جہان، شفیع

مجرمان تشریف لے آئے اور ان کا یہ حال ملاحظہ فرما کر نہایت خوش ہوئے

اور فرمایا :-

ذیل بیورد

حَلَّتْ لَكُمْ شَفَاعَتِي

میری شفاعت تم پر حلال ہوگئی (یعنی لازم ہوگئی) ،
سبحان اللہ! کیسے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو حضور کے ذکر کی مجالس منعقد کر کے اپنی
بخشش کا سامان کرتے ہیں، اس کے فوائد میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی ماثبت
من السنہ میں فرماتے ہیں :-

وَمَا جَرَّبَ مِنْ خَوَاصِّهِ إِنَّهُ أَمَانٌ فِي ذَاكَ الْعَامِ وَالْبَشَرِ

عَاجِلِ بَنِي الْبَغِيَةِ وَالْمَرَامِ -

یعنی اس کی خاصیتوں میں سے ایک خاصیت جو تجربے میں آئی ہے ،
یہ ہے کہ یہ مجلس اُس سال باعث امن و امان ہوتی ہے اور حاجت پوری
اور مقصد بر آری کے لئے بشارت عاجلہ -

(ب)

اب میں اس آیت کریمہ کے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں جو میرے بیان کا زیب
عنوان ہے، وہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

اقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالنَّشْقُ الْقَمَرِ

یعنی نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا،

اہل مکہ نے حضور سے معجزہ طلب کیا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو تو چاند کے دو ٹکڑے
کرو۔ پس اپنے باشارۃ انگشت مبارک چاند کو دو ٹکڑے کر کے دکھلا دیا، جس
میں اشارہ اس بات پر فرمایا کہ میں خاتم النبیین ہوں کہ میرے بعد اب قیامت
ہی آنے والی ہے اور چاند کو دو ٹکڑے کر کے اس پر دلیل قائم کی کہ میری نبوت
اور قیامت کا آنا برحق ہے اس لئے کہ ایسی قدرت و طاقت کا ظہور اسی سے ہو سکتا
ہے جو نبیوں کا بھی سزا رہا اور اس میں اس بات پر بھی تنبیہ فرمائی کہ اب تم کو
قیامت کے آنے میں مجال استبعاد نہیں رہی اسی لئے کہ بڑی وجہ قیامت کے
انکار اور استبعاد کی یہی تھی کہ عالم کی صورت کا بگڑ جانا بالخصوص اجرام علویہ
یعنی آسمان اور ستاروں کا پھٹ جانا تمہارے نزدیک غیر ممکن تھا، سو تم نے

داسے اہل مکہ! خود دیکھ لیا کہ چاند پھٹ گیا یہاں تک کہ جبل حرا، چاند کے دو ٹکڑے کے درمیان تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو پس اب کیسے کہہ سکتے ہو کہ عالم کی ہیئت کا بدل جانا محال ہے؟ لہذا اب تمہیں اس میرے محبوب کے نبی الانبیاء ہونے پر مجال دم زدن ہے نہ قیامت کے آنے پر گنجائش مقال — پھر فرماتا ہے کہ عجب حال ہے ان بے دین، عقل کے اندھوں کا کہ بت پرستی جیسی خلاف عقل باتوں کی خوبیوں کا تو یقین کرتے ہیں جس پر کوئی ایسی دلیل بھی قائم نہیں جو اس کے بُرا ہونے میں کوئی شبہ بھی پیدا کر سکے اور اس نبی کی نبوت اور قیامت کے آنے کی تکذیب کرتے ہیں، جس کے ثبوت پر یہ اقوال دلیل قطعی ہے چنانچہ وہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرَضُوا وَيَقُولُوا اسْمُ فَتْمَتٍ

یعنی اور یہ لوگ اگر دیکھتے ہیں کوئی معجزہ (جیسے چاند کا پھٹ جانا جو بہت ہی بڑا معجزہ ہے) منہ پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو جا رو ہے کہ ہمیشہ ایسا ہی کیا کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں صرف ایک ایسے معجزے کا ذکر کیا گیا ہے جو سب سے اونچے درجہ کا ہے جس میں گویا یہ بتلایا ہے کہ ہم نے اپنے اس محبوب کو وہ قوت و تصرف عطا فرمایا ہے کہ اس کے سامنے عالم سفلی کیا شے ہے اس کا دست قدرت و تصرف عالم علوی تک پہنچتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ عالم علوی اور سفلی میں کوئی ایسی شے نہیں جس پر آپ کا دست تصرف نہ پہنچتا ہو مگر جب ہی کہ اس قادر مطلق کی مشیت کے وہ تصرف خلافت ہو یا اس نے اس سے روکت دیا ہو کہ اس شہنشاہ اعظم کے خلاف مخلوق میں کس کا زہرہ ہے کہ وہ کسی شے میں تصرف کر سکے؟

اب یہاں یہ دیکھنا ہے کہ عالم میں کس کس قسم کی چیزیں داخل ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حضرت کے دست تصرف سے کوئی قسم باہر تو نہیں رہ گئی ورنہ یہ دعویٰ باطل ہو جاتا ہے کہ عالم میں کوئی ایسی شے نہیں جس پر حکم خداوندی آپ کا دست تصرف نہ پہنچتا ہو، پس جاننا چاہیے کہ عالم دو قسم کا ہے، عالم معانی اور عالم اعیان۔ عالم معانی میں وہ چیزیں داخل ہیں جو بذات خود قائم نہیں۔ دوسری چیزیں ہو کر پائی جاتی ہیں جنہیں عرض کہتے ہیں جیسے علم و کلام اور رنگ و بو وغیرہ۔ اور عالم اعیان میں وہ

چیزیں (داخل ہیں)، جو بذاتِ خود قائم ہیں جنہیں جوہر کہتے ہیں، جیسے زمین و آسمان وغیرہ، پھر عالمِ اعیان کی دو قسمیں ہیں، ایک ذوی العقول یعنی ملائکہ اور انسان اور جنات۔ دوسری غیر ذوی العقول۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں، یا علوی ہیں جیسے آسمان یا سفلی ہیں جیسے زمین۔ پھر عالمِ سفلی بھی دو قسم پر ہے، عالمِ بساطت جیسے عناصر اربعہ یعنی آب و آتش اور ہوا و خاک۔ اور عالمِ مرکبات یعنی جمادات حیوانات و نباتات جنہیں موالید ثلاثہ کہتے ہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ عالم کے کل اقسام نو ہونے، عالمِ معانی، عالمِ ملائکہ، عالمِ انسان، عالمِ جنات عالمِ علوی، عالمِ بساطت، عالمِ حیوانات، عالمِ نباتات، عالمِ جمادات۔

(ج)

ان اقسام میں سے عالمِ علوی میں تصرف اور ایک معجزے کا حال تو آیتہ کریمہ اقتربت الساعة سے معلوم ہو چکا۔

(۱) عالمِ معانی میں سب سے بڑا معجزہ قرآنِ کریم ہے جو سات ہزار سات سو معجزوں پر مشتمل ہے من جملہ ان کے ایک معجزہ کلام اللہ کا براہِ بلاغت ہے کہ جناب سول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باوجودیکہ محض امی تھے اور عرب کے لوگ ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ قصائد طویلہ کافی البدیہ تصنیف کرنا اور خطبِ عظیمہ کا بے تامل انشا کرنا ان کا روز مرہ تھا لیکن جب اس مجمع فصحاء عرب میں آپ نے خاتوا بسورۃ من مثله کا ڈنکا بجایا تو کسی کی مجال نہ ہوئی کہ ایک ڈیڑھ سطر کی سورت، سورۃ کوثر کے مثل، تو بنا کر پیش کرتا۔

ایسے تھے آپ امی، کھولی زبان جس دم

دم بھر میں بے زبان تھے، سارے زبان الے

قرآنِ کریم عربی ہی زبان میں ہے اور انہیں الفاظ و حروف سے مرکب جن سے ان کا کلام مرکب تھا پھر حضور کے معجزات کے باطل کرنے میں جان توڑ کوشش کرنے والے تھے لیکن کچھ بس نہ چل سکا۔ اس کے علاوہ عالمِ معانی کے اندہ علماء نے صدہا معجزات کا بیان فرمایا ہے، شاید ہی کوئی دن جاتا ہوگا جس

میں اس باب میں کوئی نہ کوئی معجزہ نہ واقع ہوگا، پس ایسے معجزات کو کہاں تک بیان کیا جاسکتا ہے البتہ دو تین حدیثیں عرض کروں جن کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر دین ثریا پر بھی لٹکا ہوا ہوگا تو بھی بعض لوگ اسے پالنے لگیں۔ اس حدیث میں حضور نے خبر دی کہ فارس کے لوگوں میں بھی بڑے دیندار اور ذی علم ہوں گے کہ اگر حدیث کی مراد واقعی کو دریافت کرنے کے لئے اتنے غور و فکر کی مشقت برداشت کرنی پڑے جس قدر آسمان پر ثریا کے پاس جانے میں ہوتی ہے تب بھی وہ اس کی مراد واقعی کو پالیں گے۔ سو مطابق اس کے واقع ہوا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ جو نوشہیراں بادشاہ فارس کی اولاد سے ہیں اتنے بڑے دیندار عالم ہوئے کہ ان سے باعتبار دین کے اس امت مرحومہ کو فائدہ عظیم پہنچا۔

دوسری حدیث میں فرمایا کہ "مختریب" ایسا ہونے والا ہے کہ لوگ دور دراز سے علم کی طلب میں سفر کریں گے اور نہ پاویں گے کوئی زیادہ علم الا مدینہ کے عالم سے۔ سو مطابق اس حدیث کے امام مالک کا ظہور ہوا اور حضرت سفیان بن عیینہ نے اس حدیث کا انطباق ان پر کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش میں ایک بہت بڑا عالم ہوگا کہ زمین (والوں) کو علم سے مالا مال کر دے گا۔ سو مطابق اس کے امام شافعی ہوئے، اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کا انطباق امام شافعی پر کیا۔

غرض یہ چند معجزات تھے جو عالم معانی سے تعلق رکھتے تھے۔ اب سینکڑوں معجزات ہیں چند معجزات تھے جو عالم ملائکہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں نے احد کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی اور بائیں جانب دو شخص سپید پوش دیکھے کہ خوب قتال کر رہے ہیں اور انہیں میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا نہ بعد اس کے کبھی دیکھا، معلوم ہوا کہ وہ جبرئیل اور میکائیل

تھے۔ میں کہتا ہوں کہ ملائکہ کا حضور کی مدد کے لئے آنا یہ ایک واقعہ نہیں ہے اکثر غزوات میں اللہ تعالیٰ نے حضور کی مدد کے لئے ملائکہ کو بھیجا ہے چنانچہ جنگ بدر میں پانچ ہزار فرشتے مدد کو آئے جن کا کلام مجید میں ذکر ہے اسی طرح جنگ حنین میں جنگ احد میں بھی فرشتوں نے مدد کی۔

مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک مرتبہ ابو جہل نے کہا کہ قسم لات و غزی کی جب میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا منہ خاک آلودہ کرتے دیکھوں گا (یعنی نماز پڑھتے) تو میں ان کی گردن کو پاؤں سے روند ڈالوں گا۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور کی نماز پڑھنے کی حالت میں اپنے اسی ناپاک ارادے سے حضور کی طرف بڑھا اور فوراً ہی اسے پاؤں پھرا اور ہاتھوں سے کسی چیز کو روکتا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ ”تجھے کیا ہوا؟“ کہنے لگا ”میں نے اپنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک آگ کی خندق دیکھی اور ڈر کی چیز اور پر“ (یعنی فرشتوں کے)۔ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”آگے بڑھتا تو فرشتے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے لے جاتے۔“

غرض یہ تو ملائکہ کا حضور کے ساتھ معاملہ تھا لیکن حضور کے صدقے میں وہ صحابہ کے ساتھ بھی ادب کا تعلق رکھتے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ”ملائکہ مجھے سلام کیا کرتے تھے اتفاقاً بیماری میں میں نے بدن داغنا تو ملائکہ نے مجھ پر سلام کرنا چھوڑ دیا، پھر میں نے بدن داغنا چھوڑ دیا تو پھر ملائکہ مجھے سلام کرنے لگے۔“ اور بعض روایات میں ان سے ملائکہ کا مصافحہ کرنا بھی آیا ہے۔

(۲) اب عالم انسان کے متعلق کچھ معجزات سنئے، صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ”میں اپنی ماں کو اسلام کی طرف دعوت کرتا تھا اور وہ مشرک تھی، ایک دن میں اسے اسلام کے لئے کہا، اس نے حضور کی شان میں کچھ گستاخی کی، جو مجھے بہت ہی ناگوار گذری میں روتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حضور میری ماں کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے، آپ نے فرمایا اللھم اھدھام ابی ہریرہ“

— جب میں نے یہ دعا سنی تو خوش ہوتا ہوا گھرا آیا، دیکھا دروازہ بند ہے میری ماں نے پاؤں کی آواز سن کر کہا کہ وہیں ٹھیرو۔ میں نے پانی کی آواز سنی، یہ معلوم ہوا کہ وہ نہا رہی تھیں، جب ہنا کر ماں نے دروازہ کھولا تو انہوں نے کہا کہ لے ابو ہریرہ! اشہدان لا الہ الا اللہ، واشہدان محمداً عبداً ورسولاً

— میں خوش ہو کر شدت خوشی سے روتا ہوا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنے ماں کے اسلام قبول کرنے کی خبر دی، حضور حمد الہی بجلائے۔

سبحان اللہ! کیسی جلدی حضور کی دعا نے تاثیر دکھائی، اور کیسا کچھ آپ کا تصرف ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ماں کے دل پر ظاہر ہوا کہ یا ایسی کا فرہ شدید العناد تھی کہ حضور کی جناب میں گستاخیاں کیا کرتی تھی یا دعا کرتی تھی کہ مسلمان ہو گئی۔

ایکے وز (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) کچھ پڑھ رہے تھے، اس وقت فرمایا کہ جب تک میں یہ کلام پورا کروں اگر کوئی اپنا کپڑا پھیلائے رہے اور اس کے بعد اکھٹا کر کے اس کو اپنے سینے سے لگالے تو وہ شخص کبھی میری حدیث نہ بھولے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایسا ہی کیا وہ بقیہ کہتے ہیں کہ میں پھر کبھی آپ کے کلام کو نہ بھولا۔ شیخ میثاق دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس وقت حضور نے یہی دعا کی تھی کہ جو شخص میری حدیث سنے وہ کبھی نہ بھولے۔

عائذ بن عمرو جنگ حنین میں زخمی ہوئے، حضور نے ان کے چہرے سے خون پوچھا تو ان کی پیشانی آپ کے دست مبارک کے اثر سے روشن ہو گئی اور پھر ہمیشہ اتنی جگہ روشن رہی۔

سمرة بن جندب کہتے ہیں کہ (ایکے وز) ہم حضور کے پیالے سے صبح سے رات تک کھاتے رہے، نوبت بہ نوبت دس آدمی کھانے کے لئے بیٹھتے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اس پیالے میں کھانا کہاں سے بڑھتا تھا؟ انہوں نے کہا، تمہیں کونسی بات پر تعجب ہے؟ اور آسماں کی طرف اشارہ کر کے کہا، وہاں سے اس قسم کے اوقات بکثرت احادیث میں وارد ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے عرض کیا کہ حضور اپنے خادم انس

کے لئے دعا فرمائیے۔ فرمایا یا اللہ! اس کو بہت مال و اولاد عطا کر اور جو کچھ اس کو تو نے دیا ہے اس میں برکت لے۔ اس شخص کہتے ہیں کہ خدا کی قسم میرے پاس مال بہت ہے اور میرے بیٹوں بیٹیوں کی اولاد اس قدر کثیر ہے کہ آج سو کے قریب ان کا شمار پہنچتا ہے۔ ابن جوزی کہتے ہیں کہ ان کے باغ میں انگوڑ کی بیلے ایک برس میں دو مرتبہ پھل لاتی تھیں۔

عقبہ کی زوجہ کہتی ہیں کہ ہم عقبہ کی تین بیویاں تھیں اور ہمیشہ اچھی اچھی خوشبو لگاتی تھیں مگر عقبہ کے بدن کی خوشبو ہمیشہ ہماری خوشبو پر غالب رہتی تھی، ایک دفعہ ہم نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہماری خوشبو پر ہماری خوشبو غالب ہی رہتی ہے؟ انہوں نے بتلایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بیمار ہو گیا تھا، جب درگاہ نبوی میں اس کی شکایت کی تو حضور نے مجھے اپنے سامنے بٹھا کر میرے کپڑے اتروائے اور آبدھن مبارک صحتیوں پر لگا کر میری پیٹھ اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا تھا، یہ خوشبو وہ ہے۔ سبحان اللہ! کیا برکت آبدھن اور دست مبارک کی تھی کہ ہماری عمر عقبہ کے بدن کی خوشبو بند گئی بلکہ ہر خوشبو پر ان کی خوشبو غالب ہی رہی۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی ٹوپی میں حضور کے چند موٹے مبارک تھے جن کی برکت یہ تھی کہ وہ ٹوپی جس لڑائی میں بھی زیب تن کر کے گئے، فتح یاب ہوئے۔ عبداللہ بن عتیک کا قصہ تو بہت بڑا ہے، میں صرف اس کا وہ حصہ عرض کرتا ہوں جو میرے بیان کے مناسب ہے۔ زمینہ پر سے اترتے ہوئے ان کی پنڈلی ٹٹ گئی تھی، حاضر خدمت ہوئے اور جو گزری تھی اس کو بیان کرتے ہوئے اپنی پنڈلی کے ٹوٹنے کا ذکر کیا، حضور نے فرمایا کہ اپنا پاؤں پھیلاؤ۔ جب ٹانگ پھیلائی تو حضور نے اپنا دست شفا اس پر پھیر دیا، بس دست مبارک پھیرنا تھا کہ وہ کہتے ہیں، "ایسا اچھا ہو گیا کہ گویا کبھی پاؤں میں تکلیف پہنچی ہی نہ تھی"۔ اس قسم کے معجزات بھی بجزرت ظہور میں آئے۔

عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ایک نابینا نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ حضور دعا کریں کہ میری آنکھیں صحیح سالم ہو جائیں۔ حضور نے فرمایا کہ اچھا

وضو کر اور پھر دو رکعت پڑھنے کے بعد یہ دعا پڑھ :-

اللّٰهُمَّ اِنِّى اَسْئَلُكَ وَالتَّوَجُّهَ، اِلَيْكَ بِنَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ نَبِيِّ الرَّحْمَةِ
يَا مُحَمَّدُ اِنِّى اَتُوْجِّهُ بِكَ اِلَى رَبِّكَ اِنَّ يَكْشِفُ عَنِّ بَصْرَى
اللّٰهُمَّ فَشْفَعْهُ فِىَّ -

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ :-

”اے الہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو نبی رحمت
ہیں ان کا وسیلہ لیتے ہوئے تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اس لئے تاکہ کھول
دے وہ میری آنکھیں، الہی ان کی سفارش میرے حق میں قبول فرما“

چنانچہ اس نابینا نے ایسا ہی کیا، اسی وقت اس کی آنکھیں کھل گئیں، دوسری روایتوں
میں ”ان یکشف عن بصری“ کی جگہ ”فی حاجتی ہذا لیقضی“ وارد ہے اور کسی دگر
کام کے لئے انہیں الفاظ سے پڑھنا مناسب ہے کہ یہ عبارت ہر حاجت کو شامل ہے،
عثمان بن حنیف اور ان کے صاحب نے اسے اس طریقہ کو قضائے حاجت کے لئے
بتلاتے تھے اور اس دعا کی برکت سے بہت سے لوگوں کی حاجتیں روا ہوئی ہیں،
جو حضرات اس پر عمل کرتا چاہیں علماء سے اس کا یہ طریقہ پھر دریافت کر سکتے ہیں یہ
عمل قضائے حاجت کے لئے مجرب ہے -

(۳) اب آپ عالم جنات میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تصرف در محجزات ملاحظہ
فرمائیں - یہ تو آپ نے سننا ہی ہو گا کہ جب حضور مبعوث ہوئے ہیں تو جنوں کا آسمان
کے قریب جانا ہی بند کر دیا تھا اور جو جاتا تھا اس کے شعلے مارے جاتے تھے،
جس کی خود جنوں نے خبر دی تھی، بتوں کے اندر سے حضور کی بعثت کی بشارتیں سننی
جانے لگی تھیں، اور جوق جوق جنات کی جماعتیں خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف
باسلام ہو رہی تھیں لیکن میں یہ بتلاؤں کہ ان میں سے جس نے تہریدی دیکھی، پر
کمر باندھی اس کا کیا حشر ہوا؟ - جب حضرت خالد بن الولید نے حکم آں حضرت صلی
اللہ علیہ وسلم عزی بت کی عمارت کو ڈھایا تو وہاں ایک کالی عورت، لنگی بہرہ نہ،
بال پریشاں، اپنے سر پر ہاتھ رکھے ہوئے چیختی ہوئی نکلی، حضرت خالد نے تلوار سے
اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور حضور کی خدمت شریف میں آکر یہ اصرار بیان کیا، اپنے

فرمایا کہ عزیزی یہی تھی جسے تم نے قتل کیا، اب اس کی پوجا نہ ہوگی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عزیزی ایک یاتین درخت تھے جن میں سے آوازیں آتی تھیں، اس ہی سبب وہ پوجا جاتا تھا اور وہ آوازیں اس خبیثہ کی تھیں جو قتل کی گئی اور شیاطین کے قبیلے سے تھی۔

مگر مظلوم میں ایک پہاڑ ہے جس کو جبل ابوقبیس کہتے ہیں، ایک دفعہ اس پہاڑ پر کسی خبیث جن نے چلانا شروع کیا اور چند شعر اسلام کی ہجو میں پڑھے بعض اشعار کا مضمون یہ تھا :-

”مسلمانوں کو جلد ہار ڈالو اور بت پرستی ہرگز نہ چھوڑنا“

جس کو سن کر کفار بڑے خوش ہوئے اور مسلمانوں سے کہنے لگے ”لو سن لو، غیب سے بھی تمہارے قتل اور شہر برباد کرنے کا حکم پورا ہا ہے۔“ مسلمانوں کو اس سے بڑا رنج پہنچا اور خدمت اقدس میں آکر یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا تم خاطر جمع رکھو، یہ آواز کرنے والا ایک شیطان ہے جس کا نام ”مسعر“ ہے عنقریب اللہ تعالیٰ اس کو اس کی سزا دینے والا ہے۔ چنانچہ اس کے تیسرے ہی دن آپ نے مسلمانوں کو بشارت دی کہ آج ہماری خدمت میں ایک قحطی ہوگی جن آکر مسلمان ہوا ہے جس کا نام ہم نے عبد اللہ رکھا ہے اسکی مجھ سے اجازت مانگی ہے مسعر کے قتل کرنے کی اور ہم نے اس کو اجازت سے دی ہے، آج شام کو مسعر بارا جائیگا۔ مسلمان خوش ہوئے اور منتظر رہے، شام کو اسی مقام سے ایک سخت آواز میں شعر سنائی دئے جن کا مضمون یہ تھا کہ :-

”ہم نے مسعر کو ہار ڈالا کہ اسکی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں

گستاخی کی اور حق کی حقارت کی اور باطل پر جمنے کی لوگوں کو ترغیب

دی، اسلئے ہم نے اپنی شمشیر سے اس کا کام تمام کر دیا۔“

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جنوں کے حضور اقدس میں حاضر ہونے کے عجیب عجیب واقعات ذکر کئے ہیں، میں کہاں تک ان کا بیان کر سکتا ہوں؟

(۴) اب ان تصرفات اور معجزات میں سے ایک شہدہ عرض کروں جو عالم

خاک میں نظر ہو پذیر ہوئے (اب آگے صرف ایک ایک واقعہ سے زیادہ عرض

(نہیں کر سکتا)

مکہ شریف سے ہجرت کرنے کے وقت اثنائے سفر میں حضور کے ہوتصرفات اور معجزات وقوع میں آئے ان میں سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ایک واقعہ کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں کہ سراقہ بن مالک نے ہمارا پیچھا کیا تو میں نے اسے دیکھ کر حضور سے عرض کیا کہ سراقہ نے تو ہمیں آلیا، آپ نے فرمایا :-

لَا تَحْزَنَنَّ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

یعنی کچھ فکر نہ کرو اللہ تعالیٰ ہمارا ساتھ ہے۔

پھر آپ نے اس پر بدعا کی تو اس کا گھوڑا پیٹ تک سخت زمین میں دھنس گیا، وہ چلایا کہ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے میرے لئے بدعا کی ہے، اب نہ عا کرو تا کہ مجھے اس نجات ہو، میں قسم کھاتا ہوں کہ میں ان لوگوں کو بھی واپس کر دوں گا جو تمہیں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ حضور نے دعا کی اور اس نجات پائی اور واپس ہو گیا اور جو اس کے ملتا تھا اسے بھی واپس کر دیتا تھا کہ ادھر وہ نہ ملیں گے۔

(۵) اب عالم آب میں آپ کا تصرف ملاحظہ ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حدیبیہ میں پانی ختم ہو گیا اور لوگ پیاس سے بے تاب بن گئے حضور کے پاس ایک لوٹا رکھا تھا جس سے آپ نے وضو کیا تھا اور اس میں کچھ پانی بچا ہوا تھا۔ صحابہ نے عرض کیا کہ لشکر میں نہ وضو کے لئے پانی ہے اور پینے کے لئے بس اس ہی قدر ہے جو آپ کے لوٹے میں ہے۔ آپ نے اپنا دست مبارک لوٹے میں رکھا تو حضور کی انگلیوں سے چشموں کی مانند پانی جاری ہو گیا اور جو شش مارنے لگا۔ ہم سب دمیوں نے پانی پیا، وضو کیا۔ حضرت جابر سے پوچھا گیا کہ تم سب کتنے آدمی تھے؟ انہوں نے کہا کہ ہم تو پندرہ سو آدمی تھے لیکن اگر ایک لاکھ آدمی بھی ہوتے تو وہ پانی سب کو کفایت کرتا۔

(۶) اب عالم آتش میں حضور کا تصرف اور معجزہ دیکھیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم خندق کھود رہے تھے، اس میں ایک ایسا سخت پتھر نکلا کہ کسی سے ٹوٹ نہ سکا، لوگوں نے یہ واقعہ خدمت اقدس میں عرض کیا، فرمایا، اچھا ہم اس میں اتریں گے۔ اور آپ اٹھے تو ہم نے

دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ کی شکم مبارک پر پتھر بندھے ہوئے تھے کہ تین دن گزر گئے
 تھے اور ہم نے کچھ چکھانا کھا، آپ نے کدال یا تھ میں لی اور اس پتھر پر ماری تو وہ
 پتھر ایک ریت کے تیلے کی طرح ہو گیا۔ اور نرم ہو کر پاش پاش ہو گیا۔
 حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور کی بھوک کا یہ حال دیکھ کر میں اپنے گھر گیا
 بیوی سے پوچھا کہ حضور کا بھوک کی وجہ سے یہ حال ہے تمہارے پاس کچھ کھانے
 کو بھی ہے؟ انہوں نے تقریباً ڈھائی سیر جو نکالے، ہمارے ہاں ایک بکری
 کا بچہ تھا اس کو میں نے ذبح کیا، بیوی نے آٹا پیسا اور گوشت پتیلے میں چڑھایا
 اب میں نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر چکے سے عرض کیا کہ ہم نے اس قدر
 کھانا تیار کیا ہے، سو حضور چند آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیں۔ حضور
 نے پکار کر فرمایا کہ "اے اہل خندق! جابر نے تمہاری دعوت کی ہے تم جلدی
 چلو"۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ "ابھی پتیلے کو چولہے پر سے نہ اتارنا اور
 نہ روٹی پکانا شروع کرنا تا وقتیکہ ہم وہاں تشریف نہ لے آویں"۔ جب
 آپ تشریف لائے تو لعاب دھن مبارک گوندھے ہوئے آٹے میں اور پتیلے
 میں ڈالا اور برکت کی دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ ایک پکانے والی کو اور بلاو اور
 پتیلے میں سے پیالوں میں سالن نکال نکال کر دو اور پتیلے کو چولہے پر سے نہ
 اتارنا۔ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہزار آدمی تھے، خدا کی قسم سب
 پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور پتیلے کا یہ حال تھا کہ اس میں (سالن) اسی طرح
 جوش مار رہا تھا اور آٹا جس قدر گوندھا گیا تھا ابھی تک اس میں کچھ بھی کمی
 نہ آئی تھی۔ اس معجزے میں علاوہ اس کے آگن شوربے اور گوشت
 کو جلا سکی اور نہ اسے کم کر سکی اور بھی کئی معجزوں پر یہ معجزہ شامل ہے جن کو
 سامعین نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا اس لئے ان کی تصریح کی ضرورت نہیں۔

(۷) اب ہوا کے متعلق صرف معجزہ عرض کر دوں۔ حضرت انس رضی
 اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور کے زمانے میں ایک مرتبہ قحط پڑا، ایک مرتبہ ایک
 جمعہ کا خطبہ پڑھ رہے تھے، اسی درمیان ایک اعرابی نے کھڑے ہو کر عرض
 کیا کہ یا رسول اللہ! ہمارے تو مال ہلاک ہو گئے، اہل و عیال بھوک کے

سبب مرے جا رہے ہیں، آپ مینہ کے لئے دعا کریں۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی، اس وقت آسمان پر ابر کا ایک ٹکڑا بھی نہ تھا، خدا کی شان ابھی آپ نے ختم کرنے نہ پائے تھے کہ پہاڑوں کی مانند ہر طرف سے ابر گھسنا چلا آیا، اور آپ مہینے سے اترنے نہ پائے تھے کہ ریش مبارک سے مینہ کے قطرات ٹپک ٹپک کر گرنے لگے، پھر اس روز سے دو سکر جمعہ تک مینہ برستا رہا۔ دو سکر جمعہ کو اسی اعرابی نے یا اور کسی کھڑے ہو کر عرض کیا کہ مکانات گر رہے ہیں، مال ڈوبے رہا ہے، دعا فرمادیں کہ مینہ ختم جائے۔ آپ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا :-

”یا اللہ ہمارے گرد برسے ہم پر نہ برسے!“

پھر جب ہر ابر کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا وہیں کھل گیا، پس مدینہ منورہ پر تو بالکل پانی کا برستا موقوف ہو گیا اور مدینہ کے گرد اگر دیر ستارہا، اطراف سے جو لوگ آتے تھے مینہ کی کثرت بیان کرتے تھے۔

اس معجزے سے بھی ہوا کے علاوہ باد لول پر بھی حکومت نظر آرہی ہے۔

(۸) اب عالم جہادات کی نیاز مندی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں حضور کے ساتھ مکہ معظمہ میں تھا، ایک مرتبہ آپ اطراف مکہ میں سے کسی طرف نکلے اور میں حضور کے ہمراہ تھا تو میں نے اس اساتہ میں یہ دیکھا کہ جو پہاڑ یا درخت سامنے آتا تھا وہ یہ کہتا تھا :-

السَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ

اس معجزے میں بھی علاوہ جہادات یعنی پہاڑوں کے نباتات یعنی درختوں کی نیاز مندی بھی ظاہر ہوئی۔

(۹) اب نباتات و اشجار کی فرماں برداری ملاحظہ ہو۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک منزل میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ چلے حتیٰ کہ ایک چوڑے میدان میں اترے۔ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے تو وہاں کوئی ایسی چیز نہ پائی جس کی آڑ میں حضور قضائے حاجت فرما، اس جنگل کے کنارے پر دو درخت نظر آئے، آپ ایک کے پاس تشریف لائے اور اس کی ایک ٹہنی پکڑ کر فرمایا بحکم خدا میری فرماں برداری کر!۔ وہ

درخت آپ کے ساتھ ہو لیا، جس طرح مہار والا اونٹ، مہار پکڑنے والے کے ساتھ ہولیتا ہے، اسی طرح دوسرے درخت کے پاس تشریف لے گئے اور اسے بھی اسی طرح سے اپنے ساتھ لے آئے اور ایسے مقام پر دونوں کو ٹہرایا جو ان دونوں درختوں کا بیچ بیچ تھا، اب فرمایا کہ ”دونوں مل جاؤ“! پس وہ درخت مل گئے، اور ان کی آڑ میں حضور نے حاجت رفع فرمائی — جابرؓ کہتے ہیں کہ میں بیٹھا ہوا کچھ دل میں سوچ رہا تھا اور میری نظر اس طرف سے ہٹ گئی تھی، پھر میں نے دیکھا کہ حضور تشریف لا رہے ہیں اور وہ دونوں درخت اپنی اپنی جگہ پر جا کھڑے ہوئے۔“

ایک مرتبہ حضور نے درخت کی ایک شاخ ہی کو بلایا تھا اور وہ درخت میں سے اٹوٹ کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر اور آپ کی نبوت کی شہادت دے کر واپس چلی گئی تھی۔

میرے عزیزو! آپ نے دیکھا میرا آقا کی حکومت کو؟

(۱۰) اب زبان حیوانات کا حال ملاحظہ فرمائیں کہ وہ اس پناہ بے کساں کے حضور میں کس طرح عاجزی کے ساتھ حاضر ہو کر فریاد کرتے ہیں اور کیونکر ان کی داد رسی کی جاتی ہے۔

حضرت تنیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا اور حضور کے سر مبارک کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا (اور کچھ عرض کیا)۔ حضور نے فرمایا کہ ”ٹھہر، اگر تو سچا ہے تو تجھے اپنے سچ کا پھل ملے گا اور جھوٹا ہے تو جھوٹ کا وبال تجھ پر پڑے گا، اس کے باوجود یہ یقینی بات ہے کہ جو ہماری پناہ میں آئے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اسماں رکھی ہے اور جو ہمارے حضور التجا لائے وہ نامرادی کا منہ نہیں دیکھ سکتا“ — ہم نے عرض کی یا رسول اللہ! یہ اونٹ کیا عرض کرتا ہے؟ — فرمایا، اس کے نالکوں نے اسے ذبح کر کے اسے کھا لینا چاہا تھا تو یہ ہاں سے بھاگ آیا ہے اور تمہارے نبی کے حضور فریاد لایا ہے — ہم بیٹھے ہی تھے کہ اس مالک دوڑتے ہوئے آئے،

اونٹ نے جب انہیں دیکھا پھر حضور کے سر انور کے پاس آگیا اور حضور کی پناہ پٹری
اس کے مالکوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! ہمارا اونٹ تین دن سے بھاگا
ہوا ہے، آج حضور کے پاس ملا ہے" — حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا، "دیکھو اس نے میرے حضور نالشی کی ہے اور بہت بری نالشی کی ہے"
— عرض کیا، "یہ کیا کہتا ہے؟" — فرمایا "یہ کہتا ہے کہ وہ برسوں تمہاری امان
میں پلا، گرمی میں اس پر اسباب لاد کر سبزہ زار جاتے اور جاڑے میں گرم
مقامات تک کوچ کرتے، جب وہ بڑا ہوا تو تم نے اسے ساڈ بتالیا، اللہ
تعالیٰ نے اس کے نطفے سے بہت اونٹ کر دیئے جو چرتے پھرتے ہیں، اب
جو اس کے لئے یہ شاداب برس آیا تو تم نے اسے ذبح کر کے کھا لینے کا
ارادہ کیا ہے" — وہ بولے، "یا رسول اللہ! خدا کی قسم اسی طرح ہوا"
— حضور نے فرمایا، کہ "نیک مملوک کا بدلہ اس کے مالکوں کی طرف سے
ایسا نہ ہونا چاہیے" — عرض کیا کہ اب ہم اسے نہ بیچیں گے، نہ ذبح
کریں گے" — فرمایا، غلط کہتے ہو، اس شخص تم سے فریاد کی تو تم اس کی
فریاد کو نہ پہنچے، اب میں تم سے زیادہ اس کا مستحق ہوں کہ فریاد پر رحم
فرمائوں، اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے دلوں سے رحمت نکال لی، یہ تو ایمان
والوں کے دلوں میں ہے" — پس حضور اقدس نے وہ اونٹ ان سے
سور و پلوں میں خرید لیا اور اسے فرمایا کہ "اسے اونٹ چلا جا، تو اللہ عز و
جل کے لئے آزاد ہے" بایسن کہ سر اقدس پر اپنی بولی میں کچھ کہا، حضور نے آمین
کہی — اسے دوبارہ کچھ کہا، حضور نے آمین کہی — سہ بارہ پھر اسے کچھ کہا
حضور نے پھر آمین کہی — اسے چوتھی بار پھر کچھ کہا، اس دفعہ حضور پر گم یہ
طاری ہو گیا — صحابہ نے عرض کیا "حضور یہ کیا کہتا تھا؟" فرمایا، "اس نے
پہلی بار کہا کہ "آمین اللہ! اللہ عز و جل حضور کو اسلام اور قرآن کی طرف بہتر
جز اعطا فرمائے؟" — میں نے کہا "آمین!" — پھر اسے کہا کہ اللہ تعالیٰ
قیامت کے دن حضور کی امت سے خوف دور کرے جس طرح حضور نے میرا
خوف دور کیا ہے؟" — میں نے کہا "آمین!" — پھر اس نے کہا کہ حضور کی

امت کے خون ان کے دشمنوں کے ہاتھ سے محفوظ رکھے (کہ وہ ان کو میٹ نہ سکیں) جیسا حضور نے میرا خون بچایا ہے! — میں نے کہا "آمین"! — پھر اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ حضور کی امت کی سختی ان کے آپس میں نہ رکھے! — اس پر مجھے گریہ ہوا کہ یہ سب مرادیں میں اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے طلب کر چکا اور اس نے مجھے عطا فرمادیں، لیکن پچھلی دعا کو منع فرما دیا۔

میں نے آیت کریمہ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَالنَّشِقُ الْقَهْرِ کے معنی کے ماتحت عرض کیا تھا کہ اس سلطان عالم کا تصرف سارے عالم میں جاری ہے اگرچہ اس کا پتا صرف اس ہی آیت سے چلتا ہے کہ جس کی قوت و تدبیر کا یہ حال ہے کہ ماہتاب تک کے ٹکڑے کرے اس کے آگے عالم کی دوسری اشیاء کی کیا حقیقت ہے لیکن میں نے مناسب خیال کیا کہ آپ کو دوسری اشیاء میں بھی آپ کے تصرفات کے چند نمونے پیش کر دوں۔ اس لئے پہلے یہ بتلایا کہ عالم کے تفصیلی اقسام نو ہیں عالم معانی، عالم مخلوق، عالم ملائکہ، عالم جن، عالم انس، عالم بساط، عالم جارات، عالم نباتات، عالم حیوانات — پھر ہر ایک قسم پر آپ کے تصرف اور ان کی فرماں برداری اور نسیا زمندی دکھلانے کے لئے چند حدیثیں صحیح پیش کی ہیں جو فی الجملہ اس سرکار کی حکومت قاہرہ کو ہویدا اور آشکار کر رہی ہیں، ہرگز ہرگز یہ خیال نہ فرمائیں کہ حضور کے یہی چند واقعات ہیں جن کی بنا پر یہ اتنا بڑا دعویٰ کرنا ہے کہ حضور کا تصرف تمام عالم میں جاری ہے، نہیں نہیں، یہ تو ان کے معجزات کے دریائے ناپیدائش کے چند قطرے ہیں ورنہ اس بیان میں تو بڑی ضخیم کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یاد رکھئے کہ یہ تصرفات جب ہی تک ہیں جب اس قادر مطلق واحد کی مرضی کے خلاف ہوں ورنہ روکے یا جاتا ہے جیسے ہمارا تمہارا حال ہے کہ جس شے پر ہمیں قدرت حاصل ہے جب وہ قادر مطلق نہیں چاہتا تو ہم آپ کچھ بھی نہیں کر سکتے، بڑے سے بڑا بادشاہ ایسے وقت مجبور محض ہوتا ہے۔ وَالْحَسْبُ دَعْوَانَا اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔

(یوم شنبہ، ۳ جولائی ۱۹۶۵ء)

معراج

(۱)

سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَى بِعَبْدِهِ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَى الَّذِي بَارَكْنَا حَوْلَهُ لِنُرِيَهُ مِنَ
آيَاتِنَا (بنی اسرائیل : ۱)

یعنی پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو لے گیا رات میں، رات کے
تھوڑے حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے گرد ہم نے
برکت رکھی ہے تاکہ اپنی قدرت کی نشانیاں اس کو ملاحظہ کرا سکیں،
اس آیت کریمہ میں ”آسرای“ کے بعد ”لَیْلًا“ محض اس ہی غرض سے لایا گیا ہے تاکہ
اس بات پر دلالت کرے کہ وہ رات کے کسی بڑے حصے میں نہیں لے گیا بلکہ
قلیل حصے میں لے گیا ہے، چنانچہ تفسیر جلالین میں ”لَیْلًا“ کے تحت فرمایا :-
وفائدة ذكره الاشارة بتسكيره الى تقليل مدته
یعنی لفظ ”لَیْلًا“ کے ذکر کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کی تیسرے سے اس کی
مدت قلیل کی جانب اشارہ ہو جائے۔ (اور یہ خیال جاتا رہے کہ رات کے
کسی بڑے حصے میں لے جایا گیا ہوگا۔)

اسی طرح فتوحات الہیہ میں ہے :-

فالتنوين للتقليل ای فی جزء قلیل من اللیل -

یعنی ”لَیْلًا“ میں جو تنوین ہے وہ تقلیل کے معنی دیتی ہے۔

تو معنی یہ ہوئے کہ رات کے قلیل جز میں یہ سب واقعات پیش ہوئے جن کا معراج
کے باب میں احادیث میں تذکرہ ہے۔ اور چونکہ یہ بات ایک موٹی عقل والے
کے لئے باعث انکار اور لائق حیرت تھی اس لئے آیت کریمہ کے اول ہی

لفظ "سُبْحَانَ" لایا گیا تاکہ تنبیہ ہو جائے کہ اس مقام پر انکار کا کوئی موقع نہیں وہ قادر مطلق ہر عجز سے پاک ہے، اس کی قدرت اس سے کہیں بڑھ کر ہے تو ایسے عظیم قدرت والے کے سامنے یہ کونسی بات مشکل ہے جس پر تحیر یا انکار کیا جاسکے، ایسی قدرتیں تو اللہ تعالیٰ نے بعض اپنی مخلوق کو عطا فرمادی ہیں جہاں چہ ارشاد ہے :-

وَقَالَ الَّذِي عِنْدَ عِلْمٍ مِنَ الْكِتَابِ أَنَا آتِيكَ بِهِ
قَبْلَ أَنْ تَنْزِلَهُ إِلَيْكَ طَرْفُكَ (النمل : ۴۰)

یعنی اور حضرت سلیمان سے کہا اس شخص نے جس کو کتاب الہی کا علم حاصل تھا کہ میں بلقیس کے تخت کو پاک جھپکانے میں آپ کے پاس لا حاضر کر دوں گا، پھر اس نے فوراً ہی اپنے دعوے کے موافق کر دکھایا، اور پاک جھپکانے میں حضرت سلیمان کے پاس بلقیس کا تخت لا حاضر کیا، تو جس نے اس کے کلام کی یہ قدرت کہ اس کا ماہر اس کلام کی قدرت سے مہینوں کی راہ سے تخت بلقیس ایک بل میں لا دھرے تو خود اس قادر مطلق سے کیا بعید کہ رات کے قلیل حصے میں اپنے خاص بندے کو اس قدر عظیم الشان مسافت طے کرادے کہ ہفت سموات کی سیر بھی اس کا محض حصہ قرار پائے۔ اسی طرح ملائکہ کی بلکہ ارنزل مخلوقات شیطان کی قدرت پر بھی غور کیا جائے تو اس شبہ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ شیطان ایک بل میں مشرق سے مغرب تک کی مسافت طے کر جاتا ہے۔

بہر حال اس پر ایمان لانا تو ضروری ہے کہ معراج کی تمام سیرات کے قلیل حصے میں ہوئی، اب رہی یہ بات کہ اس کی مقدار کیا تھی اس کا کوئی صحیح اندازہ بیان نہیں کر سکتا، کہ آیت اس میں ساکت ہے، بعض مفسرین نے چار ساعت اور بعض نے تین اور بعض نے آجس بھی کم کا اپنی تفسیر میں ذکر کیا، لیکن خود ساعت ہی کی تحدید میں کلام ہے کہ اس کی مقدار کیا ہے، کہ لغت کے اعتبار سے نہایت قلیل زمانے کو ساعت کہا جاتا ہے، اور یہ نہیں بتایا گیا کہ قلیل زمانہ کیا ہے۔ منٹ کا ہے یا اس

سے زائد یا کم کا ہے۔ پھر آیت و احادیث مرفوعہ بھی اس بات میں ساکت ہیں پس ہو سکتا ہے کہ جو مقدار بھی بیان کی جائے اس سے بھی کم زمانہ ہو۔ اس لئے اس میں صرف اتنا بیان کافی ہے کہ رات کے قلیل حصے میں معراج ہوئی کہ یہ بیان ہر اعتبار سے پاک ہے۔

(ب)

حضور کی عزت و توقیر

قرآن کریم میں ارشاد ہوا **وَلَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ** (الفق: ۹) یعنی اس رسول کی عزت و توقیر کرو۔ علما فرماتے ہیں :-

كل ما كان ادخل في الادب والاحلال كان حسنا

یعنی ہر وہ فعل جو ادب و تعظیم میں زیادہ دخل رکھتا ہے حضور کے لئے وہ حسن ہے۔

اس میں تمام امت کا اتفاق ہے، کوئی بھی اس کے خلاف نہیں گیا، پھر یہ عام حکم ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو شے بھی نسبت رکھتی ہے اس کی تعظیم میں حضور کی تعظیم ہے اور اس کی توہین میں حضور کی توہین اور حضور کی توہین کفر ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ حضور کی جوتی کو جس نے بھڑتی

کہنیا (معاذ اللہ) وہ کافر ہو گیا، ماوشما کا کیا ذکر، انبیاء علیہم السلام کے قلوب میں حضور کی عظمت بیٹھی ہوئی تھی، وہ حضور کے وسیلے سے کافروں پر فتح یابی کی دعائیں کرتے تھے۔ قرآن کریم حضور کی عظمت و جلالت کے

بیان سے بھرا ہوا ہے جس کی تفصیل بہت طوالت چاہتی ہے، پس

اگر کوئی شخص حضور کے کسی ذکر کو تعظیماً کھڑے ہو کر بیان کر دے تو اس

میں کوئی برائی نہیں، برائی ہے تو اس میں ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا فعل

کرتا ہو جس میں حضور کی عزت و عظمت کا اظہار ہو تو وہ اس کو منع کرے

ہرگز مسلمان کو ایسا نہ چاہیے، ایسے فعل کی تعظیم کو جو حضور کے نسبت

رکھتا ہو منع کرنا نہایت درجہ بُرا ہے۔

شفا عت

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اجازت حاصل کرنے کے بعد حضور تمام مخلوق کی سفارش کریں گے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوا :-
عَسَىٰ اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّجْهُودًا (بنی اسرائیل: ۷۹)
یعنی قریب ہے کہ تجھے تیرا رب مقام مجہود میں بھیجے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :-
قال سئل رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم عن
المقام المجهود فقال هو الشفاعة -

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ مقام مجہود کیا ہے؟ - ارشاد فرمایا شفاعت -

پھر شفاعت کی حدیثیں متواتر اور مشہور ہیں، جو صحاح وغیرہ میں بکثرت مروی ہیں، جس دن حضرت آدم صلی اللہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام "نفسی نفسی" فرماتے ہوں گے اور وہ فرمائیں گے "انا لها انا لها" میں ہوں شفاعت کے لئے، میں ہوں شفاعت کے لئے۔ انبیاء و مرسلین، ملائکہ مقربین سب ساکت ہوں گے اور حضور متکلم۔ سب اپنے اپنے فکر میں ہوں گے، ان کو تمام عالم کی فکر۔ سب محل خوف میں ہوں گے اور وہ بے خوف۔ ہاں اس دن جب آپ بارگاہ الہی میں سجدہ کریں گے اور ان کا رب فرمائے گا :-

۱۔ علم حدیث کی مشہور کتابیں یہ ہیں :- بخاری شریف، مسلم شریف، سنن ابن ماجہ شریف، سنن ابوداؤد شریف، ترمذی شریف، نسائی شریف، مؤطا امام مالک، مؤطا امام محمد، مسند ابوحنیفہ، طحاوی شریف، طحاوی شریف وغیرہ وغیرہ

یا محمد ارفع ما أسک وقل تسبح وسل تعط وانشفع
تشفع۔

یعنی اے محمد اپنا سراٹھاؤ اور عرض کرو، تمہاری عرض سنی جائیگی، اور
مانگو تمہیں عطا ہوگا اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت مقبول ہے۔

اس وقت اولین و آخرین میں حضور کی حمد ثنا کا غلغلہ مچ جائے گا اور دوست دشمن
موافق و مخالف، ہر شخص حضور کی افضلیت کبریٰ اور سیادت عظمیٰ پر ایمان لے
آئے گا اور ہر فرد جان جائیگا کہ بیشک یہی وہ ذات ہے جس کی جو کچھ بھی صفت
و ثنا کی جائے کم ہے، نہ صرف وہ بلکہ اس سے ہر ادنیٰ تعلق رکھنے والا بھی قابل
تعظیم ہے غرض جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضور شفاعت نہ فرمائیں گے وہ جاہل ہے
اور نہیں جانتا کہ اس میں بھرتا احادیث وارد ہیں۔

مولیٰ تعالیٰ مسلمانوں کو اس عظیم مرتبت والے کی شفاعت سے
بہرہ یاب فرمائے اور مسلمانوں کو صحیح معنی میں ان کی محبت عطا فرمائے کہ
بغیر ان کی محبت کے ایمان ہرگز ہرگز کامل نہیں ہو سکتا، اس قسم کے اعتراض
جب ہی قلب میں گزرتے ہیں جب قلب ان کی محبت سے خالی ہوتا ہے۔

جان ما باشی از مای رمی	اسے چوں جاں اندر وجود عالمی
موت در راہ تو محسود حیات	نغمہ از فیض تو در نمود حیات
باز اندر سینہ ما آباد شو	باز تسکین دل نا شاد شو
پختہ تر کن عاشقان خام را	باز از ماہ خواہ ننگے نام را

(اقبال : اسرار خودی، ۸۶)

شب مبارک ^(۹)

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ
الْقَدْرِ ۚ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۚ تَنَزَّلُ
الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ مَلَكٍ مِّنْ كُلِّ أُمَّةٍ
سَلَامٌ مِّنْهُنَّ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۚ (سورة القدر)

ترجمہ :- بیشک ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے اور آپ
کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے
بہتر ہے اس (رات) میں فرشتے اور روح (القدس) اپنے پروردگار
کے حکم سے ہر امر (خیر) کو لے کر اترتے ہیں، سراپا سلام ہے،
وہ شب طلوع فجر تک (رہتی ہے)۔

مسلمانو! ہوشیار اور خواب غفلت سے بیدار ہو جاؤ کہ تمہارے لئے
وہ رات آ رہی ہے جس میں تمہارے مالک و مولیٰ کے الطواف و عنایات
بے حد بے غایات ہونے والی ہیں، مگر شرط یہ ہے کہ تمہاری طرف سے
طلب بھی تو ہو، اگر تم اعراض کئے رہے اور محروم رہ گئے تو یہ تمہارا قصور
ہے، حدیث میں ہے کہ جو اس کی برکت سے محروم رہا وہ سب بھلائیوں
سے محروم رہا، وہ شب کیا ہے؟۔ شب قدر ہے۔ جس میں فرماں برداری
کی بڑی قدر و منزلت کی جانے والی ہے۔ اس لئے تمہیں
چاہیے کہ رمضان شریف کی اکیسویں، تیسویں، پچیسویں، ستائیسویں، اسیویں
راتوں کی کسی گھڑی کو عبادت سے خالی نہ چھوڑو۔ مانگو مانگو تمہیں ہن مانی
مرادیں ملیں گی، سبے اتوں میں نہ ہو سکے تو ستائیسویں رات کو سرگز
ہرگز نہ چھوڑو، گھریں نہ ہو سکے تو گھروں سے نکل کر مسجد میں چلے آؤ،

مگر زہار زہار اس دولت عظمیٰ کو ہاتھ سے جانے نہ دو۔

(ص-۱)

نوٹ :- حضرت علیہ الرحمہ کا یہ مضمون دہلی کے ایک سالے میں شائع ہوا تھا
 ہمیں سالے کا صرف ایک ورق دستیاب ہو گیا تھا، وہی حصہ یہاں نقل کر دیا گیا ہے
 پورا مضمون نہ مل سکا۔
 (مرتب)

خلافت

حَضْرَتِ عَلِيِّ كَرَّمَ اللهُ تَعَالَى وَجْهَهُ الْكَرِيمِ

(۱)

جناب امیر علیہ السلام کو خلافت کے متعلق اب اس قدر تلخ تجربات ہو چکے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد انہیں یہ منصب قبول کرنے میں غیر معمولی تامل تھا، ایک جانب مسلمانوں کا اصرار تھا اور دوسری جانب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا انکار۔۔۔ آپ نے اپنی بجائے مختلف صحابہ کرام کے نام پیش فرمائے کہ مسلمان ان میں سے کسی بزرگ کو خلیفہ منتخب کر لیں، لیکن سیاست خلافت کی پیچیدگی کو دیکھتے ہوئے ایک صحابی بھی یہ بار اٹھانے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا اور ہر شخص کی زبان پر یہی کلمہ تھا کہ موجودہ دور میں خلافت کا اہل حضرت علی کے علاوہ کوئی نہیں ہے، اسی کشمکش میں آٹھ دن گزر گئے، بالآخر مسلمانوں کے مجبور کرنے سے جناب امیر علیہ السلام مسجد نبوی میں تشریف لائے اور مسلمانوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا :-

منصب خلافت قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوں اس لئے تمام مسلمانوں سے معافی چاہتا ہوں اور اصحاب سے درخواست کرتا ہوں کہ ان میں سے کوئی صاحب بار خلافت اٹھانے کے لئے رضامند ہو جائے جو شخص بھی خلیفہ منتخب ہو گا سب سے پہلے میں اس کے ہاتھ پر بیعت کریں گا۔

مجمع نے یہ تقریر سن کر مختلف جلیل القدر اصحاب مثلاً حضرت عبداللہ بن عمر و حضرت سعد ابن وقاص وغیرہ سے منصب خلافت قبول کرنے کی درخواست کی لیکن سب نے انکار کیا، اس کے بعد خود جناب امیر علیہ السلام نے حضرت حکیم بن جلد و حضرت طلحہ

رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرداً فرداً اور خواست کی لیکن ان دونوں نے بھی انکار کیا اور جب حضرت طلحہ نے باواز بلند مسجد میں فرمایا :-

اے ابوالحسن میں تمہارے سامنے منصب خلافت قبول کروں؟ معاذ اللہ
— یہ کس طرح ممکن ہے؟ —

تو مالک بن اشتر نے کھڑے ہو کر آواز دی :-

یا جناب امیر! منصب خلافت قبول فرمائیے۔

مسلمانوں کے اصرار بلوغ پر جناب امیر علیہ السلام نے بادل ناخواستہ اپنی سخاوندی کا اظہار فرمایا، سب سے پہلے حضرت طلحہ نے اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر نے پھر سعید بن ابی وقاص نے، حضرت سعید نے اور دوسرے جلیل القدر اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے بیعت کی اور یہ سلسلہ دیر تک قائم رہا۔

منصب خلافت کے لئے امیر ہاشمی کا انتخاب اور پھر ایسا انتخاب کہ زعمائے ملت نے مسلسل آٹھ دن تک اصرار بلوغ کیا۔ بنو امیہ رشک و حسد کے انکاروں

پر لوٹنے لگے، ملت اسلامیہ کے جس شرف پر انہوں نے فریب و رساز شول سے

قبضہ کرنا چاہا تھا وہ پھر ان کے ہاتھ سے نکل گیا، قوم کے سر پر بنو ہاشم کی عظمت

و قیادت کا پرچم پھر لہرانے لگا۔ بنو امیہ کا جو ایک گروہ مدینہ طیبہ میں موجود تھا

جناب امیر کے منصب خلافت پر فائز ہوتے ہی معاویہ امیر شام کے پاس چلا گیا اور

دمشق میں ملت اسلامیہ کے شیرازے کو منتشر کرنے کے لئے سازشوں کا دام تیار

ہونے لگا۔ ابوسفیان نے آنکھوں کے نور عم رسولؐ کا کلیچہ چبانے والی ہندہ کے

بیٹے اور بستان رسالت کو اجاڑنے والے یزید پلید کے باپ جناب معاویہ

(امیر شام) شانِ ملوکیت کے پرانے دل دادہ تھے، ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ

انہیں قیصر و کسریٰ سے نسبت دے چکے تھے، وہ بھلا اس موقع پر کب خاموش

بیٹھنے والے تھے، انہوں نے چاہا کہ وحدت اسلامیہ کے شیرازے کو منتشر کر کے

کچھ نہیں تو کم سے کم شام ہی میں اپنی آزاد سلطنت قائم کر لیں، چنانچہ انہوں نے

بنو ہاشم کے پرانے اموی دشمنوں کی رہنمائی منظور کر لی اور جناب امیر علیہ السلام کے

خلافت اہل شام کو بھڑکانا شروع کیا۔

لوگوں کے جذبات کو مشتعل کرنے کے لئے ان سازشی امویوں نے سب سے زیادہ موثر حربہ یہ تجویز کیا کہ جناب امیر کی اس مقدس سستی پر جس نے اخیر وقت تک حضرت عثمان کا دیدہ دلیری کے ساتھ، ساتھ دیا، حضرت عثمان کے قتل کا الزام عائد کیا جائے چنانچہ امیر معاویہ ہر جمعہ کو دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمان کا خون آلودہ کرتہ اور حضرت عائشہ کی انگلیاں مسلمانوں کو دکھا کر انہیں ترغیب دیتے تھے کہ وہ جناب امیر سے قصاص طلب کریں۔۔۔۔۔ بنو امیہ تو آل ہاشم کے پرانے دشمن تھے لیکن اس قسم کے مکر وہ پروپیگنڈے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض دوسرے مسلمان بھی اس فریب میں گرفتار ہو گئے، وحدت اسلامی کے خرمین کو بھونکنے کے لئے بغاوت کے شعلے بھڑکنے لگے۔

جس زمانے میں حضرت عثمان شہید ہوئے ہیں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے معظمہ گئی ہوئی تھیں واپسی میں انہیں حضرت عثمان کے شہید ہونے کی اطلاع ملی اور چند امویوں نے جو اسی غرض سے مکہ معظمہ گئے تھے حضرت عثمان کی شہادت کا یقین دلایا (اور یہ بھی یقین دلایا کہ) حضرت عثمان کی شہادت میں معاذ اللہ جناب امیر علیہ السلام کا ہاتھ ہے۔۔۔۔۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ایک پرانے واقعہ کی بنا پر جس میں عبد اللہ بن مسعود اور مسطح بن اثاثہ دو منافقین نے مسلمانوں کی ماں کے دامن عصمت پر اتہام لگایا تھا، اور خداوند کریم نے اپنے محبوب کی محبوب بیوی کی عصمت و پاکبازی پر گواہی دی تھی۔۔۔۔۔ جناب امیر کی جانب سے قدر سے طلال تھا کیوں کہ آپ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ملول دیکھ کر بطریق دل سوزی اور بقاضائے بشریت یہ فرمایا تھا کہ حضور اس قدر ملول کیوں ہیں؟ اگرچہ کچھ شبہ ہے تو حضرت عائشہ سے کنارہ کشی اختیار فرمائیے۔۔۔۔۔ کچھ تو امویوں کی دروغ بافی، رنگ آمیزی اور جناب امیر کی جانب سے بزرگانہ طلال۔ حضرت ام المؤمنین کے دل میں معاً یہ خدشہ پیدا ہوا کہ میرا مدینہ طیبہ جانا مناسب نہیں ہے ممکن ہے کہ حضرت علیؑ سے کوئی برابر تاؤ کریں، یہ سوچ کر آپ مکہ واپس تشریف لے گئیں۔

بظاہر حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مکہ معظمہ واپس تشریف لے جانا ایک معمولی واقعہ تھا کہ آپ نے شہادت کی بنا پر مدینہ منورہ تشریف لانا خلاف مصلحت متصور فرمایا لیکن اس پر آشوبے و در میں اس واقعہ کو بھی سیاسی اہمیت حاصل ہو گئی اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما جیسے جلیل القدر اصحاب بھی مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اسی دوران میں قدیم فتنہ پرداز مروان بن الحکم اموی اپنی جماعت کو لے کر پہنچا اور حضرت ام المومنین کو واقعات شہادت اس قدر سہانہ آئیزی کے ساتھ سنائے کہ آپ رونے لگیں اور آپ کو یقین ہو گیا کہ اس میں حضرت علی کا ہاتھ ہے۔

بدقسمتی سے مسلمانوں کی ایک جماعت اس معاملے میں حضرت ام المومنین کو خطا کا ر سمجھتی ہے لیکن محبوب خدا کی اس محبوب بیوی کے متعلق جس کی عصمت و وفاداری کی شہادت خود علام الغیوب نے دی، جو خود صدیقہ ہے، اور جس کا پد شرم صدیق تھا، کسی قسم کا سو ظن مناسب نہیں، یہ ماننا کہ حضرت ام المومنین اپنے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور عظمت و شرف کے اعتبار سے دنیائے اسلام کے لئے موجب صداقتی میں مگر پھر بھی وہ عورت تھیں اور آپ کے واقعات پر غور کرتے وقت ہمیں فطرت نسوانی کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، فطری طور پر عورت کے دل میں شبہات بہت جلد پیدا ہوتے ہیں، حضرت ام المومنین بھی عورت تھیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے آپ کے دل میں بھی بقاقتاً فطرت یہ شبہ پیدا ہو گیا تھا کہ چوں کہ جناب امیر خود حضور سرور کائنات کے سامنے میرے خلاف ایک مرتبہ لب کشائی کر چکے ہیں اس لئے بہت ممکن ہے کہ میرے مدینے جانے پر حضرت علی اپنی کدورت نکالیں اور میرے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ عورت فطری طور پر نرم دل اور رحم و کرم کا مجسمہ ہوتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ بھی عورت تھیں اور مجسمہ رحم و کرم۔

جب امویوں نے مبالغہ کے ساتھ حضرت عثمان کے واقعات شہادت ان کے سامنے بیان کئے تو وہ بدرجہ اتم متاثر ہوئیں، حضرت عثمان کی مظلومی دے کسی تیر بن کر ان کے کلیجہ کے پار ہو گئی اور ان کے پاک قلب میں حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ کی ہمدردی کا وہ ناقابل برداشت جذبہ پیدا ہو گیا جو انہیں خاصہ رسول کی چار دیواری سے میدان جنگ میں کھینچ لایا۔

(ب)

اس موقع پر بھی جب کہ دلوں میں کدورت کی آگ پوری قوت سے بھڑک رہی تھی مخلص مسلمانوں کو یہ خیال رہتا تھا کہ ان کے قدموں کو جادہ حق پرستی پر لگزش نہ ہو چناں چہ جنگ جہل میں اس قسم کے سبق آموز واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں، جناب امیر علیہ السلام کے مخالفوں نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مشورہ دیا کہ وہ اہل عراق کو جناب امیر کے خلاف آمادہ جنگ کرنے کے لئے بصرہ تشریف لے چلیں، حضرت صدیقہ بصرہ روانہ ہوئیں، اثناء راہ میں مفسد امویوں کے علاوہ جلیل القدر اصحاب ناموس رسول کے ناقہ کو اپنے حلقے میں لئے ہوئے تھے، قافلہ ایک گاؤں میں پہنچا، کتوں نے حضرت ام المومنین کے ناقہ مبارک کے قریب آکر بھونکنے شروع کیا، آپ نے ہمراہیوں سے پوچھا کہ اس مقام کا نام کیا ہے؟ — لوگوں نے دست بستہ عرض کیا یا ام المومنین اس گاؤں کا نام "حواب" ہے — حضرت عائشہ صدیقہ نے اندراہ حیرت دوبارہ پوچھا، "حواب"؟ — جواب ملا، "جی ہاں" — فرمایا کہ "ناقہ کو روک لو، طلحہ اور زبیر کو بلاؤ، میں ابھی واپس جاتی ہوں" — ہمراہیوں نے متحیر ہو کر سبب پوچھا، جواب ملا :-

مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث یاد آگئی کہ میری ایک بیوی پر حواب کے کتے بھونکیں گے کیوں کہ وہ حق پرست ہوگی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وہ بیوی میں ہی ہوں، حواب کے کتوں کا بھونکنا اس امر کی دلیل ہے کہ میں حق پرست نہیں ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حق پرستی سے مخالفین کے گروہ میں کھلبلی مچ گئی، امویوں کی قدیم سازش پسندی اس موقع پر بھی کام آئی، انہوں نے آگے بڑھ کر کہا یا ام المومنین! آپ کے قافلہ کے رہنما نے غلط بیانی کی اس

مقام کا نام حو اب نہیں ہے۔۔۔۔۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، "اس کا ثبوت؟"

جناب امیر علیہ السلام کے باطل پرست دشمن گاؤں کے چند غریب باشندوں کو پکڑا اور انہیں ڈرا دھمکا کر حضرت ام المومنین کی خدمت میں یہ حلقیہ گواہی دلوائی کہ اس گاؤں کا نام حو اب نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ کے جذبیہ حق پرستی کو پھر بھی تسکین نہ ہوئی،

آپ نے فرمایا، "خیر اس گاؤں کا نام حو اب نہیں، نہ سہی۔ لیکن میں عورت ہوں مجھے میدان جنگ سے کیا واسطہ، تم مجھے میرے گھر جانے دو۔" حضرت ام المومنین کے اسرارِ شاد سے مخالفین جناب امیر علیہ السلام کے چھکے چھوٹ گئے، سوچا کہ اگر حضرت

عائشہ صدیقہؓ واپس تشریف لے گئیں تو پھر مرفانی دام فریب کی آہنی کڑیاں، تاریخِ نبوت کی طرح ٹوٹ جائیں گی لہذا پھر قدیم سازش بروئے کار آئی، اور ان لوگوں نے طبلِ جنگ بجنے کا حکم دے کر غل مچانا شروع کیا کہ حضرت علیؑ کی فوج

حملے کے لئے بڑھی چلی آ رہی ہے۔ حضرت ام المومنین اپنی شرافتِ نفس اور معصومیت کی وجہ سے پھر اس فریب میں آگئیں اور اس خیال سے کہ حضرت علیؑ کی فوج نے حملہ کر لیا میں میدانِ جنگ میں موجود ہوں لہذا اب سے اٹے جنگ کے کوئی صورت نہیں، آپ نے سکوت اختیار فرمایا۔

مصالحت کے لئے جناب امیر علیہ السلام اور دو سکے جلیل القدر اصحابِ رسول کی مخلصانہ کوششیں ناکام رہیں اور وہ خوں ریز جنگ ہوئی جو تاریخِ اسلام میں "جنگِ جمل" کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت طلحہ زخمی ہو کر میدانِ جنگ سے چلے گئے تھے حضرت

زبیر نے بھی میدان سے اسی کی حالت میں جامِ شہادت نوش فرمایا، ان دونوں بزرگوں کے جانے سے حضرت علیؑ کی مخالف فوجوں کے حوصلے کسی قدر پست ضرور ہو گئے تھے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ حرمِ رسول کا ناقہ ہمارے وسط میں

ہے تو مسلمان شمعِ رسالت کے گرد پروانہ از جمع ہو گئے اور اپنی جانیں قربان کرنے لگے۔ حضرت امیر علیہ السلام جانتے تھے کہ جب تک حضرت عائشہ صدیقہؓ کا اونٹ فوج کے وسط میں ہے، لڑائی ہرگز ختم نہ ہوگی۔ اور مسلمان اسی طرح

حرمِ رسول پر کھٹتے رہیں گے چنانچہ آپ نے مالک ابن اشتر سے مشورہ کیا، اور یہی طے ہوا کہ کسی طرح حضرت ام المومنین کے ناقہ مبارک کو قتل کر دیا جائے

✓ چنانچہ مالک بن اشتر نے آگے بڑھ کر اُس مسلمان کو جام شہادت پر لایا جو حضرت عائشہ صدیقہ کے اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے تھا، اس کا قتل ہونا تھا کہ دوسرے مسلمانوں نے دوڑ کر اونٹ کی مہار پکڑ لی، مالک بن اشتر نے ان کو بھی شہید کر دیا اور یہ سلسلہ قائم ہو گیا، عاشقانِ رسول دوڑ دوڑ کر حضرت عائشہ کے اونٹ کی مہار پکڑتے اور مالک بن اشتر اور حضرت علی کے دوسرے سپاہیوں کے ہاتھ سے قتل ہوتے تھے اس کے بعد مالک بن اشتر نے حضرت عائشہ کے ناقہ مبارک پر سخت حملہ کیا کہ وہ زمین پر گر پڑا، حضرت محمد بن ابو بکر دوڑے اور کچا وے میں ہاتھ ڈال کر اپنی بہن کو سنبھالا، حضرت عائشہ صدیقہ چوں کہ پردے کے اندر تھیں اور آپ نے سنبھالنے والے کو نہ دیکھا تھا لہذا فرطِ غیرت سے جھلا کر فرمایا :-

”بارالہا! جل جائے وہ ہاتھ جس نے اس جسم کو چھوا جسے صرف رسولِ خدا نے چھوا تھا۔“

حضرت محمد بن ابی بکر نے فرمایا :-

”اے بہن! میں ہوں تمہارا بھائی محمد، دعا کرو کہ میرا ہاتھ دنیا میں جلے، آخرت میں نہ جلے۔“

✓ جنگِ جمل میں طرفین کے سولہ سترہ ہزار مسلمان کام آئے، مجروحین میں لوگوں کے ہاتھ زیادہ قلم ہوئے، جناب امیرِ علیہ السلام کو فتح حاصل ہوئی، آپ نے المؤمنین کو ادبِ احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا، عورتوں کا رسالہ ہمہ کاتب تھا، چوں کہ یہ عورتیں مردانہ فوجی لباس میں تھیں، اس لئے حضرت عائشہ پہلے تو بہت ناراض ہوئیں کہ حضرت علیؑ نے نامحرم مردوں کے ہمراہ بھیجا لیکن مدینہ پہنچ کر جب اصل حقیقت معلوم ہوئی تو آپ بہت خوش ہوئیں۔

(ج)

شام کے گورنر معاویہ نے امیر المؤمنین حضرت علیؑ کے خلاف اعلانِ بغاوت تو پہلے ہی کر رکھا تھا، جنگِ جمل میں مخالفین علیؑ کی ناکامی کا حال

سنتے ہی ان کے تن بدن میں آگ لگ گئی، اور انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے مقابلے پر لشکرِ قہار روانہ کیا، سب کے آگے چھپن ہزار پیادوں کی مصیبت میں عمر بن العاص کا غلام دروان تھا، اس کے پیچھے عمر بن العاص، ان کے پیچھے امیر شام یعنی معاویہ — اور جناب امیر نے اس فسوس ناک بغاوت کا سر کچلنے کے لئے اپنی فوجوں کو دجلہ و فرات عبور کرنے کے لئے حدود شام میں داخل ہونے کی اجازت دے دی۔ دریائے فرات کے کنارے مقام صفین میں حق و باطل کی فوجوں کا مقابلہ ہوا، جناب امیر علیہ السلام نے اس موقع پر بھی پوری کوشش کی کہ صفین کی سرزمین مسلمانوں کے خون سے تر نہ ہو، لیکن آپ کو کامیابی نصیب ہوئی۔

شروع ذی الحجہ سے آخر ماہ تک میدانِ جہاد و قتال گرم رہا اور طرفین کے ہزاروں آدمی مارے گئے، محرم کا چاند نظر آیا اور حرمت ماہ کی وجہ سے لڑائی بند رہی، آٹھ ماہ تک التوائے جنگ کی مہلت ختم ہوئی، اور تاریخِ حنینہ پر طرفین کے ثالث یعنی حضرت ابو موسیٰ اشعری اور عمر بن العاص چار سو آدمیوں کے ہمراہ مقامِ دومة الجندل میں مجتمع ہوئے، ثالثوں نے تخلیہ میں باہمی مشورے سے طے کیا کہ حضرت علی اور امیر معاویہ دونوں اپنے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائیں اور مسلمانوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ باہمی مشورے سے جس شخص کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، عوام کو ثالثوں کے اس فیصلے سے مطلع کرنے کے لئے ایک جلسہ طلب کیا گیا اور دنیا نے بنی امتیہ کی سازشوں کا ایک بدترین نمونہ اپنی متحیر نگاہوں سے دیکھ لیا،

عمر بن العاص نے مصنوعی اخلاق و تکلف سے کام لیتے ہوئے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے درخواست کی کہ مجمع میں پہلے آپ تقریر فرمائیں، میں سبقت کی جرات نہیں کر سکتا، حق کے بندے حضرت ابو موسیٰ اشعری اس فریب کو نہ سمجھ سکے اور انہوں نے جلسے میں کھڑے ہو کر اپنا فیصلہ سنایا کہ معاویہ اور علی دونوں کو معزول کرتا ہوں، اب مسلمانوں کو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا خلیفہ منتخب کر لیں۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بعد

عمر بن العاص تقریر کے لئے کھڑے ہوئے اور کہا کہ جہاں تک حضرت علیؑ کی معزول کا تعلق ہے میں جناب ابو موسیٰ کی تائید کرتا ہوں لیکن میں معاویہ کو معزول نہیں کرتا، اور چونکہ حضرت علیؑ کے ثالث نے اپنے آدمی کو خود معزول کر دیا ہے اس لئے اب امیر معاویہ مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔

حضرت ابو موسیٰ کو اس فریب کاری پر بہت صدمہ ہوا اور عمر بن العاص کو بہت برا بھلا کہا، لیکن امویوں کو زبانِ خلق کی کیا پڑا تھی، ان کو تو کسی طرح اپنا مطلب نکالنا تھا، فوراً دو مرتبہ الجندل سے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے اور معاویہ کو خلافت کی مبارک باد دی۔

(۵)

بنو امیہ کی خود غرضی اور چالوں سے اب ممالکِ اسلامیہ و حصوں میں منقسم ہو گئی تھی، معاویہ نے دمشق کو اپنا پایہ تخت قرار دے کر مستقل حکومت قائم کر لی تھی اور خلافتِ اسلامیہ کے دو سرے صوبوں میں بھی بغاوت کے شعلے بھڑکائے جا رہے تھے، ایک جانب تو حضرت عثمان کے خون کا قصاص طلب کیا جاتا تھا اور دوسری جانب اموی امیر کے اشارے سے حضرت عثمان کے قاتل کنانہ کا باپ معاویہ بن شریح مصر کے علوی گورنر حضرت محمد بن ابی بکر کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا تھا، بہت ممکن تھا کہ جناب امیر علیہ السلام ملتِ اسلامیہ کے منتشر شیرازے کو دوبارہ مجتمع فرمانے کی کوشش کرتے لیکن شہادت کا نورانی تاج آپ کے فرق اقدس کو چومنے کے لئے بیچین تھا۔

اس دوران میں ایک نیا انقلاب پسند گروہ پیدا ہو گیا تھا جس کے خیال میں آئے دن کی جنگوں کا واحد علاج یہ تھا کہ حضرت علیؑ، امیر معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص کو قتل کر دیا جائے۔ مبارک بن البشیر اور عمر بن ابی بکر تیمی نے علیؑ کو ترتیب معاویہ اور عمر بن العاص کو قتل کرنے کا بیڑا اٹھایا، خارجی، عبدالرحمن ابن ملجم نے اپنی ایک ہم عقیدہ لڑکی قحطام کے دامِ عشق میں مبتلا ہو کر جناب امیر علیہ السلام کو عام شہادت پلانے کا تہیہ کر لیا۔ ان تینوں نے اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنایا۔

کے لئے ایک تاریخ اور ایک وقت مقرر کیا اور اپنے اپنے متعینہ مقامات کو روانہ ہو گئے۔

صفحہ ۱۱۱ قبل
 یوم مبارک ابن
 عبداللہ سے

ماہ رمضان المبارک ٹھارویں شب کو عبداللہ بن مبارک نے دمشق میں امیر معاویہ پر حملہ کیا، زخم بہت گہرا تھا مگر وہ جان برہو گئے، عمر بن ابی بکر تمیمی مصر میں عمر بن العاص پر حملہ نہ کر سکا، عبدالرحمن ابن بلجھ نے مسجد کوفہ میں شیر خدا کے سر مبارک پر حالت نماز میں حملہ کیا، تلوار نصف سے زیادہ اتر گئی اور دین فہری کا یہ ستون جو خانہ خدا ہی میں پیدا ہوا تھا خانہ خدا ہی میں جان عزیز جان انور کے سپر کر رہا ہے، دودن زخم کی تکلیف سے حالت غیر رہی، اس دوران میں مسلمانوں نے حاضر خدمت ہو کر آپ کے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کرنا چاہتے ہیں، جناب امیر علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ انتخاب خلافت میں مسلمانوں کو پوری آزادی ہے، مفاد ملت کا لحاظ رکھتے ہوئے جس کو چاہیں خلیفہ منتخب کر لیں، میں اپنی جانب سے دخل نہیں چاہتا، میں اس وقت اپنے خدا سے مشغول ہوں، میری توجہ دوسری جانب مبذول نہ کرو۔

ماہ رمضان المبارک اکیس تاریخ دنیا کو یہ پیام مصیبت سنانے کے لئے آئی کہ آج مسلمانوں کا گلیم پوش تاجدار ملت مرحومہ کا علم گار منصب شہادت پر فائز ہوتا ہے۔ دنیائے اسلام کا وہ نامور علم بردار جس نے چھوٹی عمر سے تائید اعانتین کا پرچم اپنے مقدس ہاتھوں میں سنبھالا تھا، آج دین پر اپنی جان قربان کرتا ہے، خدا کا ولی اپنے خدا سے مطرف راز و نیاز تھا رحمتوں کے دروازے کھلے ہوئے تھے، حوران خلد اپنے امیر کی پیشوائی کے لئے دست بستہ حاضر تھیں، بارخ ارم کا ایک ایک شگوفہ اپنے محترم مالک کے قدموں کو چومنے کے لئے بعد افتخار جھوم رہا تھا، کہ دیکھتے ہی دیکھتے

عالم کا سرتاج زمانے سے اٹھ گیا!

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ !

جناب امیر علیہ السلام چار برس آٹھ مہینے نو دن سر بر آراے خلافت رہے حضور سرور کائنات جس عمر میں منصب نبوت پر سرفراز ہوئے تھے اسی سنگہ بھری

میں آپ منصب شہادت پر فائز ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سن شریف کے موافق تریسٹھ سال کی عمر شریف پائی، اس خیال سے کہ دشمنان رسول اہل بیت رسول کہیں جبکہ مبارک کی بے حرمتی نہ کریں آپ کو رات کی تاریکی میں ایک پوشیدہ مقام پر دفن کر دیا گیا تھا اور قبر مبارک کا پتہ سوائے خصوصی اعزاء و احباب کے کسی کو معلوم نہ تھا۔ خلیفہ ہارون الرشید عباسی کے عہد میں آپ کا مزار مبارک ظاہر کیا گیا اور آج یہ مقام نجف اشرف کے نام سے مہبط النوار الہی ہے۔

اللَّهُمَّ ابْلُغْ مَوْجَ عَلِيٍّ مَنَاحِيَةَ وَسَلَامًا وَأَنْفِجْ حَبَّةَ

الْعُلْيَا وَذِكْرَهُ بِي لِيَذْكَرُنِي عِنْدَكَ يَا أَمَّا أَنْتَ أَعْلَمُ

أَنَّهُ نَافِعٌ لِي عَاجِلًا وَآجِلًا عَلِيٌّ قَدْرٌ مَعْرِفَتُهُ بِكَ

وَمَنْزِلَتُهُ لَدَيْكَ أَنْكَ بِكُلِّ فَضْلٍ جَدِيرٌ وَعَلَى مَا تَشَاءُ

قَدِيرٌ - وَصَلَّى اللَّهُ تَعَالَى عَلَيَّ خَيْرَ خَلْقِهِ مُحَمَّدًا وَآلِهِ

أَجْمَعِينَ بِرَحْمَتِكَ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِينَ -

۲۱ مئی ۱۹۶۵ء / ۹ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ

عشق را سرمایہ ایمان علی	مسلم اول شدہ مرزاں علی
ملت حق از شکویش فر گرفت	از رخ اوفال پیغمبر گرفت
کائنات آئیں پذیرا ز دودہ اش	قوت بین مبین فرمودہ اش
حق یابا شد خواند درام الکتاب	مرسل حق کرد نامش بو تراب
زیر فرمانش حجاز و حین و روم	ذات او دروازه شہر علوم

(اقبال: اسرار خودی، ص-۵۲، ۵۳)

کہتا تھا کوئی چل بسا احمد کا جانشین
کہتا تھا کوئی ٹوٹ گیا آج رکن دیں
دم سے ابو تراب کے تھی رونق زمیں
افسوس بے چراغ ہوئی بزم مؤمنین
عالم کا سرتاج زمانہ سے اٹھ گیا
بادی ہمارا آج زمانہ سے اٹھ گیا

ماخذ و مراجع

ماخذ و مراجع

ان کتابوں کی محل فرست جن سے حضرت علیہ الرحمہ اور مرتب نے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا یا جن کا ضمناً ذکر کیا گیا۔

پندرہ	مصنف	تصنیف	پندرہ	مصنف	تصنیف
۱	ابراہیم بن محمد الحلبي	(ا) غنیۃ الممتلی الخ	۱۳	ابوالحسن ندوی، مولانا	سیرت سید احمد شہید
۲	و و	(ب) کبیری	۱۵	ابوبکر قریشی	اشرف الواعظین
۳	ابن الحاج الفاسی، محمد	(ا) مطالع المرآت	۱۶	ابوحنیفۃ النعمان	المسند
۴	و و	(ب) المدخل	۱۷	ابوداؤد، سلیمان بن	سنن ابوداؤد شریف
۵	ابن الجبر الہیثمی	الفتاویٰ حدیثیہ	۱۸	ابی الحسن شاذلی،	دلائل الخیرات شریف
۶	ابن تیمیہ	مجموعۃ الرسائل الکبری	۱۹	احمد بن عبدالحکیم، شاہ	حجتہ اللہ البالغہ
۷	ابن جوزی، ابوالفرح	الرود علی المتعصب العنید	۲۰	احمد بن مبارک	کتاب لابریز
۸	عبدالرحمن بن علی	الدر الکامنه	۲۱	احمد بن عبداللہ، شیخ	مکتوبات شریف
۹	ابن عابدین، محمد امین بن	(ا) رد المختار	۲۲	احمد القسبانی المصری	الفصل الخطاب
۱۰	و و	(ب) منحة الخالق الخ	۲۳	احمد رضا خان، مولانا	(ا) التوحید بخشش
۱۱	و و	(ج) عقود الدرر الخ	۲۴	و و	(ب) الائمة و علی اجیال الازاد
۱۲	ابن عبدکافی سبکی	التظیم المنة الخ	۲۵	و و	(ج) الباقوت الواسطہ
۱۳	ابن ماجہ محمد بن یزید بن ماجہ	کتاب السنن	۲۶	و و	(د) التکوین الشہابیہ
	القزوينی		۲۷	و و	(ه) تطیب الیمان الخ
			۲۸	احمد سعید، مولانا	وعظ سعید

تصنیف	مصنف	پندرہ	تصنیف	مصنف	پندرہ
الہدایہ شرح البدایہ	الفرغانی، ابو الحسن علی	۴۹	رد قول نجدیہ	احمد علی	۲۹
	(بن ابی بکر۔		دہلی کی نئی مجلس اوقاف	احمد مہین، سید محمد	۳۰
	القرآن الحکیم	۵۰	مواظظہ نعیمیہ	احمد یار خاں، مفتی	۳۱
المواہب اللدنیہ	القسطلانی، شہناز الدین	۵۱	میرے زمانے کی دلی	تقتی حسین، ملا واحدی	۳۲
بالمخ محمدیہ۔	احمد۔		(ا) تقویۃ الایمان	سمعیل دہلوی، مولانا	۳۳
مسلم شریف	القشیری، ابو الحسین	۵۲	(ب) رسالہ سیکروری	” ”	۳۴
	ابن الحجاج۔		(د) فتاویٰ امدادیہ	اشرف علی تھانوی مولانا	۳۵
تفسیر روح البیان	المولیٰ سمعیل الحنفی	۵۳	(ب) اشرف المواظظہ	” ”	۳۶
کتاب السنن	النسائی، الحافظ احمد بن	۵۴	(ج) حفظ الایمان	” ”	۳۷
(نسائی شریف)	علی۔		تحفہ محمدیہ	اشرف علی گلشن آبادی	۳۸
تحفۃ المواظظین	امانت اللہ	۵۵	(ا) اسرار خودی	اقبال، ڈاکٹر	۳۹
النشر فی القراءات	امام جزری	۵۶	(ب) رموز بخودی	” ”	۴۰
العشر۔			(ج) بانگ دراء	” ”	۴۱
(د) المنتقد من الضلال	امام غزالی	۵۷	(د) بال جبریل	” ”	۴۲
(ب) احیاء العلوم الدین	” ”	۵۸	بخاری شریف	بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل۔	۴۳
الموطا	امام مالک	۵۹		الترمذی، الامام الحنفی	۴۴
الموطا	امام محمد	۶۰	الجامع والصحیح	محمد بن عیسیٰ۔	۴۵
حاضر العالم الاسلامی	امیر تکیہ رسولان	۶۱		الزرقانی، ابو عبد اللہ محمد	۴۶
فیض المبارک شرح	انور شاہ کشمیری، مولانا	۶۲	شرح مواہب اللدنیہ	بن عبد الباقی۔	۴۷
صحیح البخاری۔				الطحاوی، ابو جعفر احمد بن محمد	۴۸
انیس المواظظین	انور علی	۶۳	مشکل الآثار	محمد	۴۹
اربابہ	ایچ۔ جے۔ قلبی	۶۴		الطحاوی، احمد بن محمد	۵۰
پولٹیکل مشن ٹونجہ	ایس۔ ایل۔ پیلی	۶۵	طحاوی علی مرقی الفلاح	الطبرانی، یحییٰ بن احمد اللخنی	۵۱
پلی گری مسج ٹو مکہ	ایل۔ اے۔ بلنٹ	۶۶	المعجم الکبیر		۵۲

تصنیف	مصنف	پند	تصنیف	مصنف	پند
گلزار داغ	داغ دیلوی	۸۶	مرآة الواعظین	برکت اللہ ضیا	۶۷
تاریخ افکار علوم اسلامی	راغب طباطبائی	۸۷	بدونس اینڈ وہابینر	برک ہارٹ	۶۸
تذکرہ علمائے ہند	رحمان علی، مولانا	۸۸	بریف ہسٹری آف دی	برج	۶۹
فتاویٰ رشیدیہ	رشید احمد گنگوہی، مولانا	۸۹	وہابینر		
(د) اخیر المزید فی اعراض الآیتہ و کلمتہ التوحید	زید ابوالحسن	۹۰	واقعات دار الحکومت دہلی	بشیر الدین احمد	۷۰
(ب) القول السنی الخ	وہ	۹۱	قصیدہ بردہ شریف	بوصیری، علامہ	۷۱
(ج) الحجۃ فی مسئلہ اللہ الخ	وہ	۹۲	سنٹرل اینڈ ایسٹرن	پال گرین	۷۲
(د) خیر البیان الخ	وہ	۹۳	اربیاء		
(ه) خیر المود فی احوال المود	وہ	۹۴	—	تذکرہ المرشد	۷۳
(و) خیر المقال الخ	وہ	۹۵	مواظظ نادر	تمکین	۷۴
(ز) ماذا قال الامم فی ابن تیمیہ	وہ	۹۶	دکشنری آف اسلام دیوان بے مثل	ٹی۔ پی۔ ہیوز جان محمد شاد	۷۵ ۷۶
(ح) بزم خیر از زید بر جوا بزم جمشید	وہ	۹۷	مقالات غیر البہنیہ	جمال الدین افغانی، سید جمال الدین سہسپوری	۷۷ ۷۸
بظم مسئلہ ضبط ولادت	وہ	۹۸	جمال الملک والدرین فی رد عقائد وہابین	جمال الدین فرنگی علی	۷۹
(ی) الاسانید العالیہ الخ	وہ	۹۹	مثنوی شریف	جلال الدین دومی	۸۰
سراج الطالبین	سراج الدین	۱۰۰	تفسیر در مشور	جلال الدین سیوطی	۸۱
تائید الواعظین	سبحان علی	۱۰۱	تفسیر جلالین شریف	جلال الدین محلی و سیوطی	۸۲
مسائل وہابیان گستاخ	سعید الدین حسین	۱۰۲	کتاب التوہید فی	حافظ ابوالخطاب بن جبر	۸۳
تبرئۃ الشیخین	سلیمان بن سبحان	۱۰۳	مولد سراج المنیر		
الصواعق الالہیہ	سلیمان عبدالوہاب	۱۰۴	براہین قاطعہ	خلیل احمد نیسپوری مولانا	۸۴
عمدہ القوارخ	سویح لال سوری	۱۰۵	سفینۃ الاولیاء	دار اشکوہ	۸۵
اہلک لوداعین	سیا امیر شاہ پوری	۱۰۶			

تصنیف	مصنف	ہندسہ	تصنیف	مصنف	ہندسہ
طہارة القلوب والخضوع	عبد العزیز احمد الدیرینی	۱۲۷	الدر السنیة	سید محمد بن زین الدین	۱۰۷
لعلام الغیوب	المصری -		صراط مستقیم	سید احمد بریلوی	۱۰۸
مواعظ حسنة	عبد العفور	۱۲۸	آثار الصنادید	سید احمد خان، سر	۱۰۹
تغیث لتواریخ	عبد القادر بدایونی، ملا	۱۲۹	کار امروز	سیماب اکبر آبادی	۱۱۰
خطبات نبوی	عبد القیوم ندوی، مولانا	۱۳۰	سیرة النبی	شبلی نعمانی، مولانا	۱۱۱
تحفة الواعظین	عبد الکریم	۱۳۱	مجالس میلاد النبی	شمس الدین	۱۱۲
تحفة وعاہیہ	عبد اللہ	۱۳۲	تنویر الابصار وجامع	شمس الدین محمد بن	۱۱۳
بند شعراء کا نعتیہ کلام	عبد المجید خادم سوہدروی	۱۳۳	البحار -	ترباش الغزنی	
عنوان المجری تاریخ نجد	عثمان بن بشر	۱۳۴	(ا) ترجمان وعاہیہ	صدیق حسن خان نواب	۱۱۴
کتاب لقواعد	عزیز الدین بن عبدالسلام	۱۳۵	(ب) تحائف النبلاء	و و	۱۱۵
المرقات شرح مشکوٰۃ	علی قاری علی بن سلطان	۱۳۶	(ج) تفسیر الجیوالاحرار	و و	۱۱۶
شفا شریف	القاری -		القول الجلی	صفی الدین الحنفی	۱۱۷
مواعظ جدیدہ	عیاض، قاضی	۱۳۷	(د) اشعة اللغات	عبد الحق محدث دہلوی	۱۱۸
مواعظ جعفری	غلام حیدر	۱۳۸	(ب) ما ثبت من السننہ	و و	۱۱۹
دائرة معارف اسلامیہ	غلام رسول مہر، مولانا	۱۳۹	(ج) اخبار الاخیار	و و	۱۲۰
(مقالہ)			قاموس لکتب اردو	عبد الحق، مولوی	۱۲۱
خرزینہ الاصفیاء	غلام سرور لاہوری، مفتی	۱۴۱	نزہتہ الخواطر	عبد الحمید لکھنوی، مولانا	۱۲۲
احسن المواعظ	غلام محمد خٹ	۱۴۲	(د) الروضتین فی اخبار	عبد الرحمن بن ابراہیم	۱۲۳
فخر الواعظین	فتوحات الہیہ	۱۴۳	الدولتین -	المقدسی -	
ازالة الشکوک والاوهام الخ	فخر الدین	۱۴۴	(ب) الباعث علی التکا	و و	۱۲۴
شمشیر صداقت	فخر الدین	۱۴۵	البدیع والحوادث		
ظفر نامہ رنجیت سنگھ	فضل احمد	۱۴۶	نزہتہ المجالس الخ	عبد الرحمن بن عبد السلام	۱۲۵
	کنھیالال	۱۴۷	ابوالکلام کی کہانی خود	عبد الرزاق طبع آبادی	۱۲۶
			ان کی زبان فی -		

تصنیف	مصنف	پندرہ	تصنیف	مصنف	پندرہ
د) فتاویٰ مظہری	محمد مظہر اللہ شاہ مفتی	۱۷۰	معین الوداعین	محبوب احمد	۱۴۸
ب) مکاتیب مظہری	”	۱۷۱	کتاب التوحید	محمد بن عبدالوہاب	۱۴۹
ج) ارکان دین	”	۱۷۲	د) اکرم المواعظ	محمد ابراہیم	۱۵۰
د) مظہر العقائد	”	۱۷۳	ب) افضل المواعظ	”	۱۵۱
ه) مظہر الاخلاق	”	۱۷۴	تفسیر سراج المنیر	محمد الخطیب الشریزی	۱۵۲
و) خزینۃ الخیرات	”	۱۷۵	تاج المواعظ	محمد تقی	۱۵۳
ز) ترجمہ و تفسیر قرآن	”	۱۷۶	تواریخ عجیبہ	محمد حفصہ تھانیسری	۱۵۴
ح) رسالہ در علم توقیت	”	۱۷۷	ا) رسالہ رکن دین	محمد رکن الدین، مولانا	۱۵۵
ی) دار الافتاء دہلی کا	”	۱۷۸	ب) توضیح العقائد	”	۱۵۶
قرآنی فیصلہ	”	۱۷۹	ج) مولود محمود	”	۱۵۷
ک) عرض البلاد و طوائف	”	۱۸۰	د) روح الصلوٰۃ	”	۱۵۸
تذکرہ مظہر مسعود	محمد مسعود احمد	۱۸۱	ه) رسالہ در دفع طاعون	”	۱۵۹
ملفوظات مولوی محمد الیاس	محمد منظور نعمانی، مولانا	۱۸۲	فتاویٰ دارالعلوم	محمد شفیع، مفتی	۱۶۰
زبدۃ المقالات	محمد ہاشم کشمیری، مولانا	۱۸۳	زبدۃ الوداعین	محمد شفیع	۱۶۱
تاریخ تحریک آزادی	محمد حسین، ڈاکٹر	۱۸۴	دائرۃ معارف اسلامیہ	محمد شنب	۱۶۲
حیات طیبہ	میرزا حیرت دہلوی	۱۸۵	(مقالہ)		
محمد بن عبدالوہاب	مسعود عالم ندوی، مولانا	۱۸۶	رد و بابیہ	محمد ظہیر علی	۱۶۳
سکالمتہ الصدیدین		۱۸۷	در المختار فی شرح	محمد علاؤ الدین الحنفی	۱۶۴
مسلمانوں کی فہرستی کا فہرستہ	مناظر حسن گیلانی، مولانا	۱۸۸	تنویر الابصار	الحصکفی	
نجم الوداعین	نجم الدین	۱۸۹	مخزن احمد	محمد علی	۱۶۵
اطیب الایمان الخ	نعیم الدین مراد آبادی، مولانا	۱۹۰	تاریخ سید محمد ابراہیم ندوی	محمد قاسم خاک	۱۶۶
سید محمد شہید کی صحیح تصویر	سید احمد مسعود، مولانا	۱۹۱	تذیر الناس	محمد قاسم نانوتوی، مولانا	۱۶۷
تاریخ کبیر	وزیر الدولہ	۱۹۲	نور العرفان	محمد مسعود شاہ، مفتی	۱۶۸
شواہد الحق الخ	یوسف النہیانی	۱۹۳	ب) در التیم الخ	”	۱۶۹

اختتامیہ

الحمد لله الذي اجزى بنايحه الحكم والهدى وشرف بتلقين الهداية
والابلاغ امة الحمد لله على صاحبها السلام بفحو الآية الشريفة ادع الى
سبيل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة واعلى منزلتها بنبيه و
رسوله محمد اشرف الانبياء صلوات الله عليه وسلامه وعلى
اله طيبه هم نجوم السماء واولياء امته هم شمس الهدى اما
يعد فهذا الكتاب لمسمى بمواعظ المظهرى قد صنفها العلامة
الفهامة شيخ الزمان مفتى الاعظم مولانا شاه محمد مظهر الله نور
الله مضجعه كان صاحب كشف الولاية ومفتيا في الهند ومبلغا
للدين المحمدي بأسلوب الفقهاء المتقدمين وكان سهل اللسان
في التدريس والتبليغ فلهذا صار للناس مستفيدين بمواعظه و
ارشاده -

وهذا الكتاب قد رتب القاضى لاجل مولانا برو فيسرح مسعود احمد
بن مفتى الاعظم فجزاه الله وجعل سعيه مشكورا ثمانه اورد
في اول الكتاب بتفصيل حيات المصنف لمرجو والافتاحيه و
فهرس الماخذ والمراجع وفي آخر الكتاب بمجموعه منتخبة من
محامد الله في محاسن رسوله لاستفادة الناس -

وكتب مواعظ المظهرى العبد الضعيف عبد الباقي بن موكومرهل
بلد كويت، باكستان في ثلاثة اشهر (جمادى الثاني، رجب، شعبان ۱۳۸۹هـ) وقبل
هذا كتب من سلسلة المظهرية اربعة كتب اعنى تذكرة مظهر مسعود
ومكاتيب مظهرى وفتاوى مظهرية واما كان دين في ثلاث سنين -
اللهم اجعل السلسلة المظهرية مفيدة للناس ومؤيد للدين خير الانام -
افقر للناس عبد الباقي عفى الله عنه

سید گل

گل چیں

پروفیسر محمد مسعود احمد

حرف آغاز

①

جانِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر خوشی منانے کو چاہتا ہے۔
 — خوشی کیوں نہ منائی جائے، نغمے کیوں نہ اٹاپے جائیں کہ لامکان نغموں کی
 آواز سے گونج رہا ہے۔ — اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلٰى النَّبِيِّ — اللہ
 اور اس کے فرشتے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں بھیج رہے ہیں۔ —
 آواز پر آواز چلی آرہی ہے۔ — قُلْ فَبِذَٰلِكَ فُلِيْفٌ حُوْهُوَ خَيْرٌ مِّمَّا
 يَجْمَعُوْنَ — خوشیاں مناؤ کہ جو کچھ عطا کیا گیا ہے اس سے کہیں بہتر و بہتر ہے
 جو تم نے جمع کیا ہے۔ — ہاں خوشیاں مناؤ، کوئی گھڑی ذکر سے خالی نہ
 رہے، ذکر ہوتا رہے، کوئی کرتا رہے، کوئی سنتا رہے۔ — يَاۡۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ
 اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا — محبت والو! اس طرح اس پر درود
 و سلام بھیجو کہ حق محبت ادا ہو جائے۔

جس سے محبت ہوتی ہے دل چاہتا ہے کہ کسنی کسی طرح اس کا ذکر ہوتا رہے
 ذکر کرنے میں اور لطف ہے اور دوستوں کی زباں سے سن سن کر جو کیف و سرور
 محسوس ہوتا ہے وہ کچھ اور ہی ہے اس کا حال عاشقِ خسرتہ جگر سے پوچھئے!

②

حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ علیہ رحمہ اللہ پر عشق و محبت تھی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ
 وسلم کی محبت کی نشانی تھی، جمعۃ المبارک کو محفل منعقد ہوتی اور کچھ دیر یا دو جاناں صلی
 اللہ علیہ وسلم، میں نغمہ ریزی ہوتی، مجلس کیا تھی سراپا ادب تھی، محبت و خلوص کی جیتی

میں جولانیاں دکھاتے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے، حمد و نعت سے اس طرح پہلو تہی کر جاتے ہیں کہ دیکھ دیکھ کے ہیرت ہوتی ہے، شعراء متوسطین میں شیخ جان محمد شاد کا دیوانے سخن بے مثل (۱۲۹۲ھ) نظر سے گزرا، حمد و نعت اور منقبت کو دو شعروں میں تمام کر دیا اور فارغ ہوئے شتابی سے، ملاحظہ ہو :-

کنشت دہر میں غل ہے تری قدرت نمائی کا وہ بت پیدا کئے ہیں جن کو دعویٰ ہے خدائی کا
نبی پر آئینہ ہے حالی حیدر کی صفائی کا وہ بھائی اے برادر ہے پڑھے جو کلمہ بھائی کا
یہ دو مطلعے ہی حمد و نعت میں لے شاد کافی ہیں
غزل خواں ہو، ارادہ ہے اگر طبع آزمائی کا

(۴)

اصناف سخن میں رباعی کو مشکل ترین صنف کہا جاتا ہے، مگر فی الواقع حمد و نعت اس سے بھی زیادہ مشکل ہے، رباعی میں تو صرف تنگئی و اماں کی شکایت ہے مگر یہاں وسعت و اماں کے باوجود قدم پر مشکلات کا سامنا ہے ع
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
اردو شعرا نے جس راہ پر جولانیاں دکھائی ہیں وہ اس راہ سے قطعاً مختلف ہے
بے لگام محبت اور بے دریغ اظہار کے لئے یہ میدان بہت تنگ ہے
اسی لئے حضرت رضا بریلوی فرماتے ہیں :-

جو کہے شعرو پاس شرح، دونوں کا حسن کیوں کر آئے؟

لا اے سے پیش جلوہ زمزمہ رضا، کہ یوں !

یہاں دماغ کی نہیں، دل کی ضرورت ہے، دل بھی دل صافی، جس کو خون جگر سے
سنوارا گیا ہو، یہاں طوفان محبت کو قابو میں رکھنا پڑتا ہے، بے
قابو ہو جائے تو محبت لے سوا ہو جائے :-

پیش نظر وہ نو بہار سجدہ کو دل ہے بیقرار

روکے سر کو روکے ہاں یہی امتحان ہے

یہاں حسن اظہار کا پورا اہتمام کرنا پڑتا ہے ————— نعت گوئی کے لئے

اوپس قرنی کا دل اور صدیق اکبر کا تحمل و وقار چاہیے۔۔۔۔۔ پھر بھی وہ جو حق ادا
ہونے والی بات ہے پوری ہو ہی نہیں سکتی۔۔۔۔۔
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۵)

بھلا رونق بزم کائنات صلی اللہ علیہ کی تعریف تو صیف کاکس سے حق ادا ہو سکتا
ہے؟۔۔۔۔۔ وہ جان رحمت و نعمت ہیں۔۔۔۔۔ وان تعدوا نعمة الله لا
تحصوها۔۔۔۔۔ رب کی نعمتوں کو گنا شروع کرو تو گنتے گنتے تھک جاؤ۔۔۔۔۔
جب نعمتوں کو گنتے کا پار نہیں تو جان نعمت کی معرفت اور تعریف کا حق کس
طرح ادا ہو سکتا ہے؟۔۔۔۔۔

جس کی جان پاک کی قسم جان جاناں کھائے۔۔۔۔۔ لعمرك
تیری جان کی قسم۔۔۔۔۔ اس کی عظمت و شوکت کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟۔۔۔۔۔
جس کے سینہ عالی کو وہ تعالیٰ جل شانہ پاک صاف کرے۔۔۔۔۔ الود نشر
لك صدك۔۔۔۔۔ ہم نے تیرے سینے کو کھول نہیں دیا؟۔۔۔۔۔ اس قلب
صافی کی پاکیزگی و تقدس کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ جس کو وہ بصیر و علیم
دکھائے۔۔۔۔۔ لندریہ من ایتنا۔۔۔۔۔ تاکہ ہم اس کو اپنی کچھ نشانیاں
دکھائیں۔۔۔۔۔ اور اس شان سے دکھائے۔۔۔۔۔ ما نراغ البصر
وما طغی۔۔۔۔۔ نہ آنکھ جھپکی نہ حد سے بڑھی۔۔۔۔۔ اس کی بصیرت و بصارت
کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟۔۔۔۔۔ جس کو وہ نہ چھوڑے اور نہ اس سے روکھے
اور نہ چھوڑنے اور نہ روکھنے کا اعلان عام کر دے۔۔۔۔۔ ما ودعك ربك
وما قلی۔۔۔۔۔ تیرے رب نے تجھ کو چھوڑا اور نہ وہ تجھ سے روٹھا۔۔۔۔۔
جس کے مکان مقدس کی وہ لامکان قسم کھائے۔۔۔۔۔ لا اقسام بهذا البلد
وانت حل بهذا البلد۔۔۔۔۔ قسم ہے اس شہر کی اور یہ اس لئے کہ تو جو اس
شہر میں مکیں ہے۔۔۔۔۔ اس کے رفعت مکان کا کون اندازہ لگا سکتا ہے؟۔۔۔۔۔
جس کی حیات طیبہ کا یہ عالم ہو کہ ہر آنے والی گھڑی ایک نیا پیام رفعت لے کر آئے۔۔۔۔۔

والاخرۃ خیر لک من الاولیٰ — اور تیرا آنے والی گھڑی پھلی گھڑی سے بہتر ہے — اس کی سرعت لغت اور بلند ہی کا کون اندازہ کر سکتا ہے؟ الغرض جس کے ذکر و فکر کو وہ جان حمد بلند فرمائے — ورافعنا لک ذکرک — تیرے ذکر کو تو ہم نے بلند کر دیا ہے — اس کی بلند یوں کا کیا ٹھکانہ! — ان کی شان تو یہ ہے — النبی اولیٰ بالمؤمنین من النفس — نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم تو مؤمنین سے، ان کی جانوں سے بھی زیادہ، ان سے قریب تر نزدیک ہیں — نظر کتنی قریب ہے، نظر نہیں آتی، جان کتنی نزدیک ہے، دکھائی نہیں دیتی — جو جان سے زیادہ قریب ہو، جو نظر سے زیادہ نزدیک ہو، وہ کیسے نظر آئے؟ — حقیقت محمدیہ کا ادراک آساں نہیں، عاشق صادق نے خوب کہا ہے ع

اللہ ہی کو معلوم ہے تم کون ہو کیا ہو؟
لیکن پھر بھی حکم ہی ہے کہ تعریف و توصیف کئے جاؤ، اپنی اپنی بسا کے مطابق کچھ کچھ کہے جاؤ، یادوں کے چراغ جلانے جاؤ کہیں اندھیرا نہ ہو جائے!

(۶)

نگاہ محبت سے ہم نے بکثرت دوا دین کا مطالعہ کیا، مگر ما یوسی و حرماں نصیبی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا، امید تو یہ تھی کہ ان کیاریوں سے گل چینی کے بعد جھولیاں بھری جائیں گی، مگر دیکھا جائے تو سراسر من بھی ترنہ ہوا ع

ہمہ شوق آمدہ بودم ہمہ حرماں لغتہم
بہر کیف تلاش جستجو کے بعد متاع قلیل ہاتھ آگئی، عزیزم پروفیسر سید محمد عارف سلمہ نے بھی اعانت فرمائی فجزاہم اللہ حسن الجزاء۔ پیش نظر انتخاب میں مختلف دوا دین کے مؤرد مطالعے کے بعد ان شعراء کے کلام سے حمد لغت میں

چند منظومات پیش کی جا رہی ہیں :-
داغ دہلوی، رضا بیلوی، ظفر علی خاں ظفر، سیما ب اکبر آبادی، جگر مراد آبادی
جوش ملیح آبادی، بہزاد کنھوی، شارق دہلوی، امرنا تھ قیس، اور کیف

(۷)

آخر میں یہ وضاحت بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ نعت گوئی میں حضرت رضا بریلوی (۱۸۵۶ء - ۱۹۲۱ء) کا بڑا پایہ ہے، عقیدت مندوں میں آپ کو "اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اردو ادب کے تذکرہ نگاروں اور تاریخ نویسوں نے بڑی تنگ دلی سے کام لیا ہے، بعض نے سرسری ذکر کیا ہے اور بعض نے تو نظر انداز ہی کر دیا ہے، شاید اس لئے کہ وہ کسی کے شاگرد نہ تھے، وہ تلمیذ رحمن تھے، مگر نعت گو شعراء میں ان کے مقابلے کا کوئی نہیں اس صفت شاعری میں وہ سر تاج شعراء ہیں، نعت گوئی میں اپنے مقام و مرتبہ کا خود ان کو بھی احساس تھا، اور اس میں کوئی تعالیٰ نہیں۔

یہی کہتی ہے بلبل باغ جناب کہ رضا کی طرح کوئی سحر بہاں
 نہیں ہند میں و اصف شاہ ہدی مجھے شوخی طبع رضا کی قسم

محمد مستور احمد

صدر شعبہ اردو

گورنمنٹ ڈگری کالج

کوئٹہ (مغربی پاکستان)

۲۱ جمادی الاول ۱۳۸۹ھ

۶ اگست ۱۹۶۹ء

سید گل

حصہ

①

جلوہ اس کا نظر نہیں آتا
آنکھ کھلتے ہی خواب غفلت سے
دھوونڈ ٹھنکی ہیں جسے مری آنکھیں
تو نے جس دن سے کی مسیحائی
نہیں آتا نظر، نہیں آتا
ہائے کیا کیا نظر نہیں آتا
وہ تماشائے نظر نہیں آتا
کوئی اچھا نظر نہیں آتا

عشق در پردہ پھونکتا ہے آگ
اک زمانہ مری نظر میں رہا
رہے مشتاق جلوہ دیدار
دل پہ بیٹھا کہاں سے تیرنگاہ؟
یہ جلا نا نظر نہیں آتا
اک زمانہ نظر نہیں آتا
ہم نے مانا نظر نہیں آتا
یہ نشا نا نظر نہیں آتا
دل کو آنا نظر نہیں آتا
آپ ہی دیکھتے ہیں ہم کو تو

ہمیں اسے داغ کو ربا طن ہیں
ورنہ وہ کیسا نظر نہیں آتا؟

داغ دہلوی

②

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
شغل ایسا بتا دیا تو نے

کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے
لاکھ دینے کا ایک نیا ہے
کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے
بے طلب جو ملا، ملا مجھ کو
کہیں مشتاق سے حجاب ہوا
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی
مٹ گئے دل سے نقش باطل کے
ہے یہی رہ منزل مقصود
غم کا پستلا بنا دیا تو نے
دل بے مدعا دیا تو نے
کیا کہوں میں کہ کیا دیا تو نے
بے عرض جو دیا، دیا تو نے
کہیں پردہ اٹھا دیا تو نے
اس سے مجھ کو سوا دیا تو نے
نقشہ اپنا جما دیا تو نے
خوب رکتے لگا دیا تو نے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اسے خدا، دیا تو نے

داغ دہلوی

(۳)

بوئے دل از غباری آید
ایں ندائے زرداری آید
عشق در ہر دیار نالہ کند
سینہ خالی کنیہ از دلہا
مژدہ اے دل کہ ہر استقبال
ہم نشیں ملاز عشق می پرسد
شاید آں شہسوار می آید
جان فدائے کن کہ یاری آید
حسن از ہر دیار می آید
یار ہر شکار می آید !
رحمتش بے قراری آید
نالہ بے اختیار می آید

من بہ بینہاں جگر تلاش کنم
او مسگر آشکاری آید

جگر مراد آبادی

ذہانت

(۴)

دل کو جو عقل دے خدا تیری نگلی سے جائے کیوں
 سوتے ہیں ان کے سایے میں کوئی ہمیں کجائے کیوں
 خوب ہیں قید غم میں ہم کوئی ہمیں چھڑائے کیوں
 چھائی ہے اب تو چھاؤنی حشر سی آنے جائے کیوں
 جس کو ہر درد کا مزہ نازد روا اٹھائے کیوں
 میری بلا بھی ذکر پر پھول کے خار کھائے کیوں
 جاننا ہے سر کو جا چکے دل کو قرار آئے کیوں

پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھا کیوں
 زہت قافلہ کا شور غش سے ہمیں اٹھائے کیوں
 یاد حضور کی قسم، غفلت عیش ہے ستم
 دیکھ کے حضرت غنی پھیل پڑے فقیر بھی
 جان ہے عشق مصطفیٰ روزِ فزوں کر سے خدا
 خوش ہے گل پہ نذیب خار حرم مجھے نصیب
 سنگ در حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے

ہے تو رضا نرا ستم، جرم یہ گر لجا میں ہم
 کوئی بجائے سوز غم، ساز طرب بجائے کیوں

(۵)

ترے دن اے بہار پھرتے ہیں
 در بدریوں ہی خوار پھرتے ہیں
 آج وہ بے قرار پھرتے ہیں
 مانگتے تاجدار پھرتے ہیں
 کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں
 دشتِ طیب کے خار پھرتے ہیں
 پاؤں جاتے ہیں چار پھرتے ہیں

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
 جو ترے در سے یار پھرتے ہیں
 آہ کل عیش تو کئے ہم نے
 اس گلی کا گداہوں میں جس میں
 جان ہیں جان کیا نظر آئے
 پھول کیا دیکھوں میری آنکھوں میں
 ہائے نافل وہ کیا جگہ ہے جہاں

کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
 تجھ سے کئے ہزار پھرتے ہیں

(۶)

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول نثار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں
میں نثار تیرے کلام پر ملی یوں تو کس کو زباں نہیں
وہ سخن ہے جس میں سخن نہ ہو وہ بیان جس کا سیاں نہیں
بخدا خدا کا یہی ہے در، نہیں اور کوئی مہر مقرر
جو وہاں سے ہو یہیں آگے ہو جو جہاں نہیں تو وہاں نہیں
ترے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء کے بڑے بڑے
کوئی جلنے منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں
وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب قریب ہیں
کوئی کہہ دے یا سب امید سے وہ کہاں نہیں وہ کہاں نہیں؟
یہ نہیں کہ خلد نہ ہو نہ کو وہ نہ کوئی کی بھی ہے آبرو!
مگر اے مدینہ کی آرزو سے چاہے تو وہ سما نہیں
ہے انہیں کے نور سے عیاں انہیں کے جلوہ میں سب نہاں
بنے صبح تابش مہر سے رہے پیش مہر یہ جاں نہیں
وہی نور حق وہی ظل رب انہیں سے سب انہیں کا سب
نہیں ان کی ملک میں آسماں کہ زمیں نہیں کہ زماں نہیں؟
وہی لامکاں کے مکلیں ہوئے سر عرش تخت نشیں ہوئے
وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکان نہیں
سر عرش پر ہے تری گزردل فرش پر ہے تری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں جو تجھ پہ عیاں نہیں
کردن تیرے نام پہ فدائے بسواں یک جاں دو جہاں فدا
دو جہاں سے بھی نہیں جی بھر اکروں کیا کروں جہاں نہیں
تراقد تو نادرد ہر ہے کوئی مثل ہو تو مثال دے

نہیں گل کے پودوں میں ڈالیاں کہ چین میں سر و چراں نہیں
 نہیں جس کے رنگ کا دوسرا نہ تو ہو کوئی نہ کبھی ہوا
 کہو، اس کو گل کہے کیا کوئی، کہ گلوں کا ڈھیر کہا نہیں؟
 کرے مدح اہل دول رہا پڑے اس بلا میں مری بلا
 میں گدا ہوں اپنے کریم کا مرادیں پارہ ٹناں نہیں

④

یاد میں جس کی نہیں ہوش تن جان ہم کو
 دیر سے آپ میں آنا نہیں ملتا ہے ہمیں
 جس تبسم نے گلستاں پہ گرائی بجلی
 کاش آویزہ قندیل مدینہ ہو وہ دل
 عرش جس خوبی رفتار کا پامال ہوا
 خاک ہو جائیں درپاک پہ حسرت مٹ جائے
 تنگ آئے ہیں دو عالم تیری بیٹابی سے
 جب سے آنکھوں میں سمائی ہے مدینہ کی بہار
 پردہ اس چہرہ انور سے اٹھا کر ایک بار
 پھر دکھا دے وہ رخ اے مہر فرزاں ہم کو
 کیا ہی خود رفتہ کیا جلوہ جاناں ہم کو
 پھر دکھا دے وہ ادائے گل خنداں ہم کو
 جس کی سوزش نے کیا رشک چراغاں ہم کو
 دو قدم چل کے دکھا سر و خرا ماں ہم کو
 یا الہی نہ پھر اے سحر ساماں ہم کو
 چین لینے دے تپ سینہ سوزاں ہم کو
 نظر آتے ہیں خزاں دیدہ گلستاں ہم کو
 اپنا آئینہ بنا اے مہ تاباں ہم کو
 اے رضا و صف رخ پاک سٹانے کے لئے
 نذر دیتے ہیں چین مرغ غزل خواں ہم کو

⑤

زمین وزماں تمہارے لئے نکلیں مکان تمہارے لئے
 چنیں و چراں تمہارے لئے بنے دو جہاں تمہارے لئے

۱۰ ایضاً ص - ۴۸، ۴۷

۱۱ ایضاً ص - ۵۶، ۵۷

دھن میں زباں تمہارے لئے بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
 ہم آئے یہاں تمہارے لئے اٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے
 اصالت کل، امامت کل، سیادت کل، امارت کل
 حکومت کل، ولایت کل خدا کے یہاں تمہارے لئے
 تمہاری چمک، تمہاری دمک، تمہاری جھلک، تمہاری بہک
 زمین، فلک، سماں، سمک میں سگہ نشاں تمہارے لئے
 یہ شمس، قمر، یہ شام و سحر، یہ برگ و شجر، یہ باغ و شہر
 یہ تیغ و سپر، یہ تاج و کمر، یہ حکم و رواں تمہارے لئے
 سحاب کرم روانہ کئے، کہ آپ نعم زمانہ پیئے
 جو رکھتے تھے ہم وہ چاک میٹھے پہ ستر بڈاں تمہارے لئے
 نہ روح امیں نہ عرش بریں، لوح میں کوئی بھی کہیں
 خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں ازل کی نہاں تمہارے لئے
 یہ طور کجا، سپہر تو کیا کہ عرشِ علا بھی دور رہا
 بہت سے دور اوصال ملا یہ رفعت نشاں تمہارے لئے
 اشارے سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے نور کو پھیر لیا
 گئے ہوئے دن کو عصر کیا، یہ تاب تو ال تمہارے لئے
 صبا وہ چلے کہ باغ پھلے وہ پھول کھلے کہ دن ہو لیل
 لوانے تلے شن میں کھلے رضا کی زباں تمہارے لئے

(۹)

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے
 اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف ہوش میں جو نہ ہو، وہ کیا نہ کرے
 یہ وہی ہیں جو بخشدیتے ہیں کون ان جرموں پر سزا نہ کرے

سب طبیعوں نے دے دیا ہے جواب
 دل کہاں لے چلا حرم سے مجھے ؟
 دل میں روشن ہے شمع عشقِ حضور
 جب تری خو ہے سب کا جی رکھنا
 آہ عیسیٰ، اگر دو ا نہ کرے !
 ارے تیرا بڑا خدا نہ کرے
 کاش جوش ہو سس ہو ا نہ کرے
 وہی اچھا جو دل بڑا نہ کرے
 دل سے اک ذوق مے کا طالب بن
 کون کہتا ہے کہ اتقا نہ کرے
 لے رضا سب چلے مدینہ کو
 میں نہ جاؤں ؟ ارے خدا نہ کرے !

(۱۰)

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانیوالے
 برستا نہیں دیکھ کر ابر رحمت
 مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے
 تو زندہ ہے اللہ تو زندہ ہے واللہ
 حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
 اب آئی شفاعت کی ساعت اب آئی
 مراد دل بھی چمکا دے چمکانے والے
 بدش پر بھی برسادے برسائے والے
 غریبوں فقیروں کے ہرانے والے
 مرے چشم عالم سے چھپ جانے والے
 ارے ہر کاموقع ہے اوجانے والے
 ذرا چین لے میرے گھبرانے والے
 رضا نفس دشمن ہے دم میں نہ آتا
 کہاں تم نے دیکھے ہیں چندرانے والے

(۱۱)

آنکھیں رور کے سو بھانے والے
 آنکھیں کچھ کہتی ہیں تجھ سے پیغام
 جیتے کیا دیکھ کے ہیں ؟ اے خوروا
 جاننے والے نہیں آنے والے
 او دریا کے جانے والے
 طیبہ سے خلد میں آنے والے

۱۰ ایضاً، ص - ۶۴

۱۱ ایضاً، ص - ۷۱

حسن تیرا سنا نہ دیکھا، نہ سنا
 کہتے ہیں اگلے زمانے والے
 لب سیراب کا قصد، پانی!
 اے لگی دل کی بھانے والے
 ہو گیا دھک سے کلیجہ مرا
 ہائے رخصت کی سنانے والے
 خلق تو کیا کہ ہیں خالق کو عزیز
 کچھ عجب بھاتے ہیں بھانے والے
 کیوں رضا آج گلی سونی ہے؟
 اٹھ مرے دھوم مچانے والے

(۱۲)

کیا مہکتے ہیں مہکنے والے
 نہ بے داغ کے صدتے جاؤں
 بُوپہ چلتے ہیں بھٹکنے والے
 یوں دہکتے ہیں دہکنے والے
 عرش تک بھیلی ہے تاب عارض
 کیا جھلکتے ہیں جھلکنے والے
 وہ نہیں ہاتھ جھٹکنے والے
 عاصیوا تمام لودا من ان کا
 ارے یہ جلوہ گہ جاناں ہے
 کچھ ادب بھی ہے پھرکنے والے
 خاک ہو جائیں بھڑکنے والے
 شمع یاد رخ جاناں نہ بجھے
 موت کہتی ہے کہ جلوہ ہے قریب
 اک ذرا سولیں، بلکنے والے
 دل سلگنا ہی بھلا ہے اے ضبط
 بچھ یعنی جاتے ہیں دہکنے والے
 دیکھ اوزخ دم دل، آپے کو سنبھال
 پھوٹ بہتے ہیں تپکنے والے
 یوں چمکتے ہیں چمکنے والے
 مے کہاں اور کہاں میں زاہد
 کف دریا تے کرم میں ہیں رضا
 پانچ فوارے چھلکنے والے

(۱۳)

عرش کی عقل دنگ ہے چرخ میں آسمان ہے
 جان مراد اب کدھر ہائے ترا مکان ہے!

۷۲ ایضاً ص - ۷۲ . ۷۳ ایضاً ص - ۷۳

عرش پہ تازہ چھپڑ چھاڑ فرش پہ طرفہ دھوم دھام
 کان جسدھر لگانے تیر ہی داستان ہے
 اک ترے رخ کی روشنی چین ہے دو جہان کی
 انس کا انس اسی سے ہے جان کی وہی جان ہے
 وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو!
 جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے
 گود میں عالم شباب حال شباب کچھ نہ پوچھ
 گلبن باغ نور کی اور ہی کچھ اٹھان ہے
 تجھ سا سیاہ کار کون ان سا شفیق ہے کہاں؟
 پھر وہ تجھی کو بھول جائیں، دل یہ تیرا گمان ہے
 پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
 روکے سر کور و کئے ہاں ہی امتحان ہے
 خوف نہ رکھ رضا ذرا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
 تیرے لئے امان ہے، تیرے لئے امان ہے^{۱۴}

(۱۴)

اک رند ہے اور رحمت سلطان مدینہ
 تو صبح ازل آئینہ حسن ازل بھی
 دامان نظر تنگ فر او انی جلوہ
 اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق
 اس طرح کہ ہر سانس ہو مہر و عبادت
 اک تنگ غم عشق بھی ہے منتظر و یاد
 کوہین کا غم، یاد خدا، درد شفاعت
 ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ
 اے صل علیٰ صورت سلطان مدینہ
 اے طلعت حق طلعت سلطان مدینہ
 تو خلد ہے تو حبت سلطان مدینہ
 دیکھوں ہیں در دولت سلطان مدینہ
 صد قے تیرے اے صورت سلطان مدینہ
 دولت ہے ہی دولت سلطان مدینہ

اے عالم تکوین ترے اسرارِ حقیقت
ظاہر میں غریب الغریب پھر بھی یہ عالم
اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر دیا
اے جان بلب آبدہ ہر شیار خبردار
من جملہ یک آیت سلطانِ مدینہ
شاہوں سے سوا سطوت سلطانِ مدینہ
نازک ہے بہت بغیر سلطانِ مدینہ
وہ سانس میں حضرت سلطانِ مدینہ
کچھ سم کو نہیں کام جگر اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطانِ مدینہ

جگر مراد آبادی

(۱۵)

اے از لب صادق شنیدہ
اے مثل تو در جہاں نگارے
اے آل کہ بہ امتزاج کامل
تو پر تو حسن ذات او، از تو
اے بے ہمہ خلق و با ہمہ خلق
آن خیر کہ بود در زمانت
در عشق و وفا یکے مثالش
امروز بسین کہ مرد ماں با
مشرق ہمہ پُر ز فتنہ و شر
اے آل کہ ز شوق بے نہایت
طے کردہ مراحل و منازل
وزسدہ بہ فتہائے قوسین
اے آل کہ درون پردہ راز
کے عقل تو ال رسد بہ پایاں
لولاک لما خلت الافلاک
اے اسم تو حرز جان عاشق
نادیدہ خدا، خدائے دیدہ
بزدان دگر سے نہ آفریدہ
در جملہ صفات برگزیدہ
یک شتمہ بہ دیگران رسیدہ
اے از ہمہ خلق برگزیدہ!
بعد از تو، زمانہ ہم نہ دیدہ
نے دیدہ و نے ز کس شنیدہ
کار سے بہ ہلاکتے رسیدہ
مغرب ہمہ مست و مکرشیدہ
حق را ہمہ آشکار دیدہ
تا سدرہ بہ ساعتے رسیدہ
با عظمت خاص رہ بریدہ
از خویش بہ خویش تن رسیدہ
ہم عشق ہنوز نار رسیدہ
در مدح تو جان ہر قصیدہ
اے ذکر تو نور قلب و دیدہ

اے بر تو نثار شرم عصیان
یک گوشہ چشم التفاتے

اے بر تو فخرِ دل تپیدہ
بر امتیان غم رسیدہ
استادہ بہ پیش بارگاہت
پیرے بہ رخ آستیں کشیدہ
شاید جگر حزن ہمیں است
از بارگنہ کمر خمیدہ

جگر مراد آبادی

(۱۶)

دل برد از من دیروز شامے
روئے بمبیش صبح تجلی
مشکین خطا و سنبل بگلشن
چشمے کہ کوثر یک جرعه او
عارض چہ عارض گیسو چہ گیسو
آل تیغ ابروواں تیر مژگان
برق نگاہش صد جاں بدامن
ہر عشوہ او شیریں مقامے
از جسم لرزاں، لرزاں دو عالم
گاہے بہستی طاؤس رقصاں
از بارینا لرزش بدستے

فتنہ طرازے، محشر خرامے
لوح جبینش مساء تمامے
لعلیں لب او بادہ بہ جامے
قدے کہ طوباشن اولی غلامے
صحے چہ صحے، شامے چہ شامے
آمادہ ہر یک ہر قتل عامے
زلف سیاہش صد دل بہ دامے
ہر غمزہ اور نگہیں پیامے
وز زلف بر ہم، بر ہم نطقے
گاہے بشوخی آہو خرامے
وز کیف صہبا لغزش بہ گامے

گفتم چہ جوئی، گفتا دل و جاں
گفتم چہ خواہی گفتا غلامے

جگر مراد آبادی

(۱۷)

تجھ پر جہاں تصدق او پاک جان والے...
 بوسید کپڑوں والے ٹوٹے مکان والے
 دم بھر میں بے زباں تھے سارے زبان والے
 مہجور کب تک آخر ہندوستان والے
 پُردرد و قلب والے پرسوز جان والے

جگر مراد آبادی

قدرت کی آن لے رحمت کی شان والے
 دونوں جہاں کی نعمت ہے مٹھیوں میں تیری
 ایسے تھے امی کھولی زبان جس دم
 روضہ پہ اسے صبا تو جا کر یہ عرض کرے
 اک جنبش نگاہ کے سب منتظر کھڑے ہیں

(۱۸)

ہم جس میں بس ہے یہ وہ دنیا تم ہی تو ہو
 اس نور اولیں کا اجالا تم ہی تو ہو
 سب غایتوں کی غایت ولی تم ہی تو ہو
 اس کی حقیقتوں کے شناسا تم ہی تو ہو
 وہ رہ نور و جاوہ اسری تم ہی تو ہو
 اس جاں فزا زلال کی مینا تم ہی تو ہو
 جس کی نہیں نظیر وہ تنہا تم ہی تو ہو
 اسے تاجدار شریف بلجا تم ہی تو ہو

بتنا سنائیں جا کے تمہارے سوا کسے؟

ہم بے کسان ہست کے بلجا تم ہی تو ہو

ظفر علی خاں ظفر

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تم ہی تو ہے
 چھوٹا جو سنیہ شب تارا لست سے
 سب کچھ تمہارے واسطے پیدا کیا گیا
 جلتے ہیں جبریل کے پر جس مقام پر
 جو اسوا کی حد سے بھی آگے گزر گیا
 پیتے ہی جس کے زندگی بجا وداں ملی
 دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے؟
 گرتے ہوؤں کو قھام لیا جس کے ہاتھ نے

(۱۹)

رعشہ خوف بن گیا رقص بستان آذری
 قلم ناز حسن میں آف سے تری شناوری

تو وہ نبی کہ پھونکے ہی بزم نشاط کا فری
 خشک عرب کی خاک سے لہریاں اٹھیں نیار کی

سلجھا ہوا تھا کس کس تیرے ہواغ کہ ہر بری
 تیرے نفس نے لڑائی گری مہر خاوری
 تیرے غضب نے بند کی رسم و رسم گری
 نغمہ ترے سکوت کا نعرہ فتح خیری
 صاعقہ تیرے ابر کا لہرزش روح بو ذری
 عکس ترے گداز کا سوز دل آبادری
 شرح ترے جلال کی ضربت دست حیدی
 تیری غذائے خوش مزہ نان شعیر حیدی
 جذب تیری نگاہ کا رسم درہ قلندری
 گرد شکن سے پاک ہے تیری جبین دل بری
 آنکھوں میں اشک بکسی ل میں غم بکسی
 رکھی تھی جن کے فرق پر تو نے کلاہ مٹری
 دیر نہ کر کہ پڑ گئی سخن حرم میں ابتری

جوش کے حال زار پر رحم کہ تیری ذات ہے
 شعلہ طور مر جنت شمع حریم دل بری

جوش ملیح آبادی

بھٹکے ہوؤں پہ کی نظر رشک خضر بنا دیا
 تیرے سخن سے دب گئے لاف گزاف کفر کے
 تیرے کرم نے ڈال دی طرح خلوص بندگی
 چشمہ ترے بیان کا غار حسرا کی خاموشی
 زمزمہ تیرے ساز کا سخن بلال حق نوا
 آئینہ تیرے سوز کا گسری عابد حزم
 شان ترے ثبات کی عزم شہید کمر بلا
 تیرا لباس فاخر چادر کہنہ بتوں
 جوش تیرے علوم کا وضع طریقی اہل دل
 جن کی نگاہ تجھ پہ ہو کیوں نہ رہیں مٹھن
 تیرے نوا سے بنیوا تیرے حضور آئے ہیں
 آج ہوا اٹھنے ظلم سے ان کے بشر پہ خاک ہے
 اٹھ کہ تیرے دیار میں پر رحم کفر کھل گیا

(۲۰)

میرے غم کی دوا ہے اور میں ہوں
 دعاؤں کا صلہ ہے اور میں ہوں
 در حاجت روائے اور میں ہوں
 کسی کا نقش پاس ہے اور میں ہوں
 وہی دست بخا ہے اور میں ہوں
 کہ ان کا سامنا ہے اور میں ہوں
 عطاؤں پر عطا ہے اور میں ہوں

دہ خیر الوری ہے اور میں ہوں
 مرادوں کو ملی ہے منزل شوق
 مرے ارماں مچلے جا رہے ہیں
 خوش قسمت کہ محراب النبی میں!
 بھرا ہے جس نے دامن دو عالم
 در اقدس کے آگے دل ہے لڑاں
 ہوا ہوں باب جنت سے جو داخل

دکھا بہزاد کو ہر سال بطحا
کئی ہی بیہم دعا ہے اور میں ہوں

بہزاد لکھنوی

(۲۱)

مدینہ دل و روح و جاں لے کے جاؤں
رہی ہے جو سرگرم ان کی شنا میں
بھلا دوں جو کا ذبے، روداد میری
نہ چھوٹے کبھی یہ دیار مدینہ
جو پڑ پارہا ہے مری زندگی کو
میں وہ دل کا درونہاں لے کے جاؤں

نہیں لائق نذر بہزاد کچھ بھی !
میں کیا پیش شاہ شہاں لے کے جاؤں

بہزاد لکھنوی

(۲۲)

مدینہ کا فیض و کرم اللہ اللہ
خوشا آرزوئے دیار مدینہ
نہ دیکھا تو دنیا میں کچھ بھی نہ دیکھا
مری روح پر جنتیں پھا رہی ہیں
بڑی کام آئی جالی کے آگے،
تصور کے صدقے جہاں جی ہی ہے

وہاں دل جھکا یا ہے بہزاد میں نے
جہاں ہے وہ نقش قدم اللہ اللہ

بہزاد لکھنوی

(۲۳)

اے منظر ذاتِ خدا، وے مشرقِ نورِ ہدای
 اے خواجہ سرد و سرد، وے پشوائے انبیاء
 ہم مبداءِ عالمِ توئی، ہم منشاءِ آدمِ توئی
 اے جانِ منِ جانانِ من وے دینِ منِ ایمان
 دارم ہوائے روئے تو افتادہ ام در کوئے تو
 اے منبعِ نورِ ضیاء، وے معدنِ جود و سخا
 اے رہنمائے اتقیاء، وے مقتدائے اصفیاء
 ہم منظرِ عظیمِ توئی، ہم صباحِ کسزِ اختفا
 اے جانِ من! اے جانِ من! اے جانِ جانِ بر تو
 جاں می در ہم بر بوئے تو، اے برختِ صد جانِ فدا

(۲۴)

وہ جنابِ عقدہ کشائے جاں ، در پاکِ عقدہ کشائے دل
 دل و جاںِ نزل پہ ہو فدا ، یہ دووائے جاں و دووائے دل
 جو گمزر ہو اسے بر پاکِ پر ، تو بر آئے دونوں کی آکر زو
 ادھر اپنا حال سناؤں میں ، ادھر اپنا حال سنائے دل
 تری ہر گلی، ترا آستان ، تری ذات ، تری تسلیاں
 یہ برائے تن وہ برائے سر ، یہ برائے جاں وہ برائے دل
 یہ دعائیں دونوں قبول ہوں ، تو خدا ہے دونوں جہان کا
 تری راہ میں میری جائے جاں ، ترے دوست پر میرا آئے دل
 ادھر اس جہاں میں فضل کمر ، ادھر اس جہاں میں نجات سے
 یہی عرض تجھ سے ہے کیف کی ، یہی رات دن ہے دعائے دل

ذوٹے :- یہ دونوں نعتیں (۲۳، ۲۴) مواظظ منظری کے وعظ نمبر ۱ میں شامل تھیں (ترتیب)

(۲۵)

اے کہ ترا وجود ہے وجہ قرارِ دو جہاں
 اے کہ تری نمود ہے لطفِ خدائے لامکان

کہ تیرے تیرے گزرا آسمان اے کہ ترا درود ہے در زبان انس و جان

صل علی محمد صل علی محمد

تیرے ہی دم قدم سے زینت بزم کائنات کون و مکان ہے نور سے آئینہ تجلیات
دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات بھیج رہا خدا بھی ہے تجھ پر سلام اور صلوات

صل علی محمد صل علی محمد

آنکھ میں تیری مستتر شان جلال عزوجل رخ پہ تیرے ضیا فگن نور جمال لم یزل
فرق پہ تیرے جلوہ ریز افسر خستم رسل قلب میں ہے موجزن بحر فضیلت عمل

صل علی محمد صل علی محمد

جلوہ فگن خدا کا نور تیری جبین ناز پر! جھک گئے جس کے رو برو دیکھ کے کافروں کے
تو ہی خدا کا آخری دہر میں ہے پیام بر تیرا عمل خدا کا حکم تیرا وطن خدا کا گھر

صل علی محمد صل علی محمد

امرنا تمہ قیس

سلام

(۲۶)

محبوب کبیرا سے میرا سلام کہنا

تجھ پر خدا کی رحمت اے عازم مدینہ نور محمدی سے جب روشن ہو تیرا سینہ
جب ساحل عرب پر پہنچے ترا سفینہ اس وقت مہر جھکا کر اللہ باقرینہ

سلطان انبیاء سے میرا سلام کہنا

ساحل پہ آتے آتے موجوں کو چوم لینا موجوں کے بعد دلکش ذروں کو چوم لینا
اس پاک سرزمین کی راہوں کو چوم لینا پھولوں کو چوم لینا کانٹوں کو چوم لینا

پھر نور حق نما سے میرا سلام کہنا

ہو جانب مدینہ جب کارواں روانہ صل علی محمد کا جب لب پہ ہو ترانہ
درد زبان ہو جس دم اشعار عاشقانہ جب رحمت خدا کا لٹنے لگے خزانہ

سرچشمہ عطا سے میرا سلام کہنا
 روضہ کی جالیوں کے جس دم قریب جانا
 بیساختہ لپٹنا جوش جنوں دکھانا
 رو رو کے حال مسلم سرکار کو سنانا
 سینہ سے بھی لگانا آنکھوں سے بھی لگانا
 عالم کے دل رب سے میرا سلام کہنا
 راہ طلب کی لذت جب قلب کو مزادے
 عشق نبی مرسل جب روح کو جلا دے
 جب سوز عاشقانہ جذبات کو جگا دے
 ہستی کا ذرہ ذرہ جب آہ کی صدا دے
 و الشمس کی ضیاء سے میرا سلام کہنا

شارق دہلوی

(۲۷)

سلام اے صبح کعبۃ السلام اے شانم پتخانہ
 حرم پاک تیرا اک بلند ایوان حقیقت کا
 کہیں تو زندگی پیرا بہ اعجاز لب عیسیٰ
 فروغ آفرینش تو لوں پر تیری قائم ہے
 کچھ اس انداز سے جلوہ نمائی تو نے فرمائی
 یہ دنیا تیری نظروں میں مثال نقطہ ناقص
 معلوم ہے راز غلامی اہل عالم کا
 تو چمکا بزم آرزو میں باندا ز خلیلا نہ
 جہاں جبریل بھی ہے مختصر سا ایک پرشانہ
 کہیں تو خطبہ فرما اور ج طائف پر کلیمانہ
 کہیں تو شمع محفل ہے کہیں تو نور کا شانہ
 بساط دہر پر ہے ذرہ ذرہ تیرا دیوانہ
 یہ عالم سائے تیرے بقدر ظرف بگنے انہ
 ہے آداب میاست کے ترے ذہن ان کا گمانہ

اگر پیر و ترا پھر عالم ایجاد ہو جائے
 تو انسان کیا ساری کائنات آزاد ہو جائے

سیماب اکبر آبادی

(۲۸)

مصطفیٰ جان رحمت پہ لاکھوں سلام
 شمع بزم ہدایت پہ لاکھوں سلام

سیماب اکبر آبادی، کار امروز، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۳۴ء، ص - ۲۳

مہر گن سرخ نہایت پرکشش درود
 شہر یار ارم تاجدار حرم
 عرش تا فرش ہے جس کے زیر نگین
 مجھ سے بکس کی دولت پہ لاکھوں درود
 جس کے جلوے سے مر جھانی کلیاں کھلیں
 جس کے آگے سر سرد راں خم رہیں
 دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان
 جس کے سجدے کو مخراب کعبہ جھکی
 جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آگیا
 نیچی آنکھوں کی شرم و حیا پر درود
 جن کے آگے چراغ جھلسائے
 چاند سے منہ پہ تاباں درخشاں درود
 خط کے گرد دھن وہ دل آراء پھین
 ریش خوش معتدل مرہم ریش دل
 پتلی پتلی گل قدس کی پتلیاں !
 وہ دھن جس کی ہر بات وحی خدا
 جس کے پانی سے شاداب جان جناب
 وہ زباں جس کو سب کمن کی کنجی کہیں
 جن کی تسکین سے رٹے ہوئے نہیں پڑیں
 حجرِ اسود، کعبہ جان و دل
 ہاتھ جس سمت اٹھا بس غنی کر دیا
 جس کو بار دو عالم کی پرواہ نہیں
 دل سمجھ سے در اسے مسگریوں کہوں
 کل جہاں ملک اور جو کی روٹی غذا
 کھائی قرآن نے خاکہ گزر کی قسم

گل باغ رسالت پہ لاکھوں سلام
 نوبہا شفاعت پہ لاکھوں سلام
 اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام
 مجھ سے بے بس کی قوت پہ لاکھوں سلام
 اس گل پاک منبت پہ لاکھوں سلام
 اس سرتاج رفعت پہ لاکھوں سلام
 کان لعل کرامت پہ لاکھوں سلام
 ان بھووں کی لطافت پہ لاکھوں سلام
 اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام
 اونچی بینی کی رفعت پہ لاکھوں سلام
 ان عذاروں کی طلعت پہ لاکھوں سلام
 نمک آگین صباحت پہ لاکھوں سلام
 سبزہ نہر رحمت پہ لاکھوں سلام
 ہالہ ماہ ندرت پہ لاکھوں سلام
 ان لبوں کی نزاکت پہ لاکھوں سلام
 چشمہ علم و حکمت پہ لاکھوں سلام
 اس دھن کی طراوت پہ لاکھوں سلام
 اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام
 اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام
 یعنی مہر نبوت پہ لاکھوں سلام
 موج بحر سخاوت پہ لاکھوں سلام
 ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام
 غنیمتِ راز و حدت پہ لاکھوں سلام
 اس لشکر کی قناعت پہ لاکھوں سلام
 اس کفِ پاکی حرمت پہ لاکھوں سلام

جس پہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند؛
 اللہ اللہ وہ بچنے کی پھسبن
 بے بناوٹ ادا پر ہزاروں درود
 جس کے آگے کھچی گردنیں جھک گئیں
 ان کے مولیٰ کے ان پر کروڑوں درود
 پارہائے صحف غنچہ ہائے قدس
 بے عذاب و حساب و کتاب
 لاش محشر میں جہان کی آمد ہو اور
 مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں "ہالِ رضا"
 "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام"

رضا بریلوی



مرتب کی دوسری

مطبوعات

- | | | |
|-------|---|---|
| ۱۹۵۸ء | حیدرآباد کی معاشی تاریخ، (ترجمہ اردو)، مطبوعہ حیدرآباد، | ① |
| ۱۹۶۳ء | تمدن ہند پر اسلامی اثرات، " " ، مطبوعہ لاہور، | ② |
| ۱۹۶۳ء | شاہ محمد غوث گوالیاری، مطبوعہ میرپور خاص، | ③ |
| ۱۹۶۷ء | دائمی تقویم، (ترتیب و تفسیر)، مطبوعہ کوئٹہ، | ④ |
| ۱۹۶۸ء | منہج الاخلاق، " " " ، مطبوعہ کراچی، | ⑤ |
| ۱۹۶۹ء | ارکان دین، " " " ، مطبوعہ کراچی، | ⑥ |
| ۱۹۶۹ء | تذکرہ منظر مسعود، مطبوعہ کراچی، | ⑦ |
| ۱۹۶۹ء | مکاتیب مظہری، (ترتیب و تفسیر)، مطبوعہ کراچی، | ⑧ |
| ۱۹۷۰ء | فتاویٰ مظہری، " " " ، مطبوعہ کراچی، | ⑨ |



مدارن النبوت اردو

علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلی
کی

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل و فضائل

حیات سے طیبہ پر جامع و مانع کے نام سے

جلد اول

اس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیات سابق و آخر اور افضل الکائنات کو دلائل عقلی و الہامی اور اثبات فکری اور روحانی سے ثابت کیا گیا ہے۔ اس جلد میں ان امور پر بھی بحث کی گئی ہے جو شرف حسب و نسب، شرف نبوت و رسالت، شرف ابوت، شرف عصمت اور شرف معجزات متعلق ہیں اور کمال تو یہ ہے کہ ان خصائص اور فضائل کو قرآن پاک کی آیات سے ثابت کیا گیا ہے۔ اندازِ تحریر اور طریقہ استدلال اتنا پیارا اور دلنشین ہے کہ بات دل و دماغ میں آتی چلی جاتی ہے اور بہت ایسے شکوک و شبہات جو مادیت اور الحاد کے پیدا کردہ ہیں خود بخود زائل ہو جاتے ہیں اور دل و دماغ دولتِ ایمانی سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ خوشنما کتابت۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت، مضبوط پلاسٹک کا خوبصورت گور۔ سائز ۲۶x۲۰۔ آٹھ سو سے زائد صفحات۔ قیمت سے چوبیس روپے



جلد دوم

اس جلد میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ اور متعلقات حیات مبارکہ کو پیش کیا گیا ہے۔ طلوع آفتاب رسالت، اہالیان مکہ کے شدائد، رسول اکرم کی استقامت، ہجرت، غزوات، سرایے، دربار نبوی کے فیصلے، اصحاب کے آپ کا برتاؤ، غیروں سے حسن سلوک، ازدواجِ مطہرات کے حالات، اولادوں کا ذکر، یہاں تک کہ جس کو رسول مقبول سے ذرا سی بھی کسی قسم کی نسبت تھی اس تک کے حالات ایسے دلکش اور پیارے انداز میں تحریر کئے ہیں کہ جنہیں پڑھ کر حضرت علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلی کو علم کا بحرِ ذوق تسلیم کر لینا پڑتا ہے جو کچھ لکھا ہے عشقِ رسول میں ڈوب کر لکھا ہے اور جو بھی انہیں پڑھے گا ان ہی کیفیات کو اپنے دل میں محسوس کرے گا۔ یہ بات بھی پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اردو میں اس کے مکمل ترجمے اور اشاعت کا فخر صرف مدینہ پبلشنگ کمپنی کو اچھی ہی کو حاصل ہے۔ اس کا ترجمہ مفتی غلام معین الدین مراد آبادی نے کیا ہے جس کیلئے وہ ہم سب کے شکر ہے اور تحسین کے مستحق ہیں۔ خوشنما کتابت۔ آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت۔ مضبوط پلاسٹک کا خوبصورت گور۔ سائز ۲۶x۲۰۔ ایک ہزار سے زائد صفحات۔ قیمت سے ۲۷ روپے

مدینہ پبلشنگ کمپنی

بندر روڈ، کراچی